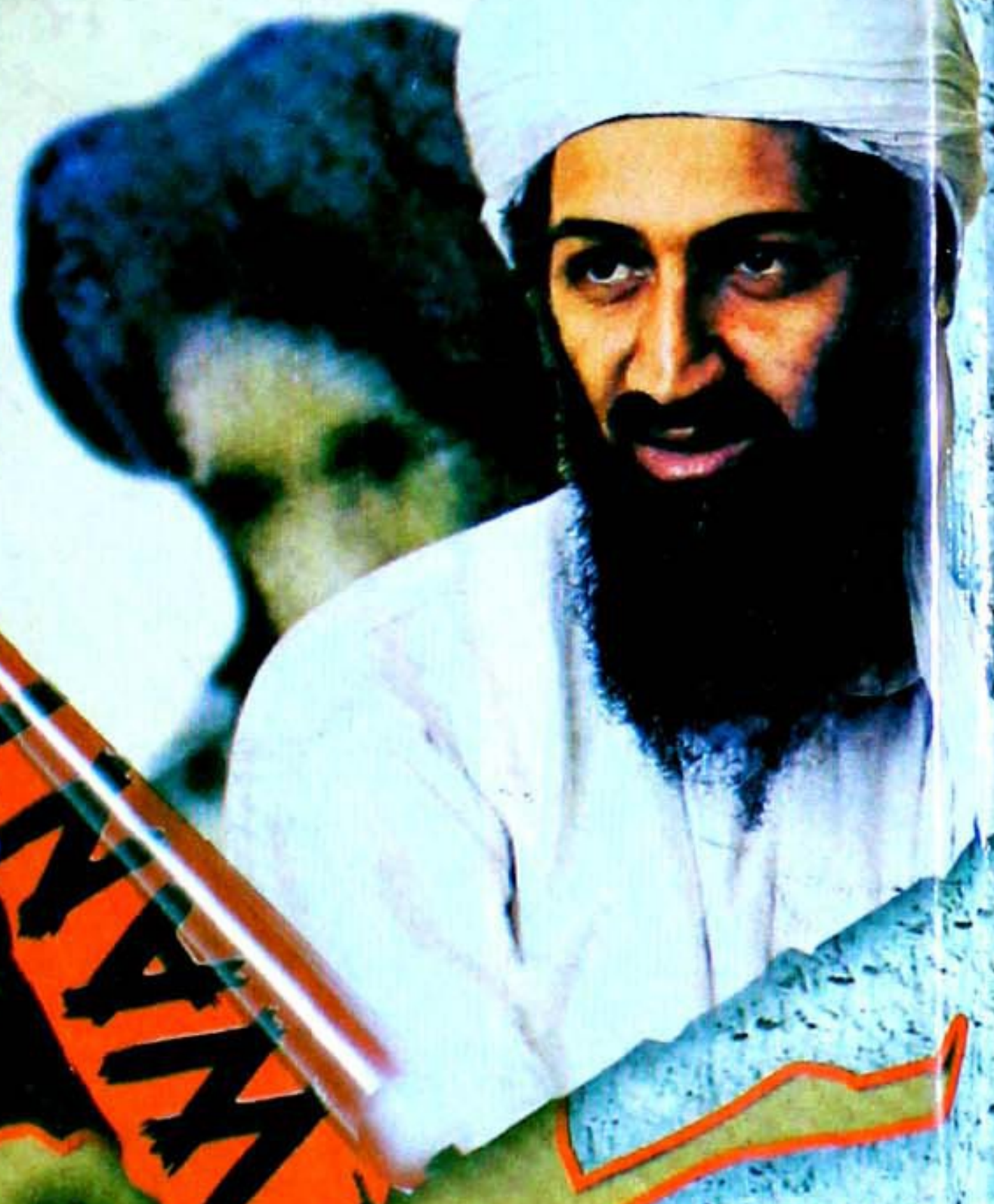

طالبان
اسامہ
اور
ملا عمر
Andkhoy
Sheber-ghan
Fariab
Meymaneh
Panjshir Valley
Kabul
AFGHANISTAN
Kandahar
انوار حسین ھاشمی
3790

Marfat.com

Marfat.com

# طالبان، اسامہ

# اور ملا عمر

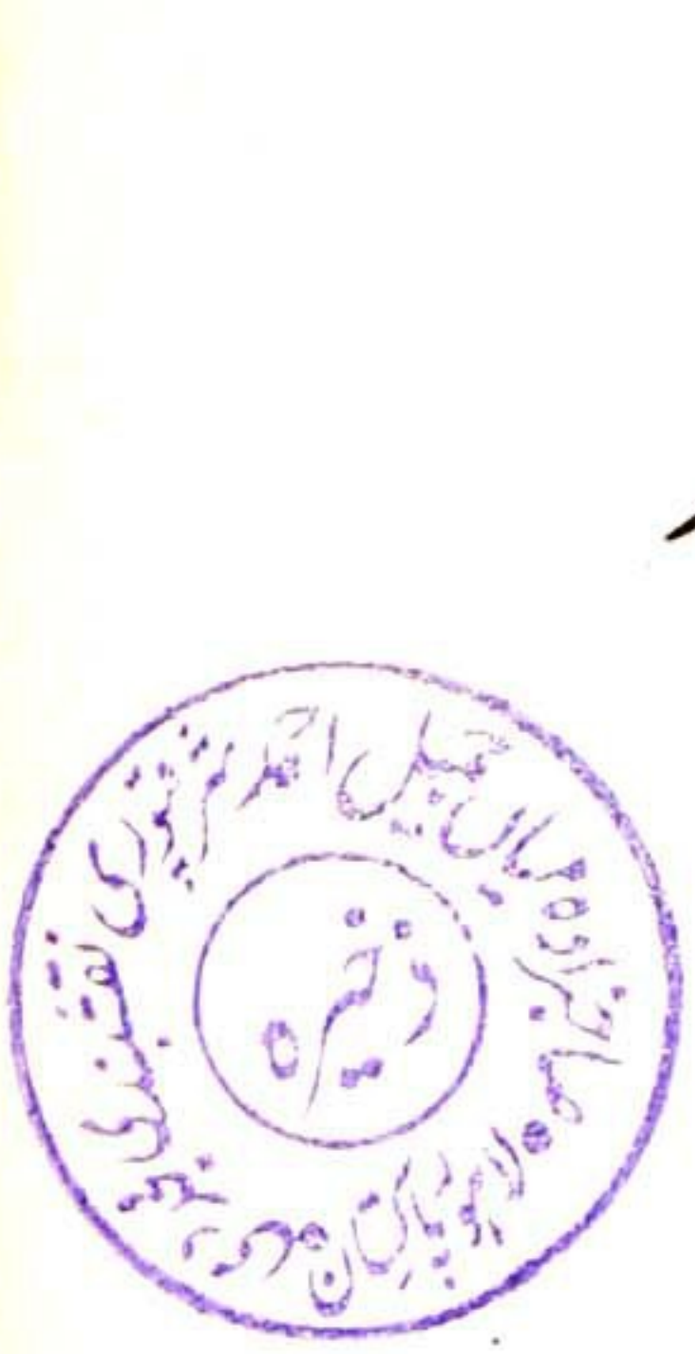


مصنف

انوار حسین ہاشمی



ساگر پبلشرز

7۔اے لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور



Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

87037


نام کتاب: طالبان، اسامہ اور ملا عمر

مصنف: انوار حسین ہاشمی

اشاعت: دسمبر 2001ء

تعداد: پانچ سو

پبلشرز: ساگر پبلشرز، 7اے لوئر مال داتا دربار روڈ لاہور

فون:۔7230423

قیمت: -/125 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7247350-7225085

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Visit us at:- www.ziaulquran.com


Marfat.com

3790

# حرفِ چند

''طالبان' اسامہ اور ملا عمر'' انوار حسین ہاشمی کی ان کاوشوں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے افغانستان میں اپنے مشاہدات کے دوران جمع کئے' یہ کتاب افغانستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں حقائق کی صحیح تصویر دکھاتی ہے۔ جس سے ان حلقوں کو طالبان کے متعلق ان خدشات کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے جو عالمی میڈیا کی جانب سے منصوبہ بندی کے تحت پھیلائے گئے ہیں۔ افغانستان کے طول وعرض پر پھیلے ہوئے ان مشاہدات کے ذریعے انوار حسین ہاشمی نے نہ صرف طالبان کے طرز حکومت کو موضوع بنایا ہے بلکہ ان شائستہ اور مہذب رویوں کے حوالے سے بھی گفتگو کی ہے جو افغان روایتی معاشرے کا خاصہ ہے۔ ان رویوں' اسلامی طرز حکومت اور آس پاس کے اسلامی ممالک پر اس کے مثبت اثرات سے ہی خوفزدہ ہو کر آج امریکہ' روس اور یورپی ممالک طالبان کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کئے ہوئے ہیں۔

وسطی اور جنوبی ایشیا کے درمیان واقع افغانستان نے بین الاقوامی اہمیت اس وقت حاصل کی جب 1979ء میں سابق سوویت یونین نے افغانستان کو مشرقی یورپ پر قیاس کر کے فوج کشی کی سنگین غلطی کی۔ یہاں آ کر سوویت یونین کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ایسی قوم سے الجھ پڑا ہے جس کی تاریخ محکومیت کی لعنت پاک اور لغت شکست کے لفظ سے عاری ہے۔ افغان جہاد کے طویل دورانیے میں جو نئی عالمگیر جہت سامنے آئی تھی وہ یہ تھی کہ اس جہاد میں دنیا کے تقریباً ہر خطہ کے مسلمانوں نے حصہ لیا' تقریباً تیس ہزار عرب مجاہدین اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ سوویت یونین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ یوں بیسویں صدی میں افغان جہاد کو ''ام الجہاد'' کہا جا سکتا ہے اس جہاد نے نہ صرف دنیا کے مختلف علاقوں میں جاری اسلامی جہادی تحریکوں کو نئی جلا بخشی بلکہ بڑی طاقتوں کے اس عسکری طلسم کو توڑنے میں بھی کامیابی حاصل کی جس کی بنیاد گذشتہ نصف صدی سے اسلامی دنیا کو خوفزدہ کر کے مقامی قیادتوں کے ذریعے محکوم بنایا گیا تھا۔

Marfat.com

افغانستان کے بارے میں انوار حسین ہاشمی اور میرے مشاہدات میں جو جوہری فرق ہے وہ یہ ہے کہ میں نے افغانستان کو اس وقت دیکھا جب مقابل سوویت فوج اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی اور مجاہدین اسلام سیاسی' علاقائی اور لسانی نسبتوں سے بالاتر ہو کر داد شجاعت دے رہے تھے۔ طورخم سے لیکر درہ سلانگ تک سوویت یونین فوج بکھری ہوئی حالات میں افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں سے سر ٹکرا رہی تھی' مگر کم عمری کی وجہ سے میں ان مشاہدات کو سنجیدگی کے ساتھ ضبط تحریر نہیں کر سکا تھا۔ انوار حسین ہاشمی نے افغانستان کا مشاہدہ کیا اس وقت کیا جب افغان حکومت کو شمالی اتحاد کی شکل میں اپنوں ہی کی مخالفت کا سامنا تھا اور دوسری طرف دہشت گردی کے الزام کی وجہ سے بین الاقوامی پابندیوں کا سامنا۔ مگر اس کڑی آزمائش کی حالت میں بھی افغان عوام نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا ہے' سولہ سالہ جنگ کے بعد افغانستان پہلے ہی اقتصادی دیوالیہ حالت کو پہنچ چکا تھا کہ انسانی حقوق کی عالمی سیسہ گریوں نے اپنے سیاسی مقاصد پورے نہ ہونے کی صورت میں اسے مزید مشکلات میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ انوار حسین ہاشمی کی کتاب میں ان ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مغربی میڈیا میں طالبان کے خلاف تواتر کے ساتھ پھیلائے گئے ہیں۔

نوائے وقت کے ادارہ ندائے ملت سے وابستہ انوار حسین ہاشمی صحافتی میدان میں میرے بہترین دوست ہیں' ان کی چونکا دینے والی رپورٹیں اور فکر انگیز تجزیے بے شمار قارئین کی دلچسپی کا محور و مرکز رہتے ہیں۔ میری ذاتی رائے میں وہ ملکی صورتحال اور اس کی سیاست پر گہری نگاہ رکھنے والے صحافی ہیں مگر اس کتاب کو دیکھنے کے بعد اس بات سے انکار ممکن نہیں رہتا کہ وہ ملکی صورتحال کے ساتھ ساتھ عالمی حالات، اور اس کے پاکستان پر پڑنے والے اثرات سے بھی پوری طرح باخبر ہیں۔ ''طالبان' اسامہ اور ملا عمر'' انوار حسین ہاشمی کی پہلی کاوش نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے مختلف سیاسی موضوعات پر ان کی چھ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ افغانستان کے موضوع پر ان کی زیر نظر کتاب حالات حاضرہ کے طالب علموں کے لیے بہترین حوالہ ثابت ہوگی۔ میری اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور زور قلم دے۔ آمین۔

محمد انیس الرحمٰن

(روزنامہ نوائے وقت لاہور)

Marfat.com

# پیش لفظ

گیارہ ستمبر 2001 کو امریکہ میں برپا ہونے والی تباہی کے واقعات اتنے غیر معمولی تھے کہ شاید اس کے اثرات صدی کے اختتام تک رہیں گے۔ اس دن صرف ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان کی عمارتیں ہی زمین بوس نہیں ہوئیں بلکہ امریکیوں کا گھمنڈ اور سپر طاقت ہونے کا غرور تک بھی خاک میں مل گیا۔ یہ بھی شاید قدرت کی عنایت اور اعزاز ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کا دعویٰ کرنے والے ملک نے دنیا کے پسماندہ ترین ملک کو اپنا سب سے بڑا دشمن شمار کیا۔ ایسا ملک جس کے بارے میں امریکہ کے اپنے دانشور اسے قبل مسیح کا کوئی ملک قرار دیتے ہیں' جو آج بھی غاروں اور کچے مکانوں میں دیئے کی روشنی میں چٹائی پر سوتے ہیں اور قہوہ پیتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

طالبان مغرب کی نظر میں کمزور اور جاہل لوگ ہیں' اس لئے انہیں تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ ایسے کمزور لوگوں کی حکومت کے خاتمے کے لیے امریکہ کو نہ صرف دنیا کی تمام طاقتوں کو اپنے ساتھ ملانا پڑا بلکہ دنیا کے جدید ترین تباہ کن ہتھیاروں کا سہارا لینا پڑا۔ 11 ستمبر 2001ء اکیسویں صدی کی واحد سپر طاقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے روز قیامت تھا۔ نیویارک کی 110 منزلہ عمارت ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن میں امریکی وزارت دفاع کا ہیڈ کوارٹر پینٹا گان اغوا شدہ طیاروں کے ٹکرانے سے ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ امریکی صدر جارج بش جونیئر اس وقت ریاست فلوریڈا کے ایک سکول میں بچوں سے باتیں کر رہے تھے کہ ان کے چیف آف سٹاف نے قریب آ کر ان کے کان میں سرگوشی کی۔ صدر بش کا چہرہ زرد پڑ گیا اور ان کا سر جھک گیا۔ وہ کچھ نہ بولے' پھر قدرے سنبھلے اور اعلیٰ حکام کے ساتھ ہو لیے۔ ان کے طیارے کو بہت

Marfat.com

بلندی پر پرواز کرائی گئی۔ ریاست لوئیسانہ میں اچانک ان کا طیارہ ایئرفورس بیس پر اترا تو وہ سمجھے انہیں واشنگٹن لایا گیا ہے لیکن جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ لوئیسانہ میں ہیں۔ وہیں ایئرفورس بیس سے انہوں نے قوم سے خطاب کیا۔ قوم کے نام اپنے خطاب میں رو پڑے اور انہوں نے کہا کہ ''امریکی عوام کے صبر کا امتحان لیا گیا اور ہم اس امتحان میں پورے اترے ہیں۔ دہشت گردوں کے حملے عظیم الشان عمارتوں کی بنیادیں تو ہلا سکتے ہیں' مگر وہ امریکہ کی بنیاد کو چھو بھی نہیں سکتے۔ امریکہ کو اس لیے حملوں کا ہدف بنایا گیا ہے کیونکہ ہم دنیا میں آزادی اور سازگار حالات کا سب سے زیادہ روشن مینارۂ نور ہیں۔''

کیا ستم ظریفی تھی کہ اس قوم کا صدر خود کو اور اپنے ہم وطنوں کو ''آزادی اور سازگار حالات کا 'مینارۂ نور' کہہ رہا تھا جس نے 6 اور 9 اگست 1945ء کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو ایٹم بم گرا کر ایک لاکھ سے زائد بے گناہ جاپانی مار ڈالے تھے اور عالمی جنگوں کی تاریخ میں ایک سیاہ ریکارڈ قائم کیا تھا جسے کوئی آج تک نہیں توڑ سکی۔ آزادی کے نام نہاد علمبرداروں کو اس وقت ذرا بھی ندامت محسوس نہیں ہوئی تھی جب درندہ صفت سرب' نہتے بوسنوی مسلمانوں کو وحشیانہ طریقوں سے ذبح کر رہے تھے' انہوں نے جولائی 1995ء میں صرف سربریکا میں آٹھ ہزار مسلمان شہری گھیر کا ہلاک کر دیئے تھے۔ حالانکہ امریکہ نے اقوام متحدہ کے ذریعے اس شہر کو 'محفوظ علاقہ' قرار دلوا رکھا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ نیٹو کے محافظ دستوں کا ڈچ کمانڈر ظالم سرب کمانڈر کے ساتھ مل کر شراب پیتا رہا اور سرب درندے بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے۔ بوسنیا میں وحشی سربوں نے اتنی کثرت سے مسلمان خواتین کی آبروریزی کی تھی کہ وہ بیچاری عالم اسلام کا ضمیر جھنجھوڑتی رہ گئیں۔ پھر دسمبر 1994ء سے سربوں ہی کے ہم نسل روسی چند لاکھ آزادی پسند چیچنوں کی جس طرح نسل کشی کر رہے ہیں اس پر آزادی کے مینارۂ نور امریکی مسلسل مہر بہ لب ہیں۔ صرف اس لیے کہ روسی ان کے مسیحی بند بھائی ہیں اور ظلم کا شکار ہونے والے چیچنیا کے باشندے مسلمان ہیں..... اور امریکہ کا' لے پالک اسرائیل جس طرح گذشتہ 53 سال سے فلسطینی کا خون تواتر سے بہا رہا تھا'

Marfat.com

اس پر امریکیوں کی آنکھ کبھی نم نہیں ہوئی۔اس کے باوجود امریکی 'آزادی کا مینارۂ نور' ہیں۔

تفو برائے چرخ گرداں تفو

گیارہ ستمبر کے واقعہ کو دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دونوں ٹاور زمین بوس ہو رہے تھے۔ ہر طرف دھوئیں اور گرد کے بادل چھائے ہوئے تھے۔امریکی انتظامیہ اور انٹیلی جنس ادارے ابھی اپنے حواس پر قابو نہیں پا رہے تھے کہ امریکی نیوز چینل سی این این نے اسامہ بن لادن اور طالبان کی تصاویر سکرین پر دکھانا شروع کر دیں۔ ان تصاویر کا مقصد ان جذباتی لمحات کو اسامہ اور طالبان کے خلاف نفرت میں تبدیل کرنے کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ اقوام عالم کو یہ باور کرانا تھا کہ یہ ہیں وہ 'دہشت گرد' جن سے پوری دنیا کو خطرہ ہے۔ اسامہ بن لادن' ان کی تنظیم القاعدہ' طالبان اور دنیا بھر کی منظم اسلامی تحریکوں کے خلاف کارروائی کا آغاز 11 ستمبر ہی کو بعض عرب نوجوانوں کی گرفتاری کے ساتھ ہو گیا تھا' جس کارروائی کو کچھ دنوں بعد 'آپریشن لامحدود انصاف' کا نام دیا گیا۔ ایسا آپریشن جس کی کوئی حد نہیں' جس کے اختتام کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ یہ آپریشن نہ ہی اسامہ اور القاعدہ تک محدود ہے اور نہ طالبان حکومت کے خاتمے تک بلکہ امریکی مقاصد کے حصول تک اسے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اسامہ بن لادن گذشتہ صدی کے آخری عشرے میں ایک طلسماتی کردار بن کر ابھرا۔ وہ زندہ رہے یا اس کو شہادت نصیب ہو' اس کا طلسم اس صدی کے اختتام تک قائم رہے گا۔ جب کبھی تاریخ میں طالبان اور اسامہ کا ذکر ہو گا تو ایک ساتھ ہو گا۔

یہ طالبان کون ہیں۔ ان کا طرز زندگی کیا ہے۔ ان کا نظام حکومت کیسا ہے۔ انہیں دہشت گرد کیوں سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ ان سے اتنا خوف زدہ کیوں ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں نے ایک ڈیڑھ سال قبل طالبان کے افغانستان کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اپنے پشاور کے صحافی دوست عبدالناصر مہمند کے ہمراہ طورخم سے قندھار تک طویل سفر کیا۔ راستے میں کئی پڑاؤ ڈالے..... وہ ایک دلچسپ اور معلوماتی سفر بھی تھا اور ایڈونچر

Marfat.com

بھی۔ طالبان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد سمیت کئی سینئر طالبان حکام سے تفصیلی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ طالبان کے سماجی' اقتصادی اور عسکری نظام کو بھی قریب سے دیکھا۔ اور اپنی آنکھوں سے کابل کے آریانہ چوک میں مجرموں کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے بھی دیکھا۔ مغربی میڈیا طالبان کی جو تصویر پیش کرتا رہا ہے۔ سب کچھ اس کے برعکس تھا۔ طورخم سے قندھار تک سفر کی روداد آپ پڑھیں گے تو آپ کو طالبان کی حقیقت جاننے میں آسانی ہوگی۔ اس کے علاوہ کتاب کے مختلف ابواب میں طالبان اور اسامہ کے خلاف مغربی سازشیں' شمالی اتحاد کی حیثیت' اسامہ کے تفصیلی حالات زندگی اور القاعدہ کے نیٹ ورک کے بارے میں بھی آپ کو بہت کچھ پڑھنے کو ملے گا۔

افغانستان سے واپس آنے کے بعد محترم طارق اسماعیل ساگر صاحب کا اصرار تھا کہ یہ کتاب فوری شائع ہونی چاہئے۔ لیکن میں مسودے کا دوسرا حصہ تیار نہ کر سکا۔ 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد انہوں نے مجھے کتاب مکمل کرنے کے لیے دوبارہ جگایا' مشفقانہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ پھر جا کر میں نے کتاب کا مسودہ ان کے حوالے کیا۔ اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں اپنے دوست محمد انیس الرحمٰن کا بھی مشکور ہوں جن کے بعض مضامین سے میں نے مدد لی ہے۔ میں ہفت روزہ ندائے ملت کے ایڈیٹر جناب محمد شریف کیانی صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں' جنہوں نے ہمیں ادارہ کی طرف سے افغانستان جانے کی اجازت دی بلکہ افغانستان سے متعلق رپورٹیں بڑے اہتمام سے شائع کیں۔ اس کتاب کو اگر آپ زبان و بیان اور ادبی معیار کے حوالے سے پرکھیں گے تو آپ کو بہت غلطیاں نظر آئیں گی۔ اسے ایک صحافی کی رپورتاژ سمجھ کر پڑھیں جس میں طالبان' اسامہ اور ملا محمد عمر کی کہانی اور مغرب کی سازشوں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

Marfat.com

# فہرست


| | |
|---|---|
| حرف چند | 3 |
| پیش لفظ | 5 |
| طالبان کی سرزمین پر پہلا قدم | 11 |
| ہم نے جلال آباد میں کیا دیکھا | 20 |
| باچا خان کا مزار اور عشق کی کہانی | 27 |
| چند لمحات سروبی میں | 30 |
| کابل میں طالبان کے درمیان | 33 |
| احمد شاہ ابدالی سے ملا عمر تک | 44 |
| طالبان کے وزیر خارجہ سے تفصیلی ملاقات | 52 |
| کس نے کس کو قتل کرایا | 65 |
| احمد شاہ مسعود کی پراسرار سرگرمیاں | 68 |
| طالبان کے ساتھ محاذ جنگ پر | 75 |
| قندھار ایڈونچر اور ملا عمر کی کہانی | 79 |
| ملا عمر سے تفصیلی انٹرویو | 97 |
| اسامہ بن لادن کون؟ | 107 |
| القاعدہ کا نیٹ ورک | 125 |
| مولانا فضل الرحمٰن نے سازش کیسے ناکام بنائی | 140 |
| طالبان مولانا سمیع الحق کی نظر میں | 146 |
| اسامہ بن لادن اور مولانا سمیع الحق کے درمیان آخری ملاقات | 153 |
| افغانوں کے خلاف این جی اوز کی پراسرار سرگرمیاں | 156 |
| طالبان کا مقدمہ | 159 |
| طالبان کی نرسری | 172 |
| افغانستان کا تاریخی و سیاسی پس منظر | 186 |


Marfat.com

Marfat.com

# طالبان کی سرزمین پر پہلا قدم

پاک افغان سرحد پر طورخم بارڈر کا گیٹ چند قدم کے فاصلے پر تھا' ہر طرف ہجوم اور افراتفری کا عالم تھا۔ سر پر پگڑیاں باندھے گھنی داڑھیوں والے افغان باشندے سامان کی بوریاں' تھیلے اور گٹھڑیاں اٹھائے قافلوں کی شکل میں پاکستان داخل ہو رہے تھے اور دوسری طرف اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ پاکستان سے افغانستان کی طرف واپس جا رہے تھے۔ مزدور اور چھوٹے بچے ہاتھ کی ریڑھیوں کے ذریعے لوگوں کا سامان دونوں اطراف میں پہنچا رہے تھے۔ عجیب منظر تھا۔ نہ کوئی رکاوٹ اور نہ ویزے پاسپورٹ کی چیکنگ۔ ہمارے ذہن میں امیگریشن اور انٹری کا تصور ہی کچھ اور تھا۔ میں پشاور کے ایک صحافی دوست عبدالناصر مہمند کے ہمراہ افغانستان جا رہا تھا میں نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور داڑھی کے بغیر تھا جبکہ میرا دوست اپنی گھنی داڑھی اور لباس کی نسبت سے نہ صرف افغانی بلکہ طالبان کا نمائندہ نظر آ رہا تھا۔ پشتو اس کی مادری زبان تھی۔ کاندھے پر سفری بیگ لٹکائے ہم نے تعجب انگیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہجوم کے ریلے میں داخل ہو کر طورخم کا گیٹ کراس کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ گیٹ ابھی دو قدم کے فاصلے پر تھا کہ کالی شلوار قمیض میں ملبوس ملیشیا کے ایک مسلح نوجوان نے اچانک اپنے مضبوط ہاتھوں سے مجھے

Marfat.com

بازو سے پکڑا اور ہجوم میں سے کھینچ کر ایک طرف کھڑا کر دیا۔ میں اس اچانک کارروائی پر چند لمحوں کے لئے بوکھلا گیا اور پریشانی کے عالم میں ناصر کو آواز دی۔ ''ناصر بھائی! ادھر آنا۔ میں پکڑا گیا ہوں۔'' ناصر طورخم گیٹ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے واپس آ گیا۔ مسلح نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں' جناب میں بھی وہیں جا رہا ہوں' جہاں یہ سب جا رہے ہیں۔ ''لیکن آپ اجازت کے بغیر تو نہیں جا سکتے'' ہمارے پاس پاسپورٹ' ویزہ اور تمام دستاویزات مکمل تھیں۔ میں صورتحال کو جاننے کے لئے بات کو طول دے رہا تھا۔ میں نے مسلح نوجوان سے کہا۔ ''محترم حیرت ہے۔ یہ افغان باشندے جلوس کی شکل میں ہمارے ملک میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ ان کو نہیں روک رہے۔ اگر ان لاکھوں افغانیوں کے بدلے ایک پاکستانی ادھر چلا جائیگا تو کیا فرق پڑے گا۔ آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں' یہ کام تو بارڈر پار کرنے کے بعد افغان انتظامیہ کو کرنا چاہیے۔ ملیشیا کے نوجوان کا جواب تھا' جناب آپ شاید پہلی بار اس بارڈر پر آئے ہیں اس لئے آپ کو یہ سارا منظر عجیب لگ رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ گذشتہ 21 سال سے دن رات اسی طرح آ جا رہے ہیں۔ ابھی ہماری گفتگو جاری تھی کہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ملیشیا کے ایک سینئر افسر نے ہمیں اپنی طرف بلا لیا۔ آپ افغانستان کیوں جا رہے ہیں؟ اس نے ہاتھ ملاتے ہی سوال کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم صحافی ہیں اور اپنے اخبار کی طرف سے خصوصی اسائنمنٹ پر افغانستان جا رہے ہیں۔ افسر نے مسکراتے ہوئے کہا' لیکن آپ کے پاس ویزہ نہیں ہے جبکہ آپ کا دوسرا ساتھی ویزے پر افغانستان جا رہا ہے' میرے لئے یہ بات بڑی تعجب انگیز تھی۔ وہ افسر میرے جواب کا منتظر تھا۔ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب آپ نے ہمارے پاسپورٹ چیک ہی نہیں کئے' پھر آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں ویزے کے بغیر ہوں اور میرا ساتھی ویزے کے ساتھ افغانستان جا رہا ہے۔ اس نے میری پریشانی ختم کرتے ہوئے بتایا کہ پاک افغان بارڈر پر پاسپورٹ لگے ویزے کی اتنی اہمیت نہیں جتنی چہرے پر موجود داڑھی کی ہے۔ ادھر داڑھی ہی آپ کا اصل ویزہ ہے۔ اس لحاظ سے آپ ویزے کے بغیر افغانستان جا رہے ہیں۔ آپ کو پورے افغانستان میں بھی کہیں کاغذی پاسپورٹ یا ویزہ دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی مگر داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے آپ پورے افغانستان میں انٹیلی جینس کی نظروں میں رہیں گے۔ ملیشیا کے اس افسر کی بات سو فیصد درست تھی۔ افغانستان

Marfat.com

میں ہمارے قیام کے دوران' میرے چہرے پر داڑھی کا نہ ہونا ہی سب سے بڑا ایشو رہا۔ بہر حال ملیشیا کے ایک اہلکار کی مدد سے گیٹ پر موجود دفتر میں ہم نے اپنے اپنے پاسپورٹ پر ایگزٹ کی سٹمپ لگوائی اور چند لمحوں کے بعد ہمارا اگلا قدم امارت اسلامیہ افغانستان کی اس سرزمین پر تھا جس کا کنٹرول طالبان کے پاس ہے۔ وہ طالبان جو امریکہ اور اس کے حلیف ممالک سمیت پورے مغرب کی نظر میں دہشت گرد ہیں اور ان کی نظر میں وہاں انسانی حقوق خصوصاً خواتین کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ ہم ان طالبان سے ملنے جا رہے تھے جو امریکہ کی نظر میں عالمی دہشت گرد لیکن عالم اسلام کی نظر میں عظیم مجاہد اسامہ بن لادن کے میزبان تھے۔ وہ اسامہ بن لادن جس کی خاطر پوری افغان قوم نے امریکہ اور اقوام متحدہ کی سخت ترین پابندیاں قبول کر لی ہیں۔

طورخم بارڈر سے داخل ہوتے ہی بائیں طرف ایک پرانی بوسیدہ عمارت پر امارت اسلامیہ کا سفید رنگ کا پرچم لہرا رہا تھا' جس پر کلمہ طیبہ تحریر تھا۔ یہ امیگریشن آفس کی عمارت تھی۔ افغانستان میں داخل ہوتے ہی ایک باریش نوجوان نے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہوئے مجھے سلام کیا اور روک کر پشتو میں کچھ پوچھنے لگا' اب میرے دوست عبدالناصر مہمند کا کام شروع ہو گیا تھا۔ مجھے پشتو ترجمان کی ضرورت تھی۔ ناصر نے آگے بڑھ کر نوجوان سے گفتگو کی' اس نے امیگریشن آفس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک لمبے قد کا طالب نوجوان ہمیں اپنی طرف بلا رہا تھا۔ سارے ہجوم میں سے اس نے بھی میرا ہی انتخاب کیا کیونکہ میں پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا اور داڑھی نہ ہونے کے باعث نمایاں تھا۔ دفتر کیا تھا' بس کچی مٹی کا بنا ہوا ایک کمرہ تھا۔ ایک بزرگ' اینٹوں سے بنے ہوئے چولہے پر کالے رنگ کی کیتلی میں قہوہ گرم کرنے میں مصروف تھا۔ لمبے قد کے نوجوان نے بڑی محبت سے ہمیں قہوہ پیش کیا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس کا تعلق طالبان کی انٹیلی جنس ایجنسی استخبارات سے ہے۔ وہ ہمارے پاسپورٹ چیک کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے مکمل کوائف اور افغانستان میں دورے کے مقاصد پوچھتا رہا۔ رجسٹر پر اندراج کے بعد اس نے ہمیں بالکل وہی لیکچر دیا جو مجھے اسلام آباد میں افغان سفارتخانے کے نائب سفیر قاضی حبیب اللہ نے دیا تھا۔

میرے افغانستان کے دورے کا اصل محرک مولانا سمیع الحق صاحب تھے۔ کچھ عرصہ قبل دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں مغربی پراپیگنڈے کا جواب دینے کے لئے انہوں نے مجھے

Marfat.com

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی۔ میں نے جب دارالعلوم کے بارے میں تفصیلی رپورٹ شائع کی تو مولانا صاحب کا اسرار تھا کہ میں طالبان کے افغانستان بھی ضرور جاؤں اور ان حالات کو خود جا کر دیکھوں' جن کا طالبان سامنا کر رہے ہیں۔ میں خود جا کر دیکھوں کہ کیا وہاں حقیقی اسلام نظر آتا ہے یا نہیں۔ کیا طالبان ظالم اور دہشت گرد ہیں۔ کیا وہاں لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں اور کیا وہاں شہریوں کو امن' تحفظ اور انصاف میسر نہیں۔ چند روز بعد انہوں نے اپنے ترجمان سید یوسف شاہ کے ہمراہ مجھے اسلام آباد بھیجا' جہاں سے میں نے افغانستان کا ویزہ حاصل کرنا تھا۔ طالبان کی نظر میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا بہت احترام ہے۔ طالبان حکومت کے وزراء اور گورنروں کی اکثریت حقانیہ سے فارغ التحصیل ہے۔ اس حوالے سے مولانا سمیع الحق ان کے نزدیک محترم و معتبر ہیں۔ جس روز میں دارالعلوم حقانیہ میں افغان امور کے انچارج سید یوسف شاہ کے ہمراہ اسلام آباد میں افغانستان کے سفارت خانے پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسی روز عبدالسلام ضعیف نے پاکستان میں افغانستان کے نئے سفیر کا چارج سنبھالا۔ ہماری ملاقات نائب سفیر قاضی حبیب اللہ سے ہوئی جو کافی عرصہ سے اسلام آباد میں تعینات ہیں۔ انگریزی اور اردو پر عبور رکھتے ہیں اور خوبصورت لہجے میں اردو بولتے ہیں۔ سید یوسف شاہ نے انہیں بتایا کہ مولانا سمیع الحق کی خواہش ہے کہ انہیں افغانستان کے دورہ کے لئے ویزہ دیا جائے اور ہر ممکن سہولت فراہم کی جائے۔ قاضی حبیب اللہ پاکستانی صحافیوں سے خاصے شاکی تھے۔ انہیں شکوہ تھا کہ امریکی اور یہودی صحافی تو طالبان مخالف ہیں ہی لیکن پاکستانی صحافی بھائیوں نے بھی افغانستان کے دورے کے بعد ہمیشہ وہاں کی منفی تصویر پیش کی ہے بلکہ کئی صحافی غیر ملکی سفارتخانوں کو وہاں کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ اب ہم بہت چھان بین کے بعد کسی پاکستانی صحافی کو ویزہ دیتے ہیں۔ آپ کے بارے میں بہرحال مولانا سمیع الحق کے ریفرنس کے بعد ہمیں کسی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ قاضی حبیب اللہ نے میرا پاسپورٹ متعلقہ شعبے میں بھجوا دیا۔ اسی دوران ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ سفارتخانے کا تمام عملہ پہلی منزل پر نماز کے لئے چلا گیا۔ میں نے سوچا' سید یوسف شاہ نے سفیر کے سامنے میرے اسلامی اور نظریاتی نوجوان کا جو نقشہ کھینچا ہے' کم از کم اس کی لاج رکھتے ہوئے مجھے بھی نماز میں شریک ہونا چاہیے۔ چنانچہ وضو کر کے فوراً ہی باجماعت نماز میں شریک ہو گیا۔ امامت نئے افغان سفیر عبدالسلام ضعیف نے کرائی۔ سفارت خانے کا ماحول مکمل

Marfat.com

اسلامی اور بہت سادہ تھا' سفیر اور عملے کے رہن سہن اور پروٹوکول میں کوئی فرق نہیں تھا۔ طالبان کے نظام کی ایک معمولی جھلک میں نے سفارتخانے میں ہی دیکھ لی تھی۔ ویزہ ہمیں مل گیا' قاضی حبیب اللہ نے ہمیں رخصت کرتے ہوئے بتایا کہ اگر چہ طالبان اپنے مہمان کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن چونکہ آپ داڑھی کے بغیر ہیں اس لئے آپ نے وہاں کے قواعد و قانون کی خلاف ورزی بالکل نہیں کرنی' کسی جاندار چیز کی تصویر نہیں اتارنی اور اگر کچھ عمارتوں یا مناظر کی تصاویر بنانا ضروری ہو تو اس کے لئے وزارتِ خارجہ و اطلاعات سے تحریری اجازت ضرور لے لینا۔ ہماری خواہش ہو گی آپ جو کچھ دیکھیں کھل کر لکھیں مگر حقائق کو مسخ کر کے نہ لکھیں' ہم نے نائب سفیر کا شکریہ ادا کر کے اجازت لی اور واپس آ گئے۔ سید یوسف شاہ یہ کہہ کر اکوڑہ خٹک روانہ ہو گئے کہ جس روز افغانستان جانا ہو' وہاں کی اہم شخصیات کے نام مولانا سمیع الحق کے خطوط ضرور لے جانا تا کہ وہاں آپ کو اہم شخصیات کے انٹرویوز کرنے اور مختلف اجازت نامے وصول کرنے میں آسانی رہے۔

طورخم کے امیگریشن آفس میں استخبارات کے نمائندے مولوی نور محمد حنفی کی ہدایات سننے کے بعد ہم دفتر سے باہر آ گئے۔ افغانستان کے اندر اب ہمارا طویل سفر شروع ہونے والا تھا۔ ناصر اپنے سامان کا جائزہ لے رہا تھا اور میں کرنسی کا حساب لگا رہا تھا۔ اچانک ہی میں نے ناصر کو خوشخبری سنائی' ناصر بھائی ..... میں کروڑ پتی ہو گیا ہوں' ناصر خوش ہونے کے بجائے پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا' اگر کسی کا نوٹوں بھرا بیگ مل گیا ہے تو فوراً طالبان انتظامیہ کو واپس کر دو۔ ورنہ چوری کے الزام میں ہاتھ کاٹ دیں گے۔ میں نے ناصر کی پریشانی ختم کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے پاس جتنی پاکستانی کرنسی ہے' وہ افغانی کرنسی کے حساب سے کروڑوں میں ہے۔ اس لئے ہم کروڑ پتی ہو گئے ہیں۔ طورخم پہنچ کر معلوم ہوا کہ پاکستان کا ایک روپیہ ایک ہزار افغانی کے برابر ہے۔ افغانستان کی کرنسی کو افغانی کہتے ہیں۔ دس ہزار پاکستانی روپے ایک کروڑ افغانی کے برابر ہیں۔ اگر ہم پاکستانی کرنسی کو افغانی میں تبدیل کراتے تو ہمیں نوٹوں کی ایک بوری کندھے پر اٹھانا پڑتی لیکن ہمیں یہ سن کر خوشی ہوئی کہ پورے افغانستان میں پاکستانی کرنسی بھی استعمال ہوتی ہے۔ طورخم کے پاکستانی علاقے اور افغانی علاقے کے درمیان صرف ایک گیٹ حائل ہے مگر دونوں اطراف کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پاکستان کے علاقہ میں طورخم کے گیٹ تک پھیلے بازار

Marfat.com

میں انڈین گانوں اور فلموں کی وڈیو اور آڈیو شاپس موجود ہیں' دکانوں پر بھارتی اداکاراؤں اور ماڈلز کے رنگین پوسٹر جگہ جگہ چسپاں ہی' مگر گیٹ کراس کرتے ہی سارا منظر اور ماحول بدل جاتا ہے۔ ماڈلز کی تصاویر تو کجا کسی عام شخص کی تصویر والا پوسٹر بھی نظر نہیں آتا' آڈیو کیسٹس کی دکانیں موجود ہیں مگر وہاں قرأت' نعت' جنگی ترانوں اور علماء کی تقاریر والی کیسٹیں ملتی ہیں۔ دکانوں پر جگہ جگہ قرأت کی کیسٹیں چل رہی ہوتی ہیں۔

جلال آباد ہماری پہلی منزل تھا' طورخم سے ٹیکسیاں اور ویگنیں جلال آباد جانے کے لئے تیار تھیں۔ جلال آباد صوبہ ننگر ہار کا دارالخلافہ ہے اور طورخم سے جلال آباد تک دو گھنٹے کا سفر ہے۔ طورخم میں ہمیں افغانستان کے وقت کے مطابق گھڑی کی سوئیاں آدھ گھنٹہ پیچھے کرنا پڑیں۔ ہم جلال آباد جانے والی وین پر سوار ہو گئے۔ جب سواریاں پوری ہو گئیں تو ڈرائیور نے تمام مسافروں کو ہاتھ اٹھا کر سفر پر روانہ ہونے کی دعا پڑھنے کی ہدایت کی۔ آمین کی آواز کے ساتھ ہی ویگن ٹوٹی ہوئی سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی جلال آباد کی طرف روانہ ہو گئی۔ ابھی طورخم کا علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کھوکھا نما دکانیں تھیں جن میں زیادہ تر گاڑیوں کے انجن اور سپیئر پارٹس فروخت ہو رہے تھے۔ چونکہ افغانستان میں گاڑیاں بہت سستی ہیں لیکن پاکستان لے جانے کے لئے بھاری کسٹم ادا کرنا پڑتا ہے جو کہ بہت مہنگا پڑتا ہے اس لئے پشاور کے زیادہ تر تاجر یہاں سے گاڑیوں کے انجن اور مختلف سپیئر پارٹس خرید کر پاکستان لے جاتے ہیں' خاص طور پر ڈیزل انجن بڑی تعداد میں پاکستان جاتے ہیں۔ ابھی پندرہ بیس منٹ کا سفر طے ہوا تھا کہ اچانک نازیہ حسن کے گانے کی آواز ہمارے کانوں میں گونجنے لگی۔ میں حیران ہوا کہ طالبان کے ملک میں نازیہ حسن کہاں سے آ گئی ہے۔ ناصر نے میری طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاشمی'' خدا کا خوف کرو۔ تم اپنا ریکارڈر انٹرویوز کے لئے لائے ہو۔ گانے سننے کے لئے نہیں لائے۔ افغانستان دیکھنا ہے یا طالبان کی جیل میں جانے کا ارادہ ہے۔ ہم ایک دوسرے پر ہی شک کر رہے تھے لیکن بعد میں عقدہ کھلا کہ ویگن کے ریڈیو سیٹ پر نازیہ کا گانا چل رہا ہے جو کسی خوشگوار حیرت سے کم بات نہ تھی۔ ڈرائیور نے بتایا کہ یہ ریڈیو پشاور کی نشریات ہیں' لیکن جیسے ہی سامنے سڑک پر طالبان نظر آئیں گے' میں تلاوت لگا دوں گا۔ ڈرائیور کا نام شریف تھا اور اس کی عمر تقریباً 35 سال تھی۔ کہنے لگا مجھے بھی ابھی پشاور سے واپس آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہے۔ ابھی پاکستان کا اثر باقی ہے' کبھی کبھی

Marfat.com

طالبان سے چھپ کر ریڈیو پر پاکستانی گانے سن لیتا ہوں۔ ابھی بات جاری تھی کہ سامنے محصول چونگی پر طالبان نظر آ گئے۔ ڈرائیور نے ریڈیو سیٹ بند کر دیا' پانچ روپے محصول ادا کر کے ویگن آگے بڑھی۔ اب حد نظر تک ویران اور اجڑا ہوا افغانستان تھا' افغانستان چونکہ گذشتہ دو سال سے بدترین خشک سالی کا شکار ہے۔ میلوں سبزے کا نشان نظر نہیں آتا' سڑک کے کنارے کہیں کہیں تباہ شدہ ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں کے بڑے ڈھانچے روس کی جنگ کی یاد دلاتے رہتے ہیں' افغانستان میں تمام سڑکیں بیس سالہ جنگ کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں' انتہائی بری طرح ٹوٹی ہوئی پتھریلی سڑکوں پر بھی ڈرائیور 120 کی سپیڈ سے کم رفتار پر گاڑی نہیں چلاتے۔ افغانستان میں انٹرسٹی سفر کے لئے سفید اور پیلے رنگ کی جاپانی ٹیکسیاں استعمال ہوتی ہیں جو بہت بڑی تعداد میں افغانستان میں موجود ہیں۔ پاکستان میں اس کوالٹی کی گاڑی تقریباً 7 لاکھ روپے تک ملتی ہے جبکہ افغانستان میں کسٹم فری ہونے کے باعث یہ گاڑی ایک لاکھ 20 ہزار تک مل جاتی ہے۔ اس کے شاکس بہت مضبوط ہوتے ہیں اس لئے ٹوٹی ہوئی سڑکوں پر بھی آپ کو تکلیف دہ جمپس کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ان ٹوٹی ہوئی شاہراہوں کے اردگرد کام کرنے والے کسان یا دیہاتی رضا کارانہ طور پر بیلچوں کی مدد سے مٹی ڈال کر سڑک کو سفر کے قابل بناتے رہتے ہیں' غریب بچے بھی اس توقع کے ساتھ بیلچے اٹھا کر سڑک پر کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تا کہ شاید کوئی ڈرائیور انہیں اس کام کے بدلے کچھ رقم دے دے۔ کئی ڈرائیور اور مسافر ان بچوں کی مدد کے لئے انہیں کچھ رقم دے بھی دیتے ہیں' یہ منظر آپ کو پورے افغانستان کی سڑکوں پر نظر آئے گا۔

جلال آباد سے چالیس و پچاس کلومیٹر پہلے کا علاقہ خاص زرخیز ہے۔ درخت اور لہلہاتی ہوئی فصلیں نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر مکئی کی فصل افغانستان میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جلال آباد سے پہلے کوئی قابلِ ذکر شہر نہیں آتا' میلوں بعد کوئی دیہات یا قصبہ نظر آ جاتا ہے۔ آپ افغانستان میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لیں' برقعہ کے بغیر عورت اور داڑھی کے بغیر کسی مرد کا نظر آنا ناممکنات میں سے ہے۔ پورے افغانستان میں داڑھی اور پردے کا رزلٹ سو فیصد ہے۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہم جلال آباد پہنچ گئے' ننگرھار صوبہ کا یہ دارالخلافہ افغانستان کے دارالحکومت کابل سے تقریباً 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ شہر بادشاہ امیر حبیب اللہ اور امان اللہ کا مسکن بھی رہا ہے۔ دوسری صدی سے ساتویں صدی (اے ڈی) تک یہ بدھ مت کا مرکز رہا ہے۔ شہر سے گیارہ کلومیٹر

Marfat.com

جنوب کی طرف آج بھی بدھ مت کے پیروکاروں کی مقدس جگہ موجود ہے جس میں تاریخی مجسمے نظر آتے ہیں۔ جلال آباد ایک مشہور سرائے تھی' درۂ خیبر سے گذر کر وسطی ایشیاء جانے والے تجارتی قافلوں کا پہلا پڑاؤ جلال آباد میں ہوتا تھا جبکہ وسطی ایشیاء سے آنے والے قافلے درۂ خیبر میں داخل ہونے سے پہلے آخری پڑاؤ اسی مقام پر ڈالتے تھے۔

ہمیں ویگن نے شہر کے مرکزی بازار کے وسط میں اتار دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ابھی ہم اپنا سامان سنبھالنے اور اردگرد کا جائزہ لینے میں مصروف تھے کہ اچانک دکانوں کے شٹر گرنا شروع ہو گئے' بازار میں گھومنے والی ریڑھیاں بازار کے برآمدوں میں کھڑی کر دی گئیں' لوگ بڑی تیزی سے مختلف گلی کوچوں میں داخل ہونا شروع ہو گئے' چند لمحوں میں بازار ویران ہو گیا' طالبان کا خوف اور افغانستان کی جنگی صورتحال پہلے ہی ہمارے ذہن پر سوار تھی۔ میں نے ناصر سے کہا۔ ہمیں فوراً کسی محفوظ جگہ تک پہنچ جانا چاہیے' ایسا لگتا ہے' طالبان کے مخالفین بازار پر حملہ کرنے والے ہیں' اس لئے لوگ دکانیں بند کر کے بھاگ رہے ہیں' ناصر ابھی صورتحال کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان آستینیں چڑھاتا ہوا ناصر کے پاس آیا اور بڑے پیار سے سلام کرنے کے بعد ایک مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' نماز کا وقت ہے پہلے نماز پڑھو' اس لمحے تین چار افراد ہمارے قریب سے یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ نماز کا وقت ہے پہلے نماز پڑھو۔ ہمیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی' سفر کی تھکن کے باعث چائے کی بڑی طلب تھی۔ لیکن چونکہ ہمیں ابھی طالبان کے قوانین کا علم نہیں تھا اس لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ ہوٹل تلاش کرنے سے پہلے ہمیں فوراً مسجد کا رخ کرنا چاہیے۔ یہ جگہ مخابرات چوک کہلاتی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف مسجد تھی۔ ہم مسجد کے صحن میں داخل ہو کر اپنے سامان چوری ہونے سے بچانے کے لئے کسی محفوظ کونے کی تلاش میں تھے۔ ایک بزرگ نے ہماری پریشانی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نماز کی فکر کرو۔ سامان کی فکر نہ کرو۔ جماعت رہ جائیگی''، ہمیں یہ سن کر بہت شرمندگی ہوئی کہ واقعی ہمیں اپنے سامان کا لالچ ہے' نماز رہ جانے کی فکر ہی نہیں۔ ایک نوجوان نے ناصر کے قریب آ کر اسے پشتو میں بتایا کہ آپ یہ سامان بے فکر ہو کر یہیں راستے میں رکھ دیں' آپ کو اسی طرح محفوظ ملے گا۔ اس موقع پر ہمیں اپنے پاکستان کی مسجدیں بری طرح یاد آئیں جہاں سامان تو کجا نمازیوں کو جوتے بھی مسجد کے اندر کمرے کے کونوں میں چھپا کر رکھنے پڑھتے ہیں۔ نماز کے دوران ان کی توجہ اپنے جوتوں ہی کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن یہاں سب کچھ

Marfat.com

محفوظ تھا' ہر کسی کو نماز کی فکر تھی۔ مسجد میں اتنا رش تھا' جتنا پاکستان میں جمعہ یا عید کی نماز پر نظر آتا ہے۔ میں نے ناصر سے کہا کہ وہ کسی نمازی سے پوچھے کہ کیا یہاں لوگ طالبان کے خوف کی وجہ سے نماز پڑھتے ہیں۔ فیض اللہ نامی بزرگ نے ناصر کو بتایا کہ افغانی ہر دور میں نماز کی پابندی کرتے رہے ہیں طالبان کے آنے سے صرف اتنا ہوا ہے کہ لوگوں کی نماز میں باقاعدگی آ گئی ہے۔ شروع میں بے نمازی لوگ طالبان کے خوف سے مسجدوں کا رخ کرتے تھے' مگر اب نماز سب کی عادت بن گئی ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد ہم نے مخابرات چوک کے قریب صافی میلمستون نام کے ہوٹل میں کمرہ لیا اور کھانا کھانے کے لئے ہوٹل کی تلاش میں نکل پڑے۔ مخابرات محکمہ ٹیلی فون کو کہتے ہیں جبکہ میلمستون پشتو میں سرائے کو کہا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد ہم نے شہر میں گھومنے کا ارادہ کیا' شام پانچ بجے گورنر جلال آباد صدرِ اعظم سے ہماری ملاقات تھی' اس سے قبل ہم شہر میں گھوم پھر کر وقت گزارنا چاہتے تھے۔ داڑھی کے بغیر کسی شخص کو وہ اتنے تعجب سے دیکھتے ہیں' مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ لوگ ہر جگہ مجھ سے میرا تعارف پوچھتے اور بچے میرے اردگرد جمع ہو جاتے جیسے میں کوئی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ ہم حمید اللہ نامی ایک افسر سے ملنے کے لئے محکمہ پلان کا دفتر تلاش کر رہے تھے۔ ایک ویران سی سڑک پر ایک دکاندار سے متعلقہ جگہ کا ایڈریس معلوم کرنے کے لئے ہم جیسے ہی دکان میں داخل ہوئے' اس کا پانچ چھ سالہ بچہ سہم کر اس سے چمٹ گیا' میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بچے نے اپنے باپ سے کہا۔ ''بابا..... کیا طالبان اسے پکڑ کر لے جائیں گے' اسے کیوں پکڑیں گے! بچے کے باپ نے پوچھا۔ بچہ کہنے لگا۔ بابا اس کی داڑھی نہیں ہے۔ اسی اثناء میں سامنے سڑک پر ایک دیوہیکل پراناروسی ٹینک دکان کی طرف بڑھ رہا تھا' ٹینک پر دس بارہ مسلح طالبان بیٹھے تھے۔ کاندھوں پر راکٹ لانچر اور کلاشنکوفیں لٹکائی ہوئی تھیں۔ سڑک پر چلتے ہوئے ٹینک کے چین کی آواز خوف پیدا کر رہی تھی۔ بچے کی بات نے میرے اندر خوف پیدا کر دیا کہ بابا اس کی داڑھی نہیں ہے'' بابا طالبان اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔'' ٹینک دھول اڑاتا ہوا دکان کے سامنے رک گیا اور اس کے رکتے ہی طالبان ٹینک پر سے چھلانگیں لگاتے ہوئے دکان کی طرف بڑھنے لگے۔

Marfat.com

# ہم نے جلال آباد میں کیا دیکھا

طالبان کی تمام تر توجہ مجھ پر مرکوز تھی' اور ان کے چہروں پر پھیلی حیرت سے لگتا تھا کہ وہ نہ صرف مجھے غیر ملکی بلکہ غیر مسلم سمجھ رہے ہیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتے میں نے دکان میں داخل ہونے والے طالب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بلند آواز میں ''السلام وعلیکم'' کہا۔ ایک خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ سب نے وعلیکم السلام کہتے ہوئے ایک دوسرے کو بتایا کہ ارے یہ تو مسلمان ہے۔ عبدالناصر مہمند نے ان کی مزید ہمدردی حاصل کرنے کے لئے انہیں پشتو میں بتایا کہ ہم پاکستانی صحافی ہیں اور طالبان کے مہمان ہیں۔ جلال آباد میں کس مقصد کے لئے گھوم رہے ہیں' سینئر طالب حمید اللہ نے ناصر سے پوچھا' ہم نے حمید اللہ کو بتایا کہ شام پانچ بجے جلال آباد کے گورنر صدرِ اعظم سے ملاقات کرنی ہے' اس لئے ہم جلال آباد آئے ہیں' کل صبح کابل روانہ ہو جائیں گے۔ اطمینان کرنے کے بعد طالبان ٹینک کو سڑک پر دوڑاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے' دکان دار نے ہمیں بتایا کہ یہ یہاں کی پولیس ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں خصوصاً پاکستانیوں کا بہت احترام کرتے ہیں' چونکہ آپ داڑھی کے بغیر تھے' اس لئے وہ تسلی کرنا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی غیر ملکی بلا اجازت ہی نہ گھوم رہا ہو۔

جلال آباد کے گورنر صدرِ اعظم گورنر ہاؤس کے سبزہ زار میں بنائی گئی خوبصورت مسجد کے صحن میں ہمارے منتظر تھے' ان کے اردگرد چالیس پچاس کی تعداد میں طالبان کے کمانڈر اور مختلف

Marfat.com

شعبوں کے ''انچارج طالبان'' مختلف امور کے بارے میں ہدایات لے رہے تھے۔ صدرِ اعظم سے پہلے حاجی قدیر ننگرھار کے گورنر تھے۔ ان کا تعلق حکمت یار گروپ سے تھا' ننگرھار پر طالبان کے قبضہ کے بعد وہ افغانستان سے فرار ہو گئے تھے اور ابھی تک ملک سے باہر ہیں' چار صوبوں کنڑ' لغمان' نورستان اور ننگرھار کو مشرقی صوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ مولوی عبدالکبیر اس پورے مشرقی صوبہ کے سربراہ ہیں جبکہ صدر اعظم مشرقی صوبہ کے نائب سربراہ اور ننگرھار کے گورنر کے فرائض سر انجام دیتے ہیں۔ ننگرھار 21 اضلاع پر مشتمل صوبہ ہے۔ جلال آباد میں انتظامیہ سے معلوم ہوا کہ طالبان تنخواہ نہیں لیتے بلکہ خدمت کے جذبے کے تحت کام کرتے ہیں' طالبان محاذ جنگ کے علاوہ پولیس' گورنر ہاؤس' ہسپتالوں اور مختلف انتظامی شعبوں میں خدمات سر انجام دیتے ہیں' ہمارے لئے یہ بات حیرت کا باعث تھی کہ جلال آباد کے گورنر کو 3 لاکھ افغانی یعنی صرف تین سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ صدر اعظم پاکستان کے علاقوں وزیرستان' بنوں' کوہاٹ' چارسدہ اور مردان کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ بعد ازاں دورۂ حدیث کی اعلیٰ تعلیم انہوں نے اکوڑہ خٹک کے مدرسہ حقانیہ سے حاصل کی' افغان جہاد کے دوران وہ جلال الدین حقانی کیساتھ جہاد میں شامل رہے' طالبان کی آمد سے پہلے وہ لوگ صوبہ کے گورنر تھے اور اب جلال آباد میں گذشتہ پانچ سال سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ملاقات کے بعد انہوں نے اصرار کیا کہ ہم طالبان کے مہمان خانے (سٹیٹ گیسٹ ہاؤس) میں قیام کریں' لیکن ہم نے انہیں بتایا کہ ہم ہوٹل میں کمرہ لے چکے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آزادانہ گھوم پھر کر آپ کا علاقہ دیکھیں۔ اگرچہ شام کے سائے ڈھل رہے تھے لیکن انہوں نے ہماری خواہش پر جلال آباد کا تاریخی محل ''قصر شاہی'' کھلوا کر اس کے کچھ حصے دیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ گورنر نے بادشاہ جان نامی ایک نوجوان سے کہا کہ وہ ہمیں جلال آباد کے اہم مقامات دکھانے کے لئے ہماری رہنمائی کرے۔ بادشاہ جان نے بتایا کہ اس کا تعلق پشاور سے ہے اور وہ ننگرھار یونیورسٹی میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اور تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ طالبان کے ساتھ خدمت بھی سرانجام دیتا ہے۔ کیا خدمت سرانجام دیتے ہیں؟ میں نے بادشاہ سے پوچھا! اس نے بتایا کہ ہماری ذمہ داریاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی ہسپتال میں مریضوں کی خدمت' کبھی گورنر ہاؤس میں ڈیوٹی' آج کل میری ڈیوٹی گورنر کے ساتھ ہے' گورنر کے پیغامات پہنچانے اور مختلف دفاتر میں سرکاری کاموں کے سلسلے میں آنا جانا رہتا ہے۔

Marfat.com

بادشاہ جان نے ہمیں مزید بتایا کہ پاکستانی طالبان مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں' کچھ پاکستانی نوجوان طالبان کے ساتھ محاذِ جنگ پر جہاد میں براہِ راست حصہ لیتے ہیں' کچھ نوجوان محاذ جنگ پر امداد پہنچانے اور کچھ کو میری طرح مختلف اداروں اور حکومتی شخصیات کے ساتھ ڈیوٹی سونپ دی جاتی ہے۔ جو پاکستانی نوجوان افغانستان میں خدمات انجام دے رہے ہیں کیا پاکستان میں ان کے والدین کو اس بات کا علم ہے؟ میری بات کا جواب دیتے ہوئے بادشاہ جان نے بتایا کہ ہمارے والدین اس بات کو اعزاز سمجھتے ہیں کہ ان کے بیٹے طالبان کے ساتھ مل کر خدمات سرانجام دے رہے ہیں' افغانستان میں جتنے پاکستانی طالبان موجود ہیں' ان میں زیادہ تعداد ان نوجوانوں کی ہے' جن کے والد یا بھائی افغان جہاد میں کسی نہ کسی طرح حصہ لے چکے ہیں'

جلال آباد میں مخابرات چوک کے جس علاقے میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اس جگہ کے بارے میں بتایا گیا کہ مجاہدین کی آپس کی لڑائی کے دوران ایک دن میں یہاں 27 ہزار راکٹ برسائے گئے تھے۔ روس افغانستان جنگ میں جلال آباد شہر کے زیادہ تر حصے تباہی سے محفوظ رہے ہیں۔ روس نے اچانک حملہ کر کے پورے جلال آباد پر تیزی سے قبضہ کر لیا تھا' اس لئے یہ شہر بمباری اور تباہی سے محفوظ رہا لیکن روسی فوج کے جانے کے بعد نجیب دور میں شہر پر بمباری ہوتی رہی جس سے شہر کے کئی علاقے متاثر ہوئے۔ رات کے وقت ہوٹل کے ٹیرس پر بیٹھ کر ہم نے مختلف بزرگوں سے وہاں کے موجودہ حالات اور جنگ کے زمانے کی باتیں کیں' جلال الدین نامی بزرگ سے میں نے پوچھا کہ جب جلال آباد شہر میں روسی فوجیوں کا قبضہ تھا' تو کیا وہ مقامی شہریوں کو تنگ کرتے تھے؟ جلال الدین نے بتایا کہ ایسا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا' تاہم روسی فوج میں شامل سمرقند' بخارا اور شیشان کے مسلمان فوجی ہمیں بتاتے تھے کہ روسی فوجی ابھی آپ کو تنگ نہیں کریں گے لیکن جب افغانستان پر ان کا مکمل قبضہ ہو جائیگا تو پھر یہ شہریوں پر ظلم کریں گے' قتل و غارت بھی ہوگی اور خواتین کو بھی پریشان کریں گے۔ بلکہ مسلمان فوجی ہمیں کہتے تھے کہ روسی فوج کے خلاف جہاد شروع کر دو اور انہیں ملک سے بھگا دو' جلال الدین نے بتایا' روسی فوج میں شامل مسلمان فوجیوں نے جہاد شروع کرنے اور روسیوں کے خلاف کارروائیاں کرنے میں بڑی مدد دی۔ میں نے اس بزرگ سے پوچھا کہ نجیب' مجاہدین اور طالبان میں سے آپ نے کس کو بہتر پایا' جلال الدین کا کہنا تھا کہ طالبان ان دونوں سے بہتر ہیں' کیونکہ یہ جرم کا اعلان

87037

Marfat.com

کرنے کے بعد سزا دیتے ہیں۔ یہ طالبان کے نظم ونسق پر مختصر مگر جامع تبصرہ تھا۔ امن وامان قائم رکھنے میں طالبان کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ یہاں کسی بیگناہ کو سزا ملنے کا تصور ہی نہیں لیکن کوئی گناہ گار یا مجرم سزا سے بچ نہیں سکتا' میرے اس سوال پر کہ جلال آباد میں اب تک کتنے لوگوں کو سزا ہو چکی ہے' جلال الدین نے بتایا کہ جس وقت طالبان نے قندھار کے علاقہ سپین بولاک سے انقلابی تحریک کا آغاز کیا تو ان کے چرچے پورے افغانستان میں پھیل گئے' کسی علاقے میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جرائم ختم ہونا شروع ہو جاتے تھے اور کسی جگہ ان کی آمد کے بعد۔ جلال آباد میں طالبان دور میں قتل کے 5 مجرموں کا سر قلم کیا جا چکا ہے' چوری میں دو افراد کے ہاتھ کاٹے جا چکے ہیں۔ امیر المومنین نے حکم جاری کیا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو زبردستی شادی پر مجبور نہیں کرے گا' طالبان سے پہلے ایک روایت یہ تھی کہ قتل کے بدلے میں مقتول کے لواحقین قاتل کے خاندان سے صلح کے بدلے بیٹی نکاح میں لیتے تھے لیکن امیر المومنین نے اس سے بھی منع کر دیا ہے۔ قصاص کے بارے میں اس نے مزید بتایا کہ تین عدالتوں سے حد جاری ہونے کے بعد سزا سنائی جاتی ہے۔ سزا سنائے جانے کے بعد حکومت کا نمائندہ مقتول کے خاندان سے درخواست کرتا ہے کہ اگر وہ قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو معاف کر دیں' حکومت کی طرف سے مقتول کے لواحقین کو رقم کی پیشکش بھی ہوتی ہے۔ مقتول کے خاندان کی طرف سے بھی انہیں معافی کی درخواست کی جاتی ہے۔ اگر مقتول کے لواحقین تمام درخواستیں مسترد کر دیں تو پھر قاتل کا سر قلم کر دیا جاتا ہے' اور مقتول کے لواحقین میں سے ہی کوئی شخص قاتل کا سر قلم کرتا ہے۔ عید گاہ کے قریب ایک دکاندار سے میں نے پوچھا کہ کیا اب تک کسی قاتل کو معافی بھی ملی ہے یا سب کے سر قلم کر دیئے گئے ہیں' اس نے بتایا کہ کھیتوں کو پانی دینے کے تنازعہ پر ایک شخص کو ایک نوجوان نے قتل کر دیا' قتل ثابت ہونے پر نوجوان کا سر قلم کرنے کے لئے اسے میدان میں لایا گیا' مقتول کی بیوہ نے اس کا سر قلم کرنا تھا' عین آخری لمحے نوجوان قاتل کی ماں فریاد کرتے ہوئے اس بیوہ کے پاؤں میں گر پڑی اور کہا کہ ''اسے تم اپنا بیٹا سمجھ لو' میں تمہیں سونپتی ہوں' یہ بات سنتے ہی بیوہ نے اس کو معاف کر دیا' لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اس نوجوان کو ہار پہنائے جو ہلاک ہونے سے چند لمحے پہلے بچ گیا۔ لوگوں نے بتایا یہاں ہر کام اب شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔

جلال آباد کے بازار اور مختلف مارکیٹوں کا جب جائزہ لیا تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ

Marfat.com

پاکستان کی سرحد سے ملحقہ صوبہ ننگرھار کے دارالخلافہ کی مارکیٹ پر بھی بھارت اور ایران کا قبضہ ہے۔ پوری مارکیٹ بھارتی اور ایرانی مصنوعات سے بھرئی ہوتی ہے۔ وہ اشیاء جو پاکستان سے با آسانی یہاں آ سکتی ہیں وہ بھی دور دراز کے ممالک سے یہاں پہنچتی ہیں۔ الیکٹرانکس کا سامان، سٹیل اور پلاسٹک کے برتن، صابن، شیمپو اور کریم جیسی مصنوعات بھی بھارت اور ایران کی ساختہ موجود تھیں جبکہ ادویات میں ایران اور بھارت دونوں مقابلے میں ہیں۔ ہمیں مخابرات کے بازار میں برتنوں کے تاجر لنگر خان توحید یار نے بتایا کہ ہماری بڑی خواہش ہے کہ افغانستان میں پاکستانی مصنوعات فروخت ہوں لیکن یہاں اس مقابلے میں بھارت، ایران اور چین کے بعد پاکستان چوتھے نمبر پر ہے، لنگر خان نے اس کی دو وجوہات بیان کیں۔ پہلی وجہ یہ کہ پاکستانی تاجر ہر چیز دو، تین اور چار نمبر کی کوالٹی کی بھیجتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں بھارتی اور ایرانی مصنوعات کم قیمت ہونے کے باوجود اے ون ہوتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر افغان تاجر پشاور، کراچی یا لاہور سے مصنوعات لے کر افغانستان آئیں تو راستے میں پاکستانی پولیس، ملیشیا کے اہلکار اور کسٹم حکام جگہ جگہ بلاوجہ رقم مانگتے ہیں اور کئی کئی دن تک مال روک لیتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ افسوسناک بات یہ ہے کہ پاکستانی تاجر اس مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے بجائے افغانستان سے بھارت اور ایران کی مصنوعات خرید کر پاکستان لے جاتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ ہم سٹیل کے برتن گوجرانوالہ سے لینے جاتے ہیں۔ چمچ، پلیٹیں، ڈشیں، ٹرے، پیالے اور چائے دانیاں وہاں سے بک کرواتے ہیں، گوجرانوالہ میں جس کوالٹی کا مال دکھایا جاتا ہے وہ کچھ اور ہوتا ہے، جب سامان کی پیکنگ افغانستان میں کھولی جاتی ہے تو وہ ناقص کوالٹی کا مال ہوتا ہے۔ ہم نے جلال آباد کی مارکیٹ میں سٹیل کے برتنوں کی کوالٹی کا موازنہ کیا، سٹیل کی پلیٹ، ٹرے، پیالے جو پاکستان سے بھیجے گئے تھے وہ کاغذ کی طرح ہلکی ناقص سٹیل کی چادر سے بنے ہوئے تھے جبکہ بھارت اور ایران کے وہی برتن کوالٹی اور وزن میں ان سے کئی گنا بہتر تھے۔ ایک اور دلچسپ بات یہ سامنے آئی کہ بھارت اور ایران کی مصنوعات پر ان کے اپنے اپنے ملک کا نام کندہ ہوتا ہے جبکہ پاکستان سے آنے والے مال پر ''میڈ ان ایشیا'' لکھا ہوتا ہے۔ دکانداروں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ پاکستانی تاجروں کو خود اپنے مال پر اعتبار نہیں، اس لئے وہ اپنے ملک کا نام ہی نہیں لکھتے جبکہ اب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ جن چیزوں پر ''میڈ ان ایشیا'' لکھا ہوگا، وہ پاکستانی مصنوعات ہوں گی۔ ایک دکاندار نے ہمیں سامان

Marfat.com

کی گٹھڑیاں دکھائیں' جو پاکستانی مصنوعات سے بھری ہوئی مگر نا قابلِ فروخت تھیں۔ بعد ازاں افغانستان کے مکمل وزٹ کے دوران یہی صورتِ حال ہمیں کابل اور قندھار جیسی بڑی مارکیٹوں میں بھی نظر آئی' تو افسوس ہوا کہ ہم تو افغانستان کو گیٹ وے سمجھ کر وسطی ایشیاء کی مارکیٹ پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھے' مگر ہمارے تاجر تو راستے میں ہی انڈیا اور ایران کے تاجروں سے مات کھا گئے ہیں۔

جلال آباد شہر شام کے سایے ڈھلتے ہی تاریکی میں ڈوب جاتا ہے' رات کو بہت کم وقت کے لئے بجلی سپلائی کی جاتی ہے کیونکہ ڈیموں میں پانی کی کمی اور نئے ڈیم تعمیر نہ ہونے کے باعث بجلی کا بہت مسئلہ ہے' تاہم وہاں پر دکاندار روسی جنریٹر استعمال کرتے ہیں جو ڈیزل سے چلتے ہیں۔ یہ جنریٹر جلال آباد میں بہت عام نظر آتے ہیں' افغانستان کی سوغات سیب' انگور اور خربوزے سے ہم جلال آباد میں ہی لطف اندوز ہونا شروع ہو گئے تھے' افغانستان میں خربوزہ اس پھل کو کہتے ہیں جسے ہم سردا یا گرما کہتے ہیں۔

جلال آباد کے گورنر صدرِ اعظم نے ملاقات کے دوران گفتگو کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ طالبان خدمات کا معاوضہ نہیں لیتے بلکہ وہ خدمت کے جذبے کے تحت تحریک میں کام کر رہے ہیں۔ ہر گھر سے ایک یا دو افراد تحریک میں شامل ہیں۔ جن نوجوانوں کا تعلق بہت ہی غریب گھرانوں سے ہے انہیں کچھ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ طالبان کے آنے سے علاقائی امن بحال ہو گیا ہے۔ لوگوں سے اسلحہ واپس لے لیا گیا ہے اور امیر المومنین کے حکم پر پوست کی کاشت پر پابندی عاید کر دی گئی ہے۔ ترقیاتی کاموں کے بارے میں گورنر نے بتایا کہ صوبے میں زیتون' صابن اور سنگِ مرمر کی مصنوعات کے کارخانے لگائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد جرائم تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ طالبان کے آنے سے پہلے طورخم سے لے کر کابل تک لوٹ مار کا بازار گرم تھا لیکن اب ہر طرف تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے۔ صدرِ اعظم نے اس پراپیگنڈے کو غلط قرار دیا کہ افغانستان میں خواتین کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابھی حالت جنگ میں ہیں یہاں شریعت کے مطابق پردہ کی سخت پابندی ہے۔ ہم عورتوں کے حقوق کے قائل ہیں۔ اقوام متحدہ نے پوست کی کاشت کے خاتمے پر امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر افغانستان میں پوست کی کاشت پر پابندی کے باوجود اقوام متحدہ نے امداد بحال

Marfat.com

نہ کی۔تاہم یہ واضح کردیں کہ ہم نے پوسٹ کی کاشت کا خاتمہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا ہے' ہمارا مقصد اقوام متحدہ کو خوش کرنا نہیں تھا۔ عدالتی نظام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ تمام فیصلے تین ماہ کے اندر سنا دیئے جاتے ہیں۔ننگرھار یونیورسٹی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ یہاں 1900 طلباء زیرِ تعلیم ہیں جن میں میڈیکل کے 900 طالب علم ہیں' انہوں نے بتایا کہ صوبے کو بجلی اور پانی کا سخت مسئلہ ہے جس پر قابو پانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

# باچا خان کا مزار اور عشق کی کہانی

افغانستان کے صوبہ ننگرھار کے صدر مقام جلال آباد میں ہمیں اپنی دلچسپی کے ایک اہم مقام کی تلاش تھی۔ وہ مقام عوامی نیشنل پارٹی اور خدائی خدمت گار تحریک کے بانی عبدالغفار خان عرف باچا خان کا مزار تھا۔ مقامی لوگوں کی مدد سے ہم اس مزار تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ جلال آباد شہر میں داخل ہوتے ہی گیس کے سلنڈروں کی مختلف دکانوں کی ایک لمبی قطار ہے۔ ان دکانوں کے پیچھے ایک وسیع احاطہ کے اردگرد چار دیواری ہے۔ ایک بزرگ دکاندار جہانداد خان نے ہمیں بتایا کہ ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت نے باچا خان کے مزار اور اس کے اردگرد کا وسیع علاقہ ولی خان فیملی کے نام کر دیا تھا۔ طالبان حکومت کے قیام کے بعد اس علاقے کو سرکاری تحویل میں لینے کی کوشش کی گئی تو ولی خان فیملی نے اپنی ملکیت کے کاغذات دکھا کر اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھا اور اس پر دکانیں تعمیر کیں' بزرگ دکاندار نے بتایا کہ ان دکانوں کا کرایہ اب بھی ولی خان فیملی کو ہی ملتا ہے۔ باچا خان اور ان کے مزار کے بارے میں مزید معلومات ہمیں جلال آباد کے مخابرات چوک میں ایک میڈیکل اینڈ جنرل سٹور کے مالک عرب نژاد افغان محمد عمر سے حاصل ہوئیں۔ محمد عمر نے بتایا کہ جلال آباد میں باچا خان' پختونوں کے گرونانک کے نام سے مشہور تھے۔ وہ یہاں کے لوگوں کو بھی پختونستان کے قیام کے خواب دکھاتے تھے۔ باچا خان نے جلال آباد کے جس چوک میں بڑا جلسہ کیا تھا' وہ چوک آج بھی ''پختونستان چوک'' کے نام سے منسوب ہے۔ باچا خان کی

Marfat.com

قدر صرف نجیب دور میں تھی کیونکہ دونوں کی ہمدردیاں روس کے ساتھ تھیں۔ آج نہ کوئی باچا خان کا ذکر کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے مزار کا رخ کرتا ہے۔ محمد عمر نے بتایا کہ نجیب دور میں ننگرھار یونیورسٹی میں صوبہ سرحد کے طلباء کے لئے پچاس نشستیں مخصوص تھیں جسے پختونستان کے کوٹے سے منسوب کیا گیا تھا۔ ان نشستوں پر داخلے کے لئے باچان خان فیملی کا تصدیق نامہ ضروری تھا۔ یہ طلباء یہاں پر زیادہ تر میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتے تھے جن میں طلباء اور طالبات دونوں شامل ہوتے تھے۔ محمد عمر نے بتایا کہ یہ طلبا باچا خان کے مزار پر باری باری گارڈ کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ خود باچا خان کے جنازے میں شریک تھا۔ نجیب نے ان کی میت کو سرکاری پروٹوکول دیا تھا۔ ان کے جنازے میں روس اور بھارت سے بھی کئی وفود شریک ہوئے تھے۔ جب تک نجیب کی حکومت تھی باچا خان کے مزار پر سرکاری گارڈ تعینات رہتے تھے اور ہر سال ان کی برسی کی تقریب منعقد ہوتی تھی۔ نجیب دور میں قبر پر مزار کی تعمیر شروع کر دی گئی تھی، مزار پر ابھی ایک چھت ہی تعمیر ہوئی تھی کہ مجاہد تنظیموں کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس کے بعد مزار کی تعمیر کا کام رک گیا۔ سرکاری گارڈز ہٹا لئے گئے اور برسی کی تقریب ختم کر دی گئی۔ کچھ عرصہ تک قبر کی حفاظت کا کام ننگرھار یونیورسٹی کے طلباء نے اپنے ذمہ لیا لیکن طالبان حکومت کے قیام کے بعد نہ صرف مزار پر پہرہ دینے سے منع کر دیا گیا بلکہ ننگرھار یونیورسٹی میں پختونستان کا کوٹہ ختم کر کے پاکستانیوں کے لئے اوپن کر دیا گیا۔

ہمیں باچا خان کا مزار تلاش کرنے میں مشکل پیش آئی کیونکہ اب مزار تک پہنچنے کے لئے تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ صرف ایک راستہ موجود ہے۔ مزار کے ساتھ ایک کچا مکان تعمیر ہے، جس میں ایک غریب افغان فیملی رہتی ہے۔ ان کے گھر کے تنگ دروازے میں داخل ہو کر صحن سے گزر کر مزار تک پہنچا جا سکتا ہے۔ کچی قبر کے اوپر کنکریٹ کا ایک نامکمل مزار تعمیر ہے جس کی چھت پر ادھوری شکل میں لوہے کے سریے نظر آتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعمیر روک دی گئی تھی۔ قبر کے ارد گرد محلے کے بچے کھیلتے رہتے ہیں۔ مزار کے ارد گرد مٹی کے ڈھیر پڑے ہیں۔ جھاڑیاں اور خودرو پودے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم نے مکینوں سے اجازت لے کر قبر اور مزار کی تصاویر بنائیں۔ یہاں عام لوگوں کا آنا جانا بالکل بند ہے۔ مقامی لوگوں کے مطابق، طالبان کے آنے سے خدشات کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ شاید وہ اس مزار کو زمین بوس کر دیں گے۔ مگر طالبان

Marfat.com

نے باچا خان کے مزار کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ مزار پر اب نجیب دور کی شان و شوکت برقرار نہیں رہی اور نہ ہی نجیب کے بعد اے این پی کی قیادت نے اس طرف رخ کیا ہے۔

محمد عمر سے ننگرھار یونیورسٹی میں باچا خان فیملی کے مخصوص کوٹہ اور پشاور کے طلباء و طالبات کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی تو اس نے ایک اور اہم واقعہ بیان کیا۔ محمد عمر نے بتایا کہ ننگرھار یونیورسٹی میں دیگر طلباء کے علاوہ فریدہ نام کی ایک لڑکی بھی زیرِ تعلیم تھی۔ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ شہر میں اس کی خوبصورتی اور فیشن کے چرچے تھے۔ عمر نے بتایا کہ چونکہ بازار میں سب سے بڑا اسٹور میرا تھا' اس لئے وہ اکثر یہاں خریداری کے لئے آتی تھی۔ اس نے بتایا کہ فریدہ کا تعلق صوبہ سرحد کی ایک نامور فیملی سے تھا۔ اس کی دوستی یہاں کے ایک خوبصورت نوجوان سے ہوگئی جو ایک ہیلی کاپٹر کا پائلٹ تھا۔ محمد عمر کے مطابق جب ان کی دوستی عشق میں تبدیل ہوگئی اور شادی کی بات ہونے لگی تو لڑکی نے پائلٹ پر شرط عاید کی کہ اگر وہ جرأت کر کے اسے اور اس کی سہیلیوں کو ہیلی کاپٹر پر پاکستان کے علاقے میں اتار کر آئے تو وہ اس سے شادی کر لے گی۔ واضح رہے کہ نجیب دور میں پاکستانی سرحد پر ایک ہیلی کاپٹر کو مار گرائے جانے کی خبر آئی تھی' جس میں سات آٹھ افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ محمد عمر نے بتایا کہ وہ پائلٹ فریدہ اور اس کی چھ سہیلیوں کو ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر پاکستانی سرحد کی طرف فلائی کر گیا مگر جیسے ہی کنٹرول ٹاور سے رابطہ کئے بغیر اس نے پاکستانی سرحد میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ہیلی کاپٹر کو مار گرایا گیا۔ اس طرح پائلٹ اور سات لڑکیوں کی ہلاکت کے ساتھ ہی عشق کی یہ کہانی ختم ہوگئی۔

Marfat.com

# چند لمحات سروبی میں

صبح سات بجے ہم نے جلال آباد سے کابل کے لئے ایک ٹیکسی کرایہ پر حاصل کی' سفید رنگ کی جاپانی کرولا ٹیکسی' عام کرولا کار سے کچھ مختلف تھی' اس کی پچھلی نشست سے پیچھے سامان رکھنے کے لئے بھی خالی جگہ ہوتی ہے' سفید رنگ اور اس کے اردگرد پیلے رنگ کی پٹی' یہ وہاں کی ٹیکسی کی نشانی ہے۔ حسب معمول ڈرائیور نے ہاتھ اٹھا کر سفر کی دعا مانگی اور ہم جلال آباد سے کابل کے لئے روانہ ہو گئے۔ شہر سے نکلتے ہی سڑک کے ساتھ ساتھ دریائے کابل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہی دریائے کابل ہے جو افغانستان سے پاکستان میں داخل ہو جاتا ہے اور صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہوا اٹک پل کے قریب دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔ جلال آباد شہر سے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر مکئی کے وسیع کھیتوں کے درمیان پیلے اور مٹیالے رنگ کی دو تین منزلہ عمارت نظر آتی ہے' یہ ننگرھار یونیورسٹی کی عمارت ہے۔ ہم نے جلال سے نکلنے کے بعد تقریباً بیس پچیس فٹ پختہ سڑک پر آرام دہ سفر طے کیا' اس کے بعد ٹوٹی ہوئی سڑک کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو کابل کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے تک جاری رہتا ہے۔ سفر کے دوران میں نے ناصر کے ذریعے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا کہ یہاں ڈیزل تقریباً 13 روپے جبکہ پٹرول 18 روپے لٹر ملتا ہے۔

جلال آباد شہر کی حدود ختم ہوتے ہی ننگرھار صوبہ ختم ہو جاتا ہے اور دریا پر بنے ہوئے پل کو کراس کرنے کے بعد صوبہ لغمان شروع ہو جاتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور کا نام عبداللہ تھا۔ اس نے بتایا

Marfat.com

کہ جلال آباد سے کابل 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے' اگر سڑک ٹھیک ہوتی تو ہم ڈھائی سے تین گھنٹے میں کابل پہنچ جاتے لیکن اب ہمیں چھ گھنٹے لگیں گے۔ ہم نے کابل سے پہلے سروبی میں کچھ دیر کے لئے رکنا تھا' جس کا فاصلہ 70 کلومیٹر تھا لیکن ڈرائیور نے بتایا کہ وہاں تک پہنچتے ہوئے بھی ہمیں ڈھائی گھنٹے لگ جائیں گے۔ سفر کے دوران ہمارے دائیں طرف دریائے کابل مخالف سمت میں بہہ رہا تھا جبکہ بائیں طرف سیاہ اور سرمئی رنگ کا پہاڑی سلسلہ تھا' اس سلسلے کا نام طورغر تھا' طور مقامی زبان میں سیاہ رنگ اور غر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ دریا کے کنارے کبھی کبھی خانہ بدوش پٹھان نظر آ جاتے' کہیں وہ خیمہ زن تھے اور کہیں کہیں وہ اونٹوں کے لمبے قافلوں کی شکل میں جلال آباد کی سمت رواں دواں تھے۔ عبداللہ نے بتایا یہ گجر ہیں۔ گجر کا نام سن کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہاں بھی گجر موجود ہیں۔

لاہور میں تو یہ دودھ اور دہی کے کاروبار پر چھائے ہوئے ہیں' ناصر نے پشتو میں کچھ دیر ڈرائیور سے باتیں کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ یہاں خانہ بدوشوں کو گجر کہتے ہیں۔ جن کے پاس بڑی تعداد میں اونٹ موجود ہوتے ہیں' یہ گرمیوں میں سرد علاقوں کی طرف اور سردیوں میں گرم علاقوں کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ سروبی سے پہلے کاکس نام کا ایک قصبہ آتا ہے' وہاں سڑک پر ایک بہت بڑا پل ٹوٹ کر کھائی میں گرا ہوا تھا' قصبے کے لوگ بڑی تیزی سے اس کی مرمت کر رہے تھے' عبداللہ سے میں نے پوچھا' کیا یہ محکمہ ہائی وے کے لوگ ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ صرف خدمت کے جذبے سے اپنی مدد آپ کے تحت پل تعمیر کر رہے ہیں۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ 'کاکس' کیسا نام ہے اس نے کہا کاکس ظالم لوگوں کو کہتے ہیں اس قصبے کے لوگ نسل در نسل لوٹ مار' قتل و غارت' رہزنی میں مشہور تھے' اس لئے اس کا نام کاکس پڑ گیا ہے' اس نے انکشاف کیا کہ ظلم و بربریت کا یہ سلسلہ روس کی جنگ تک جاری رہا' اس قصبے کے لوگوں نے کئی مجاہدین کو روسی فوج کے ہاتھوں مروا دیا۔ کیسے مروا دیا؟ میں نے عبداللہ سے تفصیل معلوم کرنا چاہی۔ اس نے بتایا کہ یہ علاقہ جغرافیائی لحاظ سے ایسی جگہ پر ہے جہاں سے روسی فوجیں افغانستان کے مختلف علاقوں تک پہنچ سکتی تھیں' مجاہدین نے تمام راستے بلاک کر رکھے تھے' رات کی تاریکی میں گاؤں کے لوگ روسی فوجیوں کو مجاہدین کی حکمت عملی اور ان کے ٹھکانوں سے آگاہ کر دیتے تھے جس سے روسی فوج حملہ کر کے ایک وقت میں کئی ہزار مجاہدین کو شہید کر دیتی تھی۔ ڈرائیور نے وسیع میدان

Marfat.com

میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے قبرستانوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ سب شہداء کی قبریں ہیں' سب سے زیادہ مجاہدین اسی علاقے میں شہید ہوئے ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ طالبان کے آنے کے بعد اس گاؤں کے لوگوں میں غیر معمولی تبدیلی آئی ہے۔ اب ماضی کے یہ ظالم لوگ اپنے علاقے کی تعمیر نو میں سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ انہوں نے جرائم ترک کر کے کھیتی باڑی اور تجارت شروع کر دی ہے۔

عبداللہ سے ہماری گفتگو جاری تھی۔ ایک پہاڑی مقام پر ڈیم کے پل سے نیچے گزر کر جیسے ہی ہم پہاڑ کے دوسری طرف آئے سامنے کا منظر بڑا ہی خوبصورت تھا' دریائے کابل ایک چوڑے پاٹ کے ساتھ دائرے میں گھوم کر ڈیم کی جھیل میں داخل ہو رہا تھا' دریا کے کنارے درختوں کے جھنڈ' لہلہلاتے کھیت بڑا ہی حسین منظر پیش کر رہے تھے۔ سامنے دریا کے دونوں کناروں کے ساتھ پہاڑ پر شہر آباد تھا' یہ سروبی شہر تھا' شہر کے وسط میں ایک ہوٹل کے قریب عبداللہ نے ٹیکسی روک دی۔ موسم بہت ہی خوشگوار تھا' کچی مٹی سے بنے ہوئے برآمدہ نما ہوٹل میں ہم زمین پر بچھے قالین پر اس سمت بیٹھ گئے جہاں چالیس پچاس فٹ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ دریا کے پانی اور درختوں کے جھنڈ سے ٹکرا کر آنے والی ٹھنڈی ہوا نے کچھ دیر کے لئے سفر کی تھکان دور کر دی' سروبی جسے ڈیرہ سروبی کہتے ہیں یہ جنگ کے دوران حکمت یار کا ہیڈ کوارٹر رہا ہے۔ ایک گھنٹہ تک شہر میں گھومنے کے بعد ہم دوبارہ کابل کی طرف روانہ ہو گئے۔

Marfat.com

# کابل میں طالبان کے درمیان

سروبی سے آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد طویل اور بلند پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خطرناک پہاڑی راستوں اور کئی تاریک سرنگوں میں سے گزر کر کئی ہزار فٹ کی بلندی تک جانا پڑتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں جنگ سے ہونے والی تباہی کے زیادہ آثار نظر آتے ہیں۔ جگہ جگہ ناکارہ ٹینک اور تباہ شدہ گاڑیاں ملبے کا ڈھیر بنی پڑی ہیں۔ ایک تھکا دینے والے پہاڑی راستے پر چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ڈرائیور نے ہمیں خوشخبری سنائی کہ اگلے چند لمحوں بعد ہم کابل کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔ ٹیکسی جیسے ہی پہاڑ کی ڈھلان سے نیچے اتری' سامنے ایک چوڑے تھال کی طرح کشادہ سڑکوں والا کابل شہر میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ محصول چونگی پر طالبان نے چند لمحوں کے لئے ٹیکسی روک کر ایک نظر ہمیں بغور دیکھنے کے بعد جانے کی اجازت دے دی۔ ہم ایک چوڑی اور تیر کی طرح سیدھی سڑک پر جا رہے تھے۔ یہ کابل کی ایک بڑی سڑک تھی جو ایک طرف سے شہر میں داخل ہوتی تھی۔ سڑک کے دائیں طرف کارخانے' دفاتر' سکول' ہسپتال اور دیگر عمارتیں تباہ شدہ حالت میں تھیں' سڑک کے بائیں طرف رہائشی علاقہ تھا' ہزاروں گھر ابھی تک خالی تھے' کچھ گھروں میں لوگ آہستہ آہستہ واپس آ رہے تھے۔ ہر گھر کی دیوار پر جنگ کی ہولناکی کا کوئی نہ کوئی نشان ضرور موجود تھا۔ آدھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں شہر کے وسط میں پلازہ ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔ جہاں ہم نے طے شدہ پروگرام کے مطابق کچھ روز قیام کرنا تھا۔

Marfat.com

استقبالیہ پر موجود منیجر نے ہمیں خوش آمدید کہا' ہمیں یہ معلوم کر کے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ ہمیں اتنے اچھے ہوٹل میں ڈبل بیڈ کے لئے ایک رات کا صرف ایک سو روپے کرایہ ادا کرنا ہو گا لیکن اگلے ہی لمحے اس وقت ہماری یہ خوشگواری' ناگواری میں تبدیل ہو گئی' جب منیجر نے ہمیں ہوٹل کی سہولیات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ روم موجود ہے مگر روس کی جنگ کے بعد سے اب تک بند ہے' اس لئے ہوٹل کا کامن باتھ روم استعمال کرنا ہو گا۔ اس باتھ روم کے لئے بھی آپ کو ہر مرتبہ تیسری منزل سے اپنا لوٹا لے کر نیچے گراؤنڈ فلور پر آنا ہو گا اور یہاں پر موجود ڈرم میں سے پانی لے کر دوبارہ تیسری منزل پر جانا ہو گا' بجلی کی سہولت کے بارے میں بتایا گیا کہ مغرب کی نماز کے بعد اگلی صبح آٹھ بجے تک بجلی بند رہتی ہے۔

منیجر کو ایڈوانس رقم ادا کرتے ہی ہمیں ہمارے حصے کے دو لوٹے الاٹ کر دیئے گئے۔ ہم اپنا سامان بمعہ لوٹوں کے اٹھا کر تیسری منزل میں اپنے کمرے تک پہنچ گئے ہوٹل کی بناوٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ اپنے دور کا ایک اچھا ہوٹل شمار ہوتا ہو گا۔ کمرے کی ایک کھڑکی شہر کے مغرب کی طرف کھلتی تھی جہاں سے پہاڑی پر آباد پرانا کابل شہر نظر آتا تھا۔ مشرق کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے شہر کا مرکزی چوک' وزارت اطلاعات کی عمارتیں اور دیگر خوبصورت منظر نظر آتے تھے۔ ہم نے طے کیا کہ سب سے پہلے نہا کر تازہ دم ہوں گے۔ اس کے بعد چائے کا ایک ایک کپ پی کر شہر کا جائزہ لیں گے۔ لیکن ہوٹل میں نہانے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور چائے کی بجائے وہاں صرف قہوہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ منہ ہاتھ دھو کر چائے کی تلاش میں نکل پڑے لیکن ارد گرد کہیں چائے نہیں مل سکی۔ تھوڑے فاصلے پر وزارتِ اطلاعات وثقافت کی عمارت کے سامنے ایک تین منزلہ ہوٹل موجود تھا۔ پہلی منزل پر سڑک کی جانب ہوٹل کا برآمدہ تھا' جہاں بیٹھ کر لوگ کھانا بھی کھا رہے تھے اور شہر کی رونق سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہوٹل کا مالک جو منیجر کے فرائض بھی سرانجام دے رہا تھا' ہمارے تعارف کرانے پر وہ بہت ہی خوش اخلاقی سے پیش آیا' ہم نے اسے چائے سے متعلق اپنا مسئلہ بیان کیا' اس نے ہمیں برآمدے میں بیٹھنے کے لئے کہا اور ایک ملازم کو چائے کے متعلق ہدایات دینے لگا' اس نے بازار سے ملک پیک منگوایا' جس سے باورچی نے ہمارے لئے چائے تیار کی' چونکہ ان لوگوں کو ایسی چائے بنانے کا تجربہ نہیں ہے اس لئے جو چائے ہمیں پیش کی گئی' اسے نہ تو چائے اور نہ قہوہ کہا جا سکتا تھا۔ ہم نے اس تکلیف پر منیجر کا شکریہ ادا کیا اور شہر میں گھومنے کے

Marfat.com

لئے نکل پڑے۔ اگر چہ طورخم سے لے کر کابل تک ہم جتنے علاقوں میں سے گزرے وہاں بھیک مانگتے ہوئے بچے نظر آتے رہے لیکن کابل میں بھیک مانگنے والوں کی بھرمار تھی۔ چھوٹی عمر کے بچے اور بچیاں ایک قدم نہیں چلنے دیتے۔ کبھی ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور کبھی قمیض کھینچ لیتے ہیں' باپردہ خواتین بھی بھیک مانگتی نظر آتی ہیں مگر وہ طالبان کے ڈر سے یہ کام بڑی احتیاط سے کرتی ہیں۔ کسی دور میں یہ مالدار لوگوں کا شہر تھا' صنعت وتجارت کا مرکز اور ترقی یافتہ شہر تھا' لیکن آج شہر اور اس کے مکینوں کی حالت دیکھ کر حقیقت میں آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ کابل میں ہر جگہ ہر شخص سے ہمیں ایک ہی بات سننے کو ملی' کابل کو روس نے نہیں اپنوں نے تباہ کیا ہے۔ کابل کی تباہی کی اصل کہانی کیا ہے؟ وزارت اطلاعات اور وزارت خارجہ کی بریفنگ اور مختلف لوگوں سے ہم نے اس شہر کی تباہی کی جو کہانی سنی اسکا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ 20 اپریل 92ء کو جب نجیب کی کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہوا تو اس وقت دارالحکومت کابل کی آبادی تقریباً 22 لاکھ 80 ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ رہائشی مکانات کی تعداد 3 لاکھ 55 ہزار 5 سو تھی۔ سیاحت کے شعبہ میں کابل کی آمدنی 12 ملین ڈالر سالانہ تھی۔ 400 کارخانے دن رات چل رہے تھے جن سے لاکھوں افراد کا روزگار وابستہ تھا۔ شہر کی بجلی مکمل فعال تھی جسے روس کی جنگ کے بعد 40 ملین ڈالر کی لاگت سے بحال کیا گیا تھا۔ روس کے کمیونسٹ انقلاب کے خلاف اگر چہ چودہ برس سے جنگ جاری تھی مگر کابل شہر اس سے محفوظ تھا' اصل تباہی کا آغاز 24 اپریل 92ء کو معاہدہ پشاور کے بعد ہوتا ہے جب امریکہ اور اقوام متحدہ کے منصوبہ کے مطابق قومی حکومت تشکیل دی گئی۔ اس حکومت کی تشکیل کے بعد 25 اپریل 92ء کو دارالحکومت کابل کے شہریوں نے پہلی خوفناک جنگ دیکھی جو حکمت یار اور مسعود کے حامیوں کے درمیان لڑی گئی' شہر کے باقی حصوں میں ہلاکتوں کے علاوہ تپہ نادر شاہ اور قلعہ بالا حصار کے درمیان سے گزرنے والی شاہراہ کے ایک چوک پر مسعود اور دوستم کے مسلح افراد نے حکمت یار کے پانچ سو افراد کو ہلاک کر دیا۔ اس وقت کابل پر صرف دو دن کے اندر تین ہزار میزائل فائر کئے گئے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اقوام متحدہ کا منصوبہ ہی یہی تھا کہ جہاد اور مجاہدین کو دنیا بھر میں بدنام کر کے یہاں اسلامی حکومت نہ بننے دی جائے' اس سازش کے تحت مجاہدین کو چھ گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ٹیلی ویژن' صدارتی محل' وزیر اکبر خان کا مشرقی علاقہ اور خیر خانہ پر مسعود اور ربانی کا قبضہ تھا۔ قلعہ بالا

Marfat.com

حصار اور وزیر اکبر خان کا مشرقی علاقہ دوستم کے قبضے میں تھا۔ مغربی کابل پر سیاف' دارالامان پر حزب وحدت' جنوب اور مشرقی حصوں پر حکمت یار اور باقی کابل پر دیگر گروپوں کا قبضہ تھا۔ 2 جون 92ء کو حزب وحدت اور سیاف کے درمیان لڑائی میں سینکڑوں افراد ہلاک ہو گئے۔ 28 جون کو معاہدہ پشاور کے مطابق پروفیسر ربانی نے پروفیسر مجددی سے صدارت لے لی۔ 6 جولائی کو حکمت یار نے اپنے کمانڈر استاد فرید کو وزیرِ اعظم بنا کر کابل بھیجا مگر اس کے صرف ایک ماہ بعد یعنی 10 اگست کو حکمت یار نے کابل پر راکٹوں سے حملہ کر کے قیامت برپا کر دی جس کے نتیجہ میں ایک ہزار شہری ہلاک اور کئی ہزار زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد 16 اگست کو پروفیسر ربانی نے حکمت یار کو شورائے قیادت سے اور استاد فرید کو وزارتِ عظمیٰ سے بے دخل کیا تو کابل میں قیامت خیز جنگ شروع ہو گئی۔ دو ہفتے کی مسلسل لڑائی میں کابل کے چار ہزار شہری ہلاک اور کئی ہزار زخمی ہو گئے۔ دو لاکھ شہری کابل سے ہجرت کر گئے۔ 7 مارچ 93ء معاہدہ اسلام آباد ہوا جس کے مطابق ربانی کو صدر اور حکمت یار کو وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا مگر 16 اپریل 93ء کو ایک بار پھر شہر پر قیامت برپا ہو گئی۔ 17 جون کو جب حکمت یار نے وزارتِ عظمیٰ کا حلف اٹھایا تو رات کی تاریکی میں کابل کے جنوبی حصے جنگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ یہ جنگ فوجی نوعیت کے اہم علاقوں پر قبضہ کے لئے لڑی گئی۔ یکم فروری 94ء کو حکمت یار نے اپنے مخالفین دوستم' حزب وحدت اور مجددی سے مل کر ربانی اور سیاف کے خلاف مشترکہ فوجی محاذ قائم کیا۔ اب مسعود' ربانی' سیاف' اور ان کے کمیونسٹ حلیفوں کے مقابلہ میں حکمت یار' حزب وحدت' دوستم' مجددی اور ان کے حلیف کمیونسٹوں کے درمیان صف آرائی شروع ہو گئی۔ 24 مئی 96ء کو مسعود' ربانی اور سیاف سے مصالحت کے بعد جب حکمت یار کابل میں بطور وزیرِ اعظم داخل ہوئے تو کابل کھنڈر میں تبدیل ہو چکا تھا۔

طالبان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے کابل کو جانی' مالی اور اقتصادی لحاظ سے جس طرح تباہ کیا ہے' اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق جو جنرل اسمبلی میں پیش کئے گئے' حکمت یار اور مسعود وغیرہ کی باہمی جنگ سے 60 ہزار شہری ہلاک ہوئے۔ جو لوگ عقوبت خانوں اور جیلوں میں غائب کر دیئے گئے ان کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق اپریل 92ء تا اپریل 93ء صرف ایک سال میں کابل کے 80 ہزار مکانات تباہ ہوئے چار سو کارخانوں میں سے 175 مکمل طور پر تباہ ہو گئے جبکہ 225 کو جزوی نقصان پہنچا

Marfat.com

جس سے وہ بھی بند ہو گئے۔ 40 ملین ڈالر کی لاگت سے بچھائی جانے والی بجلی لائن تباہ ہو گئی اور کابل 12 ملین ڈالر سالانہ سیاحت کی آمدنی سے بھی محروم ہو گیا۔ کابل میں 40 ہزار عورتیں بیوہ ہو گئیں، یتیموں کی تعداد کا شمار ہی نہیں۔ شہر کے تعلیمی ادارے، ہسپتال اور مارکیٹیں بالکل بند ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا یہ خوشحال شہر غربت و افلاس اور بھیک کی لعنت میں پھنس کر رہ گیا۔ کابل میں غربت و افلاس کا یہ عالم ہے کہ مزدور صرف دو وقت کی روٹی پر سارا دن مزدوری کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ کابل کے شہریوں نے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے گھروں کا زیادہ تر سامان فروخت کر ڈالا ہے۔ پاکستان کے کئی تاجر شہریوں سے قیمتی سامان، فرنیچر اور عمدہ برتن سستے داموں یہاں سے خرید کر لے جاتے رہے ہیں۔ اگرچہ امیر المومنین کی ہدایت پر کابل میں محکمہ زکوٰۃ و عشر کے ادارے قائم کئے گئے ہیں جو بڑی ذمہ داری سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں لیکن وسائل کی کمی کے باعث وہ غریبوں کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ گذشتہ سال کابل کے ان اداروں میں زکوٰۃ و عشر اور صدقات سے 11 کروڑ 25 لاکھ روپے نقد، 4 لاکھ 86 ہزار، 9 سو 46 کلو گندم، 28 ہزار 7 سو 84 کلو چاول اور 57 ہزار 7 سو کلو جو جمع ہوئے۔ کابل کے ان دفاتر سے گیارہ صوبے وابستہ ہیں جبکہ 21 صوبوں کی زکوٰۃ قندھار کے دفاتر میں جمع ہوتی ہے۔ ان میں سے 30 فیصد حصہ شہداء کے لواحقین کو اور باقی مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

افغانستان کے بدترین اقتصادی حالات کے اثرات ملازم پیشہ افراد پر بھی پڑے ہیں۔ اکثر ملازمین مختلف دفاتر اور اداروں میں تعمیر نو اور جذبہ خدمت کے طور پر کام کر رہے ہیں تاہم اکثر ملازمین دفتری اوقات کار کے بعد مزدوری اور دکانداری سے ہونے والی آمدنی کے ذریعے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ اس وقت وہاں پر بڑے سے بڑے افسر کی تنخواہ 8 لاکھ افغانی یعنی 8 سو روپے پاکستانی ہے۔ وزارتِ اطلاعات و ثقافت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ایک نوجوان دوست محمد جس نے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی ہے نے سروے کے دوران بتایا کہ ملازمت کے اعتبار سے نجیب کا دور سب سے بہتر تھا۔ اس وقت 3 ہزار پاکستانی روپے کے علاوہ ہر ملازم کو ایک بوری آٹا 7 کلو گھی، 7 کلو چینی، 7 کلو چائے، 7 کلو دالیں اور 7 ٹکیاں صابن کی ملتی تھیں جبکہ اس دور میں اشیائے ضرورت کی قیمتیں بھی مناسب تھیں اس لئے گذر اوقات بہت اچھی تھی۔ لیکن اب 2 لاکھ افغانی بطور تنخواہ اور 20 ہزار افغانی روزانہ کھانے کے لئے ملتے ہیں۔ دوست محمد نے بتایا کہ ہم

Marfat.com

یہ فرائض اس لئے سرانجام دے رہے ہیں کیونکہ ہم نے آنے والی نسلوں کے لئے افغانستان کی تعمیر کرنی ہے' دوست محمد نے بتایا کہ وہ سرکاری ڈیوٹی کے بعد شام کو ریڑھی لگاتا ہے جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔

کابل میں قیام کے پہلے روز شام کے وقت ہم نے اپنے ہوٹل کے اردگرد کے علاقے میں گھوم پھر کر حالات کا مشاہدہ کیا' ہوٹل سے چند فرلانگ کے فاصلے پر شہر کے درمیان میں سے پختہ کناروں والی ایک نہر موجود ہے جو شہر کے درمیان سے گذرتی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دریائے کابل ہے جو کسی دور میں شہر کے درمیان سے گزرتے ہوئے خوبصورت منظر پیش کرتا تھا مگر اب اس کا رخ تبدیل ہو گیا ہے اور یہ شہر سے تھوڑے فاصلے پر گزر رہا ہے۔ خشک دریا پر بنے ہوئے لکڑی کے پل پر سے گذر کر ہم احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ کے مزار کے قریب پہنچ گئے۔ ہم اس مزار کے قریب اس عمارت میں جانا چاہتے تھے جس پر عائشہ درانی گرلز ایجوکیشن ہائی سکول کا بورڈ لگا ہوا تھا' شام کا وقت تھا' چوکیدار سے اجازت لے کر ہم سکول کی چار دیواری میں داخل ہو گئے' کھنڈر نما وہ عمارت تھی۔ بزرگ چوکیدار نے بتایا کہ کسی دور میں یہ لڑکیوں کا سکول تھا لیکن اب یہاں کابل انفارمیشن آفس ہے اور اس کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر پابندی ہے۔ بزرگ نے بڑے افسردہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہ ہمیں یہ فکر لاحق ہے کہ بچوں اور بچیوں کے دو وقت کی روٹی کیسے حاصل کریں اور لوگوں کو لڑکیوں کی تعلیم کی فکر لاحق ہے۔ پیٹ کا مسئلہ حل ہو جائیگا تو بچیوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔

کابل میں بھی داڑھی' پردے اور نماز کی پابندی اتنی ہی نظر آتی ہے جتنی افغانستان کے دوسرے شہروں میں ہم دیکھ چکے تھے۔ جلال آباد اور دوسرے شہروں کی نسبت خواتین کا معاملہ یہاں کچھ مختلف تھا۔ اس سے پہلے ہمارا زیادہ قیام جلال آباد میں تھا' وہاں خواتین پردے کی سخت پابندی کرتی ہیں لیکن شہر میں گھومتے پھرتے ہوئے خواتین بہت کم نظر آتی ہیں لیکن کابل میں خواتین ٹوپی والے برقعے پہن کر بڑی تعداد میں شہر میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں' خواتین کے گھومنے اور خریداری کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ سارا دن بازار میں خریداری کرتے ہوئے خواتین کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ نماز کے وقت دکانیں اور ہوٹل بند ہو جاتے ہیں' سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں۔ نماز کے وقت اگر ہوٹلوں میں گاہک موجود بھی ہوں تو سروس بند کر دی جاتی ہے۔

Marfat.com

کابل میں بھی بجلی اور پانی کی سخت قلت ہے۔شام کے سایے ڈھلتے ہی سارا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔مغرب کی نماز کے بعد ہم ایک ہوٹل سے کھانا کھانے کے بعد اپنے ہوٹل کے کمرے میں واپس چلے گئے۔ہمارے پاس واحد تفریح چھوٹا سا ریڈیو سیٹ تھا لیکن اس پر بھی صرف کابل ریڈیو کی نشریات چل رہی تھیں' رات کو بی بی سی سروس سننے کے بعد ہم سونے کی تیاری کرنے لگے کیونکہ ہوٹل کی بجلی بھی بند کر دی گئی تھی۔رات کو آٹھ نو بجے کے قریب طالبان تمام ہوٹلوں میں چکر لگا کر کمروں کا جائزہ لیتے ہیں۔

اگلی صبح ہم نے وزارت خارجہ و اطلاعات میں انٹری کرانی تھی اور افغانستان کے مختلف علاقوں میں گھومنے' تاریخی مقامات دیکھنے اور قندھار میں اہم شخصیات سے ملاقات کے لئے اجازت نامے وصول کرنے تھے۔کابل میں مختلف امور میں مدد لینے کے لئے ہم مولوی حفیظ اللہ کے نام پاکستان سے ایک خط لے کر گئے تھے' وہ سابق پلاننگ منسٹر تھے اور اب غیر ملکی معاہدوں کے ڈائریکٹر تھے۔ہم نے پہلی ملاقات ان سے کی۔اگرچہ وہ بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہے تھے مگر انہیں میرا داڑھی کے بغیر ہونا خاصا کھل رہا تھا' تاہم انہوں نے وزارت خارجہ کے ڈائریکٹر اطلاعات فیض احمد فیض کو فون کر کے ہمارے متعلق بتایا اور کہا کہ ہمیں جلدی اجازت نامے جاری کر دیئے جائیں۔مولوی حفیظ اللہ نے ٹیلی فون پر فیض احمد فیض سے بڑے خوشگوار موڈ میں بات کرتے ہوئے اسے بتایا کہ میں جو مہمان آپ کے پاس بھیج رہا ہوں' اس میں ایک ایسا نوجوان ہے جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے ابھی تازہ شیو بنائی ہے اور دوسرے نوجوان کی داڑھی طالبان سے بھی زیادہ بڑی ہے۔مولوی حفیظ اللہ کا دفتر وزارتِ خارجہ کے احاطے میں ہی تھا۔ہم ان سے اجازت لے کر چند منٹوں کے بعد فیض احمد فیض کے پاس پہنچ گئے۔اس وقت کچھ چینی صحافی ان کا انٹرویو کر رہے تھے۔پندرہ بیس منٹ بعد فیض احمد نے اپنے کمرے سے باہر آ کر ہمارا استقبال کیا' ہم نے اجازت نامے حاصل کرنے کے علاوہ یہ درخواست بھی کی کہ ہماری ملاقات ملا محمد ربانی اور وزیرِ خارجہ مولوی وکیل احمد متوکل سے بھی کرائی جائے۔فیض نے بتایا کہ اتفاق ایسا ہے کہ وزیر خارجہ کچھ روز کے لئے قندھار گئے ہوئے ہیں جبکہ ملا محمد ربانی بیماری کے باعث ان دنوں مستقل طور پر قندھار میں ہیں۔(واضح رہے کہ ملا محمد ربانی کا اب انتقال ہو گیا ہے) تاہم انہوں نے ہمارے ہوٹل کا ایڈریس نوٹ کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ جیسے ہی کابل واپس آئیں گے

Marfat.com

ہماری ملاقات کرادی جائیگی۔ فیض احمد فیض کہنے لگے میرا نام آپ کیلئے نیا نہیں ہوگا بلکہ آپ کے ملک کے ایک نامور شاعر کا نام بھی یہی ہے۔ ان کا اشارہ معروف شاعر فیض احمد فیض کی طرف تھا۔ انہوں نے اپنے سیکرٹری کو ہمارے اجازت نامے تیار کرنے کی ہدایت کی اور ہم ان سے افغانستان کے مختلف حالات کے بارے میں بریفنگ لینے لگے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں کابل کا تاریخی عجائب گھر دیکھنے کے لئے وزارت ثقافت سے اجازت نامے وصول کرنے تھے۔ وزارت ثقافت میں منصوبہ بندی اور خارجہ تعلقات کے ڈائریکٹر مولوی محمد نعیم صافی نے اس کام میں ہماری مدد کی۔

اس روز دوپہر کے وقت ہم نے طالبان کی طرف سے سزاؤں پر عمل درآمد ہوتے دیکھا۔ ہم ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل جانے کے لئے ٹیکسی میں بیٹھے ہی تھے کہ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں خبر دی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی طالبان نے آریانہ چوک میں دو افراد کو پھانسی پر لٹکایا ہے اور ان کی لاشیں چوک میں ہی لٹک رہی ہیں۔ ہم نے ڈرائیور سے پوچھا' کیا طالبان ہمیں پھانسی کی تصاویر بنانے دیں گے' ٹیکسی ڈرائیور کا جواب تھا کہ آپ صحافی ہیں اس لئے آپ تصاویر بنا سکتے ہیں۔ ہم نے ڈرائیور سے کہا کہ ہوٹل جانے کے بجائے وہ ٹیکسی آریانہ چوک کی طرف لے جائے۔ آریانہ چوک کابل کا تاریخی مقام ہے جہاں طالبان نے نجیب کو بھی پھانسی دی تھی۔ پندرہ منٹ کے بعد ہم آریانہ چوک پہنچ گئے' بڑا ہی خوفناک منظر تھا۔ تین چار سو کی تعداد میں مسلح طالبان نے چوک کو گھیرے میں لے رکھا تھا' سیاہ پگڑیوں' گھنی داڑھیوں' لمبی زلفوں والے طالبان نے کھلی کھلی' لمبی لمبی قمیصیں پہن رکھی تھیں' کندھوں پر چادریں ڈالے' کلاشنکوف اور راکٹ لانچروں سے مسلح طالبان بڑے پر جوش دکھائی دے رہے تھے۔ چوک کے دو اطراف میں چھوٹی کرینوں کے ذریعے دو مجرموں کو پھانسی دے کر لٹکایا گیا تھا۔ طالبان نے ان کے منہ اور پاؤں کی رسیوں میں کرنسی نوٹ ڈال رکھے تھے' جو اس بات کی علامت تھے کہ انہوں نے جس دولت کی خاطر تخریب کاری میں حصہ لیا ہے اس کی حیثیت یہ ہے۔ مجرموں کی لاشیں کئی گھنٹے تک چوک میں لٹکتی رہتی ہیں تاکہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ ہم ٹیکسی سے اتر کر تصاویر بنانے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ ہجوم میں سے ''اوئے اوئے'' کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ مسلح طالبان نے ہمیں گھیر لیا' ناصر نے پشتو زبان میں طالبان کو بتایا کہ ہم پاکستانی صحافی ہیں اور وزارتِ خارجہ و اطلاعات کی

Marfat.com

اجازت سے گھوم رہے ہیں۔ ہم ان کی تصاویر بنانا چاہتے ہیں۔ طالبان نے بلند آواز میں کہنا شروع کر دیا۔ ''عکس منع۔ عکس منع'' دو طالبان ہمیں اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے جو چوک کے درمیان میں کھڑا تھا۔ ناصر نے پشتو زبان میں اپنا مدعا بیان کیا' اس نے کہا کہ یہاں جاندار چیزوں کی تصاویر بنانا سختی سے منع ہے۔ میں نے پھانسی پر لٹکے ہوئے مجرموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو اب بے جان ہو گئے ہیں اس لئے آپ ان کی تصاویر بنانے دیں۔ کمانڈر نے ہمارے اصرار پر اپنے ایک سینئر کمانڈر سے وائرلیس پر بات کرتے ہوئے کہا کہ دو غیر ملکی صحافی چوک میں موجود ہیں اور وہ یہاں تصاویر بنانا چاہتے ہیں۔ عبدالناصر مہمند وائرلیس کی آواز سے دونوں طرف کی گفتگو سن رہا تھا۔ دوسری طرف سے بڑی گرجدار آواز میں وائرلیس پر یہ جواب نشر ہوا کہ یہ صحافی چوک کے ایک طرف سے آئے ہیں' انہیں فوراً چوک کے دوسری طرف سے بھگا دو۔ ناصر اور میں اردو میں بات کر کے ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے کہ ایک تیس سالہ نوجوان طالب ہمارے قریب آ گیا۔ اس کے پوچھنے پر ہم نے بتایا کہ ہم لاہور سے آئے ہیں' لاہور کا نام سنتے ہی دو نوجوان طالبان ہم سے بغلگیر ہو گئے۔ نوجوان نے ہمیں بتایا کہ اس کا نام شاہد ہے' وہ لاہور میں لبرٹی مارکیٹ کے قریب رہتا ہے اور یہاں پر نائب کمانڈر ہے۔ اس نے ہماری مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ لاہوری طالب نے بتایا کہ کابل میں سب سے زیادہ موثر کمانڈر حاجی امداد اللہ ہے۔ ان کا نام سن کر سب کانپنے لگ جاتے ہیں۔ ہمیں ان کے پاس جا کر اجازت لینی چاہیے۔ شاہد نے محکمہ داخلہ میں کام کرنے والے ایک پولیس افسر کو ساتھ لیا اور دس پندرہ منٹ کے مذاکرات کے بعد ہمیں تصاویر بنانے کی اجازت مل گئی۔ عبدالولی نامی پولیس افسر جو گاڑی بھی ڈرائیو کر رہا تھا' اس نے ہمیں ہدایت کی کہ وہ جیسے ہی آریانہ چوک کے اردگرد گاڑی کا ایک چکر لگائے ہم کیمرے کے ذریعے تین چار تصاویر بنا لیں' اور فوراً گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ ہم نے اس کی ہدایت پر عمل کیا' اگرچہ طالبان شور مچاتے رہے لیکن ہم اپنا کام چند لمحوں میں مکمل کر چکے تھے۔ آریانہ چوک جانے کا ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ طالبان کے اندر اثر و رسوخ رکھنے والے نوجوان شاہد سے ہماری دوستی ہو گئی۔ اس نے اگلے روز ہمیں محاذِ جنگ اور طالبان کی اہم چھاؤنیاں دکھانے کا وعدہ کیا۔ شاہد نے طالبان کمانڈروں کی مخصوص گاڑی میں ہمیں بٹھایا اور گاڑی پلازہ ہوٹل کے مین گیٹ کے سامنے کھڑی کر دی' ہمیں طالبان کی گاڑی میں سے نکلتے دیکھ کر ہوٹل کا منیجر اور عملے کے

Marfat.com

ارکان الرٹ ہو گئے۔ شاہد نے استقبالیہ پر بتایا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اور انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ شاہد اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے چلا گیا۔ شاہد کے جانے کے بعد ہوٹل کے عملے کا رویہ ہی تبدیل ہو گیا۔ ہمیں ابھی کمرے میں داخل ہوئے پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ ہوٹل کا منیجر اپنے ملازم کے ہمراہ بستروں کی صاف چادریں اور نئے کمبل لے کر حاضر ہو گیا' چند لمحوں میں بستر پر صاف دھلی ہوئی چادریں بچھا دی گئیں' ایک ترتیب سے کمبل رکھ دیئے گئے اور آناً فاناً کمرے کی مکمل صفائی کر دی گئی۔ منیجر نے چوکیدار کو ہدایت کی اب ان مہمانوں کو پانی کی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ صورتحال بالکل تبدیل ہو گئی۔ پانی سے بھرے ہوئے دو لوٹے ہمارے کمرے میں اور دو اضافی لوٹے کمرے کے باہر ریزرو میں پڑے ہوئے تھے۔ اب ہمیں پانی لینے کے لئے ہر مرتبہ گراؤنڈ فلور پر نہیں جانا پڑتا تھا۔

اگلے روز ہم نے شاہد کے ہمراہ ٹینکوں کے قافلے کے ساتھ سفر شروع کر کے بگرام کے محاذِ جنگ کا دورہ کیا' کابل میں طالبان کی چھاؤنیوں کے اندر کمانڈروں سے ملاقات کی اور ہوٹل میں واپس آ گئے۔ ہوٹل پہنچتے ہی ہمیں پیغام ملا کہ وزیر خارجہ وکیل احمد متوکل کابل آ چکے ہیں اور شام پانچ بجے ہم ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ ہم ٹھیک پانچ بجے وزارتِ خارجہ کے مین گیٹ پر موجود تھے۔ استقبالیہ سے ہمارے نام اندر بھجوائے گئے۔ فیض احمد فیض ہمیں گیٹ پر لینے آئے۔ وزارت خارجہ کے خوبصورت سرسبز لان میں وکیل احمد متوکل چہل قدمی کرتے ہوئے کارڈلیس فون پر کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ایک مسلح گارڈ اور دو اسسٹنٹ موجود تھے۔ ٹیلی فون سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے انتہائی خوشگوار موڈ میں ہمارا استقبال کیا' اپنے کندھے سے چادر اتار کر خود ہی لان میں بچھا دی اور ہمیں وہاں بیٹھنے کے لئے کہا' اسی دوران گہرے بادل چھا چکے تھے اور بارش کا امکان تھا۔ ہم نے لان میں بیٹھ کر وزیر خارجہ سے انٹرویو کا آغاز کر دیا۔ میں نے انٹرویو کے دوران تھوڑا سا جھجکتے ہوئے وکیل احمد متوکل سے درخواست کی' ہم افغانستان میں کسی بھی شخصیت کی تصویر نہیں بنا سکے بلکہ کوئی شخص بھی تصویر نہیں بنانے دیتا' اگر آپ ایک تصویر بنانے دیں تو ہم آپ کے بہت مشکور ہوں گے۔ وزیر خارجہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا' آپ ایک نہیں تین تصویریں اتار لیں۔ میں سمجھا وزیر خارجہ یہ بات مذاق میں کر رہے ہیں۔ میں نے ناصر کے ذریعے دوبارہ اجازت لی تو وزیر خارجہ نے کہا' محسوس ہوتا ہے طالبان نے آپ کو کچھ زیادہ ہی

Marfat.com

ڈرا دیا ہے' میں چونکہ وزیر خارجہ ہوں اور پوری دنیا میں آنا جانا پڑتا ہے اس لئے میں تصاویر بنوالیتا ہوں' تسلی ہونے پر میں نے چھ سات تصاویر بنالیں' تقریباً چالیس منٹ تک ہم نے وزیر خارجہ سے تفصیلی ملاقات کی اور ہوٹل واپس آ گئے۔

Marfat.com

# احمد شاہ ابدالی سے ملا عمر تک

افغانستان مختلف حوالوں سے بڑی اہم سرزمین ہے۔ یہ بڑے نامور سپہ سالاروں کا مسکن اور گزرگاہ بھی رہی ہے۔ پھلوں اور مصالحہ جات کی تجارتی منڈی تھی۔ آج بھی افغانستان کے تقریباً ہر صوبے میں بزرگ ہستیوں کے مزار تاریخی مسجدیں اور آثار موجود ہیں۔ کابل شہر کے مغربی حصے کی طرف جائیں تو شہر کے وسط سے گزرنے کے والے دریائے کابل کے کنارے سڑک کے ساتھ ایک تاریخی مسجد ہے' جس پر ہر وقت کبوتروں کے غول بیٹھے رہتے ہیں۔ مسجد کی بناوٹ ایسی ہے کہ دور سے یہ کسی بزرگ کی زیارت معلوم ہوتی ہے۔ یہ کابل کی سب سے قدیم مسجد شادو شمشیر ہے۔ مسجد کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک مزار ہے۔ جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ ایک صحابی قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن لیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ ان کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کابل میں شادو شمشیر کے نام سے مشہور تھے' دیگر صحابہ کے ساتھ افغانستان آئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف اشاعتِ اسلام کے لئے بھرپور کام کیا بلکہ وہ بہترین شمشیر زن بھی تھے۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کے خلاف کئی جنگوں میں بھی حصہ لیا اس لئے انہیں شادو شمشیر کا لقب دیا گیا۔ یہ مسجد اس بزرگ ہستی نے ہی تعمیر کرائی تھی جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ کابل کی پہلی مسجد ہے۔ طویل عرصہ بعد اس مسجد کے صرف آثار باقی رہ گئے تھے' لیکن افغانستان کے سابق

Marfat.com

بادشاہ امان اللہ خان کی والدہ نے اس مسجد کو دوبارہ اس کی اصل شکل میں تعمیر کرایا۔ آج یہ مسجد ایک بار پھر آباد ہے' جبکہ مسجد کے سامنے مزار حضرت شاد و شمشیر پر بھی زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ طالبان کے آنے کے بعد مزار پر کوئی خلافِ شریعت کام نہیں ہونے دیا جاتا۔ شاد و شمشیر کے علاوہ بھی کابل میں کئی صحابہ کی قبریں موجود ہیں' جن میں حضرت تمیم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ یہ تمام ہستیاں شہدا صالحین نامی قبرستان میں مدفون ہیں۔

حضرت شاد و شمشیر کے مزار سے آگے دارالامان روڈ شروع ہو جاتا ہے۔ دو کلومیٹر کے فاصلے پر سڑک کے اختتام پر ایک پہاڑی ٹیلے پر سابق افغان بادشاہ امان اللہ خان کا محل قصر امان اللہ واقع ہے۔ اس محل کے عقب میں کچھ مزید بلندی پر ایک اور محل ہے' جو امان اللہ خان نے اپنی بیوی تپہ تاج بیگم کے لئے بنوایا تھا۔ کابل کے تاریخی عجائب گھر کے بالکل سامنے واقع یہ عمارتیں اب کھنڈر بن چکی ہیں۔ طالبان سے قبل ان دونوں عمارتوں پر انجینئر گلبدین حکمت یار کا قبضہ تھا۔ پہاڑ کے اوپر حزبِ وحدت کے گروہ مورچہ زن تھے جبکہ دائیں طرف احمد شاہ مسعود اور بائیں طرف عبدالرب رسول سیاف کی فوجیں تھیں۔ نجیب حکومت کے خاتمے کے بعد یہ علاقہ چاروں تنظیموں کے درمیان میدانِ جنگ بنا رہا جس کی وجہ سے پورا دارالامان روڈ کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس سڑک کے دونوں اطراف کسی زمانے میں سرسبز درخت اور بلند و بالا عمارتیں ہوا کرتی تھیں۔ مقامی لوگ بتاتے ہیں کہ کابل کو روس نے اتنا تباہ نہیں کیا جتنا مجاہدین کی آپس میں لڑائی سے اس کا حلیہ بگڑا۔ اسی روڈ پر افغانستان کا پہلا سکول لیسہ حبیبیہ واقع ہے۔ یہ چار منزلہ سکول افغانستان کے امیر حبیب اللہ خان نے تعمیر کرایا تھا۔ جنگ کی گولہ باری کی وجہ سے عمارت کے تمام دروازے کھڑکیاں تباہ ہو چکی ہیں' لیکن کھنڈر نما اس عمارت میں آج بھی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سکول سے تھوڑا آگے سابق روسی سفارت خانے کی عمارت اور روسی سفارت کاروں کی کالونی ہے۔ اگرچہ یہ عمارتیں بھی تباہ ہو چکی ہیں' اور شمالی افغانستان میں جنگ کے باعث ہجرت کر کے آنے والے لوگ یہاں آباد ہیں۔ اس سڑک پر دو تین کارخانے بھی تھے جو اب تباہ ہو چکے ہیں۔ دارالامان سے کچھ فاصلے پر وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا میڈیکل کمپلیکس تھا' جو جنگ کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا۔ لیکن طالبان نے اس کے دو حصے تعمیر کر کے اسے ایک چھوٹے سے ہسپتال کی شکل دے دی ہے۔

Marfat.com

قصر امان اللہ (دارالامان) کے بالکل سامنے کابل کا وہ تاریخی عجائب گھر ہے جس کی دنیا بھر میں شہرت تھی۔ اسے بادشاہ امان اللہ خان نے تعمیر کرایا تھا اور اس کا افتتاح 1931ء میں ہوا تھا۔ اس عجائب گھر میں دنیا کی مختلف تہذیبوں کے علاوہ ہر دور کے تاریخی آثار محفوظ ہیں۔ بتایا جاتا ہے اس عجائب گھر میں محفوظ آثار کو دیکھ کر قبل اسلام اور بعد از اسلام کی پوری تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے۔ نجیب حکومت تک یہ عجائب گھر اپنی اصل حالت میں موجود تھا لیکن نجیب کے بعد مجاہد تنظیموں کی آپس میں لڑائی کے بعد اس تاریخی عمارت کو بھی سخت نقصان پہنچا اور گولہ باری سے عمارت کا بالائی حصہ جل کر راکھ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی کئی بیش قیمت نوادرات و آثار بھی ضائع ہو گئے۔ میوزیم کے ڈائریکٹر نے بتایا کہ یہ دنیا کا واحد عجائب گھر ہے جس میں تمام آثار اصلی حالت میں موجود ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ اس نے بتایا کہ اگر دنیا کی کسی بھی تہذیب پر تحقیق کرنا ہو تو ماہرین کو کابل کے عجائب گھر کے علاوہ کہیں اور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈائریکٹر میوزیم نے بتایا کہ جنگ کی وجہ سے جہاں میوزیم کی عمارت کو نقصان پہنچا ہے' وہاں اس عجائب گھر سے کئی قیمتی نوادرات بھی چرا لئے گئے۔ طالبان نے کئی چوری شدہ نوادرات برآمد بھی کر لئے لیکن باقی نوادرات سمگل ہو کر مختلف ملکوں میں پہنچ گئے۔ فی الحال طالبان انتظامیہ نے عجائب گھر کا تمام سامان صندوقوں میں بند کر کے تمام آثار سر بمہر کر دیئے ہیں۔ کچھ نوادرات عجائب گھر میں نمائش کے لئے موجود ہیں' لیکن انہیں دیکھنے کے لئے بھی وزارت ثقافت کی خصوصی اجازت لینی پڑتی ہے۔ وزارت ثقافت کے سیکرٹری مولوی محمد نعیم صافی نے بتایا کہ اس پراپیگنڈہ میں کوئی حقیقت نہیں کہ طالبان اس عجائب گھر کو مستقل طور پر بند رکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت نے میوزیم کی دوبارہ تعمیر و مرمت کے لئے ایک ٹھیکیدار کو ٹھیکہ دیا تھا' مگر وہ کام چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اب نئے ٹینڈر دیئے گئے ہیں' کام کو جلد از جلد مکمل کر کے سیاحوں کے لئے میوزیم کھول دیا جائے گا۔

کابل میوزیم کے علاوہ کابل شہر کے اندر آرشیف ملی (نیشنل آرکائیوز) کے نام سے بھی ایک عجائب گھر موجود ہے' جس میں افغانستان سے متعلق تاریخی اشیاء اور نوادرات رکھے گئے ہیں۔ لیکن یہ عجائب گھر بھی عام لوگوں کے لئے بند ہے۔ یہ عمارت رنگ و روغن اور طرزِ تعمیر کے لحاظ سے قابل دید ہے اور مکمل و محفوظ حالت میں موجود ہے۔ اب اس عمارت کو تالے لگا کر اس

Marfat.com

کے باہر مسلح پہرے دار بٹھائے دیئے گئے ہیں۔ آرشیف ملی کے انچارج نے وزارتِ ثقافت کی خصوصی اجازت پر ہمیں عمارت کے مختلف حصے دکھائے مگر اس کا سامان بھی مختلف کمروں میں بند پڑا ہے۔

کابل کا انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پہاڑ کے اوپر ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سے پورے کابل کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہوٹل اپنے زمانے میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹلوں کی چین میں خوبصورتی کے لحاظ سے عالمی سطح پر دوسرے نمبر پر شمار ہوتا تھا۔ یہ سات منزلہ عمارت 1963ء میں ظاہر شاہ کے دور میں تعمیر کی گئی تھی، اور جس کمپنی نے اسے تعمیر کیا تھا پہلے چار سال میں ہی اس نے بھاری منافع کے ساتھ اپنے اخراجات پورے کر لئے تھے۔ اس دور میں عیش و عشرت اور تفریح کی تمام سہولتیں اور لوازمات اس ہوٹل میں موجود تھے۔ ہوٹل کی تعمیر پر اٹھنے والے اخراجات پورے ہونے کے بعد اس ہوٹل کو قومی تحویل میں لے لیا گیا تھا۔

انٹر کانٹی نینٹل کے ایک بزرگ گیٹ کیپر نے بتایا کہ ہوٹل میں بکنگ کے لئے سیاحوں کو کئی ماہ پہلے بکنگ کرانا پڑتی تھی کیونکہ سال کے 365 دنوں میں ہوٹل کا کوئی کمرہ خالی نہیں رہتا تھا۔ لیکن طویل جنگ کے بعد یہ ہوٹل بھوت بنگلہ بن کر رہ گیا ہے اور طالبان کی اسلامی حکومت کے سخت قوانین کے باعث اب غیر ملکی سیاحوں کے لئے اس ہوٹل میں کوئی کشش بھی باقی نہیں رہی۔ یہ ہوٹل کابل کے باغ بالا روڈ پر واقع ہے۔ اس میں دو سو رہائشی کمرے، کانفرنس روم، بار روم، ڈائیننگ ہال، سوئمنگ پول سمیت تمام سہولتیں موجود تھیں۔ گولہ باری سے ہوٹل کی آخری منزل تباہ ہو گئی تھی، جس کی مرمت کی جا رہی ہے۔ اب ہوٹل میں باریش ویٹر اور ملازمین سیاحوں کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں مگر پندرہ بیس سیاحوں سے زیادہ اب وہاں کوئی نہیں آتا۔ ان میں زیادہ تر غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندے ہوتے ہیں۔ کیونکہ طالبان حکومت کے قوانین کے مطابق غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو صرف انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں رہنے کی اجازت ہے۔

افغانستان میں اس وقت کوئی ٹیلی ویژن سنٹر فعال نہیں ہے اور نہ افغانستان میں ٹی وی نشریات دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسلامی امارت نے سرکاری طور پر ٹی وی دیکھنے اور رکھنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے، البتہ وزارتِ اطلاعات کے زیرِ انتظام کچھ ریڈیو سٹیشن فعال ہیں اور محدود تعداد میں سرکاری اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں۔ ملک کے تیرہ صوبوں میں ریڈیو سٹیشن فعال ہیں، جن

Marfat.com

میں قندھار' کندوز' بلخ' بغلان' جوز جان' بادغیس' ہرات' فراہ' نمروز' ہلمند' خوست' ننگرھار اور کابل شامل ہیں۔ جبکہ باقی صوبوں میں باقاعدہ نشریات نہیں ہیں۔ ریڈیو سے زیادہ تر خبریں' تبصرے' زرعی و تجارتی پروگرام' دینی پروگرام اور جنگی ترانے نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ نشریات عام طور پر پشتو اور فارسی میں ہوتی ہیں' لیکن بعض اوقات انگریزی اور عربی میں بھی کچھ پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ شام ساڑھے سات بجے پشتو اور آٹھ بجے فارسی زبان میں خصوصی خبر نامہ جبکہ نو اور دس بجے رات معمول کی خبریں نشر ہوتی ہیں۔ ریڈیو پر موسیقی کا پروگرام نشر نہیں ہوتا۔

افغانستان میں نجی سطح پر اخبارات اور جرائد شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مختلف اخبارات و جرائد وزارتِ اطلاعات کے زیرِ انتظام جاری ہوتے ہیں۔ روزنامہ انیس' ہیواد اور انگریزی اخبار کابل ٹائمز پچھلے ادوار کے اخبارات ہیں' جو اب سرکاری تحویل میں شائع ہوتے ہیں۔ طالبان حکومت کے قیام کے بعد یہاں سے روزنامہ شریعت اور ماہنامہ عربی مجلہ الا طالبان بھی جاری کیا گیا ہے۔ ہیواد' انیس اور شریعت فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں مشترکہ طور پر شائع ہوتے ہیں۔ یہ اخبارات اگرچہ روزنامے ہیں مگر بجٹ کی کمی کے باعث ہفتے میں ایک دو روز ہی شائع ہوتے ہیں۔ کابل ٹائمز کا ماہانہ میگزین افغانستان ٹوڈے مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہے۔

باختر کے نام سے وزارت اطلاعات کے زیرِ انتظام ایک نیوز ایجنسی بھی کام کر رہی ہے۔ تمام صوبوں میں اس کے بیورو ہیں۔ یہ نیوا ایجنسی افغان حکومت کی اندرون و بیرونی پالیسیوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ عالمی ذرائع ابلاغ بھی اس سے سروس لیتے ہیں۔ خاص طور پر ایرانی نیوز ایجنسی ارنا' امریکن ایجنسی اے پی' پاکستان کی نیوز ایجنسی اے پی پی' بی بی سی اور وائس آف امریکہ باختر سے افغانستان کے بارے میں خبریں حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایجنسی پشتو' فارسی اور انگریزی میں نیوز بلیٹن بھی تیار کرتی ہے' جو غیر ملکی اخباری نمائندوں' ایجنسیوں' این جی اوز' اور اہم اداروں کو فیکس کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ باختر نیوز ایجنسی کے ایڈیٹر قاری فضل ربی نے کابل میں باختر کے ہیڈ آفس میں ہمیں بتایا کہ افغانستان میں صرف اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے اظہارِ رائے کی اجازت ہے۔ اخباری نمائندوں کو محکموں کی کارکردگی پر تنقید کا حق دیا گیا ہے' مگر طالبان فورس پر تنقید کی اجازت نہیں۔ تاہم افغانستان میں موجود عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو رپورٹنگ کی کھلی اجازت ہے۔ فضل ربی نے بتایا کہ بی بی سی اور اے ایف پی کے

Marfat.com

نمائندے اکثر طالبان حکومت کے خلاف خبریں بھیجتے ہیں' لیکن جب تک وہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں انہیں کچھ نہیں کہا جاتا۔

افغانستان کا ہر شہر اپنے دامن میں ہزاروں سال پرانی تاریخ سمیٹے ہوئے ہے۔ دارالحکومت کابل میں سینکڑوں تاریخی مقامات' آثار' مقبرے اور مساجد موجود ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ کا مقبرہ کابل شہر کے وسط میں پرانے دریائے کابل کے کنارے واقع ہے۔ کابل سے پہلے احمد شاہ ابدالی (درانی) کے دور تک افغانستان کا دارالحکومت قندھار تھا۔ احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور شاہ کابل منتقل ہوا تو اس نے 1776ء میں کابل کو افغانستان کا دارالحکومت قرار دے دیا۔ کابل میں تیمور شاہ کا مزار 1817ء میں تعمیر ہوا۔ یہ تاریخی مزار ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اس کے تہہ خانے میں قبر کے اردگرد چند سال قبل تک منشیات کے عادی افراد کا ڈیرہ رہتا تھا۔ طالبان کے آنے سے نہ صرف مزار کے اندر منشیات کے عادی افراد کا ٹھکانہ ختم کر دیا گیا' بلکہ مزار کی مرمت کر کے اسے محفوظ کر لیا گیا۔ کابل میں انیسویں صدی کی تعمیرات کا شاہکار سابق بادشاہ امیر عبدالرحمان کا مقبرہ ہے جو شہر کے وسط میں زارنگر پارک میں واقع ہے۔ کابل میں شاد و شمشیر کے علاوہ جو مشہور مساجد ہیں ان میں مسجد پل خست' مسجد شیر پور (نیلی مسجد) مسجد عید گاہ اور مسجد سید مجنون شاہ شامل ہیں۔ بالا حصار' باغ بالا' بابر گارڈن' گلدارا سٹوپا اور پغمان بھی کابل کے اہم تاریخی مقامات ہیں۔

قندھار ماضی اور حال دونوں حوالوں سے افغانستان کا اہم ترین شہر شمار ہوتا ہے۔ ماضی میں یہ احمد شاہ ابدالی کا شہر کہلاتا تھا۔ اب اسے ملا عمر کا شہر کہا جاتا ہے۔ یہ افغانستان کا پہلا دارالحکومت تھا۔ جسے احمد شاہ ابدالی نے 1747ء میں دریافت کیا تھا۔ قندھار اب افغانستان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ قندھار شہر کے مرکزی حصے میں افغانستان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ قندھار شہر کے مرکزی حصے میں افغانستان کے امیر المومنین ملا محمد عمر کے سیکرٹریٹ کے بالکل سامنے ایک وسیع اور سرسبز احاطے میں جامع مسجد' احمد شاہ ابدالی کا مزار اور زیارت پاک موجود ہے۔ اس پورے احاطے کو زیارت پاک کہتے ہیں۔ زیارت اس خوبصورت عمارت کو کہتے ہیں جس کے اندر حضور نبی اکرم ﷺ کا جبہ مبارک رکھا ہوا ہے۔ جبہ مبارک ایک خوبصورت شوکیس میں محفوظ ہے۔ جبکہ اس ہال کے چاروں کونوں میں بڑے سائز کے تاریخی قرآنی نسخے بھی موجود ہیں۔ دن رات وہاں پر زیارت کے کام

Marfat.com

کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ زیارت کے پچھلی طرف احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ ہے۔ یہ تاریخی عمارت اپنی اصل شان وشوکت کے ساتھ موجود ہے۔ طالبان کے آنے کے بعد ملا محمد عمر نے خصوصی دلچسپی سے اس مقبرے کی مرمت کرا کے اسے اصلی شکل میں محفوظ کرالیا ہے۔ مقبرے کے اندر قبر کے اردگرد احمد شاہ ابدالی کے زیر استعمال رہنے والا جنگی ساز وسامان بھی نمائش کے لئے رکھا گیا ہے۔ زیارت پاک کو مقامی زبان میں خرقہ شریف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پھلوں کی پیداوار کے لحاظ سے بھی صوبہ قندھار سب سے بڑا صوبہ شمار ہوتا ہے۔ قندھار کے قریب چالیس سیڑھیوں والا پہاڑ بھی قابل دید مقام ہے۔ اسے چہل زینہ کہتے ہیں اس پہاڑ کی قدرتی ساخت اس انداز میں ہے جیسے کسی نے پتھر کی لمبی چوڑی سلیں تراش کر سیڑھیاں بنادی ہوں۔ اسے اہم عجوبہ کہا جاتا ہے۔

عظیم سپاہ سالار اور فاتح محمود غزنوی کا شہر غزنی بھی افغانستان میں واقع ہے۔ غزنی اب ایک چھوٹا سا شہر ہے لیکن ماضی میں ایران سے لے کر بھارت تک عظیم غزنوی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ غزنی میں عہد رفتہ کی چند یادگاریں محمود غزنوی کے مقبرے' ایک محل کے کھنڈرات اور چند تاریخی میناروں کی شکل میں باقی ہیں۔ افغانستان کا شہر مزار شریف بھی ایک خاص حوالے سے شہرت رکھتا ہے۔ وہاں پر کئی گنبدوں والی نیلے رنگ کی ایک قابل دید عمارت ہے۔ جس کے بارے میں مقامی روایت ہے کہ اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں پر دفن ہیں۔ ہر سال دنیا بھر سے ہزاروں عقیدت مند یہاں پر زیارت کے لئے آتے ہیں۔ بامیان' ہرات' اور بلخ سمیت کئی اور درجنوں شہر موجود ہیں جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تاریخی آثار موجود ہیں۔

کابل میں واقع صدارتی محل دیکھنے کا مقام ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے ہم دو دن تک اجازت لینے کی کوشش کرتے رہے تاہم ہمیں صدارت محل کے احاطے میں گھومنے کی اجازت مل گئی لیکن کمرے کھولنے کی اجازت نہ مل سکی۔ صدارتی محل افغان بادشاہوں کی ہیبت اور شاہ خرچیوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اب یہ طالبان کے قبضے میں ہے۔ صدر دروازہ پر کلمہ طیبہ والا سفید پرچم لہرا رہا ہے۔ گیٹ کے اوپر ایک چوکور چبوترہ ہے جس پر تاریخی کلاک آویزاں ہے اسکے نیچے طالبان حکومت کا مونوگرام پینٹ کیا گیا ہے۔ کابل کے اس محل سے افغانستان کے کئی حکمرانوں کی

Marfat.com

تاریخ وابستہ ہے۔ظاہر شاہ' داؤد' ترہ کئی' امین ببرک کارمل' نجیب' مجددی اور پروفیسر ربانی تک کے حکمرانوں نے یہاں قیام کیا۔ یہاں حکومتوں ک تختے الٹتے رہے۔صدارتیں چھنتی اور بٹتی رہیں اور حکمران قتل ہوتے رہے۔

کابل کے سب سے مہنگے علاقے وزیر اکبر خان میں واقع ایک حویلی نما بنگلہ بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ سبز رنگ کے گیٹ اور پرانی اینٹوں سے بنی ہوئی طویل چار دیواری میں درختوں کے جھنڈ کے درمیان یہ پراسرار بنگلہ کے جی بی' را' خاد اور بعض پاکستانی شخصیات کے حوالے سے ایک بڑی تاریخ رکھتا ہے۔ یہ بنگلہ نہ صرف روس' افغانستان اور بھارت کی خفیہ ایجنسیوں کا مرکز تھا بلکہ روس نواز پاکستانی خودساختہ جلاوطن سیاستدان بھی یہاں قیام پذیر رہے ہیں' یہاں پر افغانستان کی فتح کے بعد پاکستان کو فتح کرنے کے منصوبے بنتے تھے مگر طالبان کی آمد کے بعد دشمن ملک کی ایجنسیوں کے یہ منصوبے خاک میں مل گئے اور یہ حویلی اب صرف عبرت کے نشان کے طور پر موجود ہے۔

افغانستان میں تعمیر نو کا کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔کابل کے کئی علاقوں میں پانچ پانچ منزلہ مارکیٹیں تعمیر ہو رہی ہیں' کئی مارکیٹیں آباد ہو چکی ہیں ان کا طرز تعمیر لاہور اور اسلام آباد میں موجود جدید طرز کی مارکیٹوں جیسا ہے۔

Marfat.com

# طالبان کے وزیر خارجہ سے تفصیلی ملاقات

مولوی وکیل احمد متوکل کا تعلق افغانستان کے صوبہ قندھار کے ضلع میوند سے ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم افغانستان میں ہی حاصل کی' روسی جارحیت کے وقت وہ میوند سے پاکستان کے شہر کوئٹہ ہجرت کر گئے تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم بلوچستان میں افغان مہاجر کیمپوں میں قائم دینی مدارس سے مکمل کی' اس دوران وہ روس کے خلاف جہاد میں بھی شریک رہے۔ جہاد کے دوران وہ مولوی محمد یونس خالص کی تنظیم میں شامل تھے۔ جب قندھار سے طالبان تحریک شروع ہوئی تو وہ اس تحریک میں شامل ہو گئے' تحریک میں مختلف عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں' ہم نے دورۂ افغانستان کے دوران کابل میں وزارتِ خارجہ کے خوبصورت لان میں ان سے یہ خصوصی انٹرویو کیا۔

س..... افغانستان کو اس وقت کس نوعیت کے خارجی مسائل درپیش ہیں؟

ج..... افغانستان کا سب سے بڑا مسئلہ مغرب کا پراپیگنڈہ ہے۔ تاثر دیا جا رہا ہے کہ افغانستان شدید داخلی مسائل کا شکار ہے۔ ہر جگہ جنگ ہو رہی ہے اور بیشتر علاقے مخالفین کے قبضے میں ہیں۔ بعض مخالفت ملک تو جنگ کی حمایت بھی کر رہے ہیں۔ اس سے عالمی سطح پر افغانستان کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے' جس سے ہمیں خارجہ سطح پر شدید مشکلات کا سامنا ہے' لوگوں کے ذہنوں میں اندیشے ڈال دیئے گئے ہیں۔ یہی اندیشے اور تشویش ہمارے لئے خارجی سطح پر سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

Marfat.com

س..... آپ کیا سمجھتے ہیں' ایسے مسائل پیدا کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ امریکہ کا ہے یا کسی اور طاقت کا؟

ج..... جہاں تک ہماری معلومات ہیں' اس سلسلے میں روس زیادہ کردار ادا کر رہا ہے اور افغانستان کی مخالفت میں سب سے آگے ہے کیونکہ انہوں نے افغانیوں پر جو ظلم کئے ہیں وہ انہیں یاد ہیں۔ بعض جگہ پر امریکہ بھی ایسا کردار ادا کر رہا ہے اس سے ہماری مخالفت پیدا ہوئی ہے۔ امریکی مخالفت کی ایک وجہ اسامہ بھی ہے' لیکن خارجی سطح پر ہماری پریشانی کی بڑی وجہ روس ہے۔

س..... اسامہ کے بارے میں کبھی امریکہ نے تحریری طور پر کوئی مطالبہ کیا ہے' اگر ایسا ہے تو آپ کا جواب کیا رہا؟

ج..... امریکہ کی مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری حکومت کو حکومت اور اداروں کو ادارے ہی نہیں سمجھتا اور ابھی تک وہ اسامہ کے بارے میں ہمیں کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکا۔ صرف مطالبے ہی مطالبے ہیں۔

س..... UNO کے میلنیئم سیشن میں افغانستان کی نمائندگی اس گروپ کو دی گئی جو افغانستان کے صرف پانچ فیصد حصے پر قابض ہے۔ کیا آپ نے یو این او سے اس بارے میں کوئی شکایت کی؟

ج..... اقوام متحدہ کبھی بھی غیر جانبدار نہیں رہا اس نے ہمیشہ ہمارے مخالفین کو جنگ کی جرأت دلائی اور انہیں یہ تاثر دیا کہ دنیا اس کے ساتھ ہے اور اقوام متحدہ کی نشست بھی ان کے پاس ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین جنگ کو لمبا کر رہے ہیں اور اس کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی حیثیت کے مطابق میڈیا کے ذریعے بھی اس کے خلاف احتجاج کیا ہے اور اقوام متحدہ میں نمائندگی حاصل کرنے کے لئے کوششیں بھی کر رہے ہیں۔

س..... دنیا کے کن ممالک میں اب تک آپ کے سفارتخانے قائم ہوئے ہیں یا سفارتی نمائندے موجود ہیں؟

ج..... باقاعدہ طور پر ہمارے سفارتخانے متحدہ عرب امارات' پاکستان اور سعودی عرب میں موجود ہیں' جنہوں نے افغانستان کی اسلامی امارت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترکمانستان' جرمنی اور نیویارک میں بھی اسلامی امارت کی نمائندگی موجود ہے۔

Marfat.com

س..... کیا ایران کے ساتھ تعلقات میں کچھ نرمی پیدا ہوئی ہے یا کشیدگی موجود ہے؟

ج..... ایران کے سلسلے میں ہماری طرف سے کوئی مشکل یا رکاوٹ نہیں ہے۔ ابتداء میں ان کی طرف سے نامناسب منفی رویہ تھا لیکن اب ان کے طرزِ عمل میں تبدیلی آئی ہے۔ راستے آزاد ہو گئے ہیں۔ وفود کا آنا جانا شروع ہو گیا ہے' اس سے فرق پڑا ہے اور امید ہے کہ روابط مزید بہتر ہوں گے۔

س..... جن تین ممالک نے آپ کو تسلیم کیا ہے' کیا وجہ ہے کہ ان کے سربراہان نے ابھی تک امارتِ اسلامیہ کا دورہ نہیں کیا' کیا وہ بھی امریکہ سے خوفزدہ ہیں یا کوئی اور وجہ ہے؟

ج..... یہ تو ان ممالک سے پوچھا جائے' اسلامی امارت کو تسلیم کئے جانے کے باوجود ان کے کسی سربراہ نے یہاں کا دورہ نہیں کیا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے ہمیشہ چشم براہ ہیں۔ چھوٹی سطح پر جو وفود آئے یا قومی سطح کے ان کے رہنما تھے۔ ہم نے ہمیشہ انہیں کھلے بازوؤں سے خوش آمدید کہا اور ان کو ہر قسم کی سہولت مہیا کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی غیر ملک کے وفود کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

س..... کچھ روز قبل خبر آئی تھی پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف افغانستان کا دورہ کریں گے' کیا آپکو ایسی کوئی سرکاری اطلاع ملی تھی یا آپ نے ان کو کبھی دورے کی دعوت دی' اگر ایسا دورہ طے تھا تو پھر اس میں تاخیر کی وجہ کیا بنی؟

ج..... جس وقت جنرل پرویز مشرف کے دورے کا اعلان ہوا تھا تو ہمیں توقع پیدا ہوئی تھی کہ شاید جنرل صاحب افغانستان کا دورہ کریں گے' لیکن ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا وہ افغانستان کیوں نہیں آئے۔ ہم انہیں ہر وقت خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں' وہ کیوں نہیں آئے' یہ ہماری سمجھ سے بالا ہے۔

س..... آپ نے فرمایا کہ وہ جب آنا چاہیں' ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے' لیکن کیا آپ نے انہیں کبھی باقاعدہ طور پر افغانستان آنے کی دعوت دی ہے؟

ج..... ہم نے پہلے دعوت دی تھی لیکن اب کوئی نئی دعوت نہیں دی۔

س..... کچھ عرصہ قبل پاکستان کے وزیرِ داخلہ کے بیانات سامنے آئے تھے کہ افغانستان کے اندر دہشت گردوں کے کیمپ موجود ہیں' جہاں سے دہشت گرد پاکستان میں فرقہ وارانہ

Marfat.com

دہشت گردی میں حصہ لیتے ہیں' کیا پاکستانی حکومت کی طرف سے اپنے کچھ مطلوبہ ملزم حوالے کرنے کے لئے آپ کو کوئی تحریری درخواست ملی ہے؟

ج...... پاکستان کی طرف سے جب بھی بعض افراد کو ان کے حوالے کئے جانے کا مطالبہ ہوا ہے اور ہمیں ثبوت دیئے گئے ہیں تو ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ایسے لوگ جو یہاں افغانستان میں روپوش ہیں اور جن کی وجہ سے پاکستان کو پریشانی لاحق ہے' ان کو پاکستان کے حوالے کیا جائے' کیونکہ پاکستان ہمارا دوسرا گھر ہے جہاں ہم نے وقت گزارا ہے۔ پاکستان کی مشکلات ہماری مشکلات ہیں' لیکن پاکستان کے وزیر داخلہ کی طرف سے جو الزامات لگائے جا رہے ہیں کہ افغانستان کے کیمپوں میں دہشت گردوں کو تربیت دی جا رہی ہے اس الزام میں کوئی حقیقت نہیں۔ افغانستان میں اس طرح کا کوئی کیمپ موجود نہیں ہے اور نہ کبھی موجود تھا۔ وزیر داخلہ نے جس جگہ کو دہشت گردوں کا کیمپ کہا ہے وہ کابل چھاؤنی ہے جس میں پاکستانی طالبان بھی رہتے تھے۔ سب کو معلوم تھا یہ کیمپ نہیں کابل چھاؤنی ہے جہاں طالبان رہتے ہیں اور یہاں سے محاذِ جنگ پر جاتے ہیں۔ جو پاکستانی طالبان یہاں موجود تھے وہ اب پاکستان جا چکے ہیں۔ اس وقت بھی طالبان کی صفوں میں جو پاکستانی یا غیر افغان مجاہدین شامل ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور وہ بھی ایسے لوگ ہیں جن پر پاکستان کی طرف سے کوئی الزام موجود نہیں اور ہمیں یہ توقع بلکہ یقین ہے کہ جب یہ پاکستانی طالبان واپس چلے جائیں گے تو کسی قسم کی دہشت گردی میں ملوث نہیں ہوں گے۔

س...... کیا پاکستانی وزارتِ داخلہ کی طرف سے آپ کو کوئی فہرست فراہم کی گئی۔ ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہو کہ ان افراد کو پاکستان کے حوالے کیا جائے۔

ج...... پاکستان نے ہمیں بعض افراد کی ایک لسٹ دی تھی' مجھے ان کے نام یاد نہیں لیکن ان لسٹوں کے ساتھ مطلوبہ افراد کے نام' تصاویر اور ثبوت بھی فراہم کئے گئے تھے' یہ سب بغیر داڑھی کے لوگ تھے۔ ان کے بارے میں ہم نے معلومات حاصل کیں' لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی ہماری چھاؤنی یا کیمپوں میں موجود نہیں پایا گیا۔

س...... افغانستان سے باہر میڈیا میں اسامہ بن لادن ایک اہم ایشو ہے' اکثر خبریں آتی ہیں کہ امریکی ٹیموں نے اسامہ کے خلاف آپریشن کیا ہے یا امریکی کمانڈوز ... ور پر افغانستان

Marfat.com

میں داخل ہو گئے ہیں' آپ اصل صورتحال بتائیں کہ کیا امریکہ نے اب تک افغانستان کے اندر اسامہ کے خلاف کوئی خفیہ کارروائی کی ہے یا نہیں۔ یہ بھی بتائیں کہ اسامہ بن لادن کے افغانستان میں معمولاتِ زندگی کیا ہیں؟

ج..... اسامہ بن لادن جہاد کے وقت سے ہی ایک ایسی شخصیت رہا ہے جو ہر ایک کو پسند تھی' امریکہ بھی مجاہدین کو ہیرو کہتا تھا اور اب وہی ہیرو امریکہ کے نزدیک دہشت گرد ہو گیا ہے۔ یہ امریکہ کے لئے کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ فلسطین اور اسرائیل میں بھی انہیں جو لوگ دہشت گرد نظر آتے تھے' اب انہی کو امن کے ہیرو قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ نئی بات نہیں امریکہ اس طرح اپنا موقف بدلتا رہتا ہے' اسامہ کے متعلق جو خبریں شائع ہو رہی ہیں ان کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اصل میں ان خبروں کے ذریعے سے اسامہ کے مسئلے کو زندہ رکھا جا رہا ہے۔ اس لئے کبھی کہہ دیا جاتا ہے اسامہ نے یہ بات کہی ہے۔ کبھی خبر آتی ہے کہ اسامہ کو کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا ہے' کبھی ان کے بیمار ہو جانے کی خبر آتی ہے۔ جان بوجھ کر اس طرح کی مختلف خبریں پھیلائی جاتی ہیں۔ اسامہ کے مسئلے کو امریکہ نے اتنا زیادہ اچھالا ہے کہ اس کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔

س..... کیا اسامہ بن لادن اس پوزیشن میں ہے کہ وہ یہاں مجاہدین کی تربیت کر سکے یا وہ صرف آپ کی پناہ میں ہے؟

ج..... جہاد کے خاتمے کے بعد اسامہ بن لادن ایک مہمان کے طور پر رہ رہے ہیں اور ابھی تک ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکا کہ اس نے افغان سرزمین کو کسی کے خلاف استعمال کیا ہو۔ یہ صرف امریکی پروپیگنڈہ ہے' وہ اس مسئلے کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کے اپنے سیاسی اہداف ہیں' وہ اپنے انتخابات میں اسامہ کو سیاسی ایجنڈے کے طور پر استعمال کر کے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ اسامہ یہاں مہمان کے طور پر رہ رہا ہے۔ جہاد اور دہشت گردی دو الگ الگ چیزیں ہیں ہم جہاد پر یقین رکھتے ہیں اور جہاد پر ہمارا ایمان ہے لیکن دہشت گردی قابلِ مذمت ہے' اس کی حمایت نہیں کی جا سکتی۔ جہاد اور دہشت گردی کے علیحدہ علیحدہ معانی ہیں۔ دونوں میں فرق محسوس کرنا چاہیے۔

س..... محاذِ جنگ کی کیا صورتحال ہے' اس وقت طالبان فورس کن محاذوں تک پہنچ چکی ہے

Marfat.com

اوراب مخالفین کے پاس کونسے علاقے باقی رہ گئے ہیں۔

ج.....صرف بدخشان صوبہ میں مخالفین کی حکومت ہے' پروان اور کاپسیا کے کچھ علاقے ان کے پاس ہیں اور یہ دوصوبے بھی ان کے مکمل کنٹرول میں نہیں ہیں' صوبہ تخار میں بھی صرف تخار کا کچھ حصہ ان کے پاس ہے۔ وہاں صورتحال یہ ہے کہ ان کے زیرِ قبضہ علاقہ میں بھی عوام کی ہمدردیاں اسلامی امارت کے ساتھ ہیں۔ وہ جنگ سے تنگ آ چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان علاقوں پر بھی طالبان کی حکومت ہو۔عوام کی یہی ہمدردی ہماری کامیابی کا باعث بن رہی ہے۔

س.....کون کون سے ممالک شمالی اتحاد کی فوجی مدد کر رہے تھے اوران کی مدد کا کوئی ثبوت بھی ہے؟

ج.....سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ ہمسایہ ملک تاجکستان کے علاقے کولاب سے شمالی اتحاد کو کھلم کھلا امداد مل رہی ہے اور روس بھی ان کی مدد کر رہا ہے۔روس اس بات کا کئی مرتبہ اعتراف بھی کر چکا ہے کہ وہ شمالی اتحاد کی مدد کرتا رہے گا۔ایران بھی شمالی اتحاد کی مدد کرتا رہا ہے مگر جب سے قرغزستان میں ان کی طرف سے شمالی اتحاد کے لئے لائی جانے والی اسلحہ کی بڑی کھیپ پکڑی گئی ہے تو اسکے بعد سے یہ سلسلہ کچھ کم ہو گیا ہے۔ بھارت بھی ہمارے خلاف سرگرمِ عمل ہے۔ بھارت نے اسلامی امارت کو تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ اس نے شمالی اتحاد کو افغانستان کی حکومت تصور کرتے ہوئے وہاں اپنا سفارتخانہ بھی کھول رکھا ہے' اور یہ سفارتخانہ اسلامی امارت کے خلاف خاصا فعال کردار ادا کر رہا ہے۔اس طرح کی ہمدردیاں ہمارے مخالفین شمالی اتحاد کے ساتھ کر رہے ہیں۔کسی نے عملاً اور کسی نے سیاسی طور پر ان کا ساتھ دیا ہے۔

س.....افغانستان میں جگہ جگہ یو این او کی گاڑیاں نظر آتی ہیں' اس کے علاوہ انٹی ڈرگ تنظیمیں بھی کام کر رہی ہیں' یہ ادارے افغانستان کو کس قسم کی امداد دے رہے ہیں؟

ج.....یو این او کی افغانستان کے لئے امداد نا کافی ہے۔ان کی نسبت ڈونر ممالک زیادہ مدد کرتے ہیں۔اقوام متحدہ کے دفاتر اکثر فضول کاموں میں فنڈز خرچ کر رہے ہیں' صحیح کاموں پر خرچ نہیں ہو رہا۔ یو این او کی صرف گاڑیاں اور دفاتر نظر آتے ہیں۔کام کچھ نہیں ہو رہا۔اگر چہ یہ یہاں صرف انسانی امداد کے لئے کام کر رہے ہیں اور ان کے ذریعے تقسیم ہونے والی امداد بھی سیاسی مقاصد کے لئے ہے۔

Marfat.com

س ..... ہندوستان یہ پراپیگنڈہ کر رہا ہے کہ کشمیر میں بھی طالبان موجود ہیں اور وہ افغانستان سے فارغ ہونے کے بعد کشمیر میں داخل ہو جائیں گے۔

ج ..... طالبان، علم حاصل کرنے والے طلباء کا نام ہے، جو صرف افغانستان تک محدود ہیں، افغانی طالبان مجبور ہوئے اور جو کام ان کے اساتذہ نہ کر سکے، پروفیسر اور انجینئر افغانستان کی تعمیر نو میں ناکام کر رہے تو انہی کے شاگرد اٹھے اور طالبان کے نام سے متحد ہو کر جہاد میں حصہ لیا ہے۔ اس طرح اگر کسی اور ملک میں وہاں کے طلباء مجبور ہو کر متحد ہوتے ہیں تو یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے ابھی تک کشمیر کے کسی محاذ پر حصہ نہیں لیا، لیکن کشمیری عوام کے کاز کے ساتھ ہماری ہمدردیاں موجود ہیں اور ان کے ساتھ بھارت جو ظلم کر رہا ہے وہ قابلِ مذمت ہے۔ صرف کشمیر نہیں بلکہ چیچنیا اور فلسطین میں بھی مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم پر ہماری روح تڑپتی ہے لیکن اس بات میں کوئی حقیقت نہیں کہ کشمیر اور چیچنیا میں افغانستان کے طالبان لڑ رہے ہیں۔ یہ وہ حربے ہیں جو مخالفین ہمارے خلاف پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

س ..... سیاسی طور پر عالمی طاقتیں افغانستان میں امارتِ اسلامی کو تسلیم نہیں کر رہیں۔ کیا آپ نے سرمایہ کاری اور تجارت کے لئے دوسرے ممالک کے لئے افغانستان کے راستے کھول دیئے ہیں یا نہیں۔ غیر ملکی تاجروں اور سرمایہ کاروں کے لئے آپ نے کن سہولتوں کا اعلان کیا ہے؟

ج ..... تجارت کے لحاظ سے افغانستان بڑی اچھی جغرافیائی پوزیشن میں ہے اور اس سلسلے میں ہمارے قوانین بھی بڑے سادہ اور آسان ہیں، ہم نے سب کو سرمایہ کاری کی پیشکش کی ہے، جس سے نہ صرف افغانستان کو فائدہ پہنچے گا بلکہ سرمایہ کاری کرنے والے ممالک اور کمپنیوں کو بھی فائدہ ہوگا۔ اس سلسلے میں بعض ممالک خاص طور پر یورپی یونین کے تاجروں کے بڑے وفود یہاں پر آئے ہیں، جنہوں نے یہاں پر معدنیات اور پٹرول وغیرہ کی تلاش کے لئے سروے کئے ہیں۔ امید ہے افغانستان کی اقتصادی مشکلات بھی جلد ختم ہو جائیں گی اور یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی کہ پورے افغانستان میں جنگ ہے۔ جب وفود آتے ہیں تو یہاں کے حالات دیکھتے ہیں اور انہیں حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ جنگ نہیں ہو رہی، واپس جا کر دوسرے تاجروں کو یہی بات بتاتے ہیں جس سے تاجر اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں، انشاءاللہ اس حوالے سے بھی ہمارے مسائل جلد ختم ہو

Marfat.com

جائیں گے۔

س.....امریکہ آپ سے اسامہ کو حوالے کرنے کا مطالبہ کر چکا ہے' کیا اس سلسلے میں سعودی عرب نے بھی اسامہ کی واپسی کا کوئی مطالبہ کیا ہے؟

ج.....اس وقت سعودی عرب اور امارت اسلامیہ کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہیں سعودی عرب میں ہمارا سفارتخانہ موجود ہے مگر فی الحال وہ سفارتخانہ فعال نہیں ہے چونکہ اسامہ کا تعلق سعودی عرب سے ہے۔ سعودی عرب نے اسامہ کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سعودی عرب اسامہ کی شہریت ختم کر چکا ہے اور اب وہ وہاں کا شہری نہیں۔ ہم نے اسامہ کو سعودی عرب کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا' جس پر وہ ہم سے ناراض ہے۔

س ..... امریکہ طالبان کے بارے میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے حوالے سے پراپیگنڈہ کرتا ہے خاص طور پر کہا جاتا ہے کہ افغانستان میں خواتین ۔کے حقوق پامال ہو رہے ہیں' آپ بتائیں افغانستان میں اگر چہ خواتین مکمل پردے میں رہتی ہیں چنانچہ اس پابندی میں رہتے ہوئے انہیں تعلیمی اداروں میں جانے کی اجازت کیوں نہیں؟

ج ..... ہمیں معلوم ہے کہ بعض ممالک ہم پر الزام لگا رہے ہیں کہ افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ اگر انسانی حقوق سے ان کی مراد مساوات مرد و زن اور اپنی تعبیر کے مطابق مغربی کلچر ہے تو وہ ہمارے ہاں ممکن نہیں۔ ہماری معاشرتی اقدار اور ثقافت ان سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں ہم ان کی پوری پاسداری کر رہے ہیں۔ ہماری مشکلات یہ نہیں ہیں ہماری اصل مشکلات اقتصادی ہیں۔ عرصہ دراز سے جاری جنگیں' خشک سالی اور عالمی پابندیوں نے زندگی خاصی کٹھن بنا دی ہے۔ تعلیم تو دور کی بات ہمارے باشندوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی میسر نہیں آ رہیں۔ جس طرح ان کا حق تھا وہ حقوق انہیں نہیں مل رہے۔ پردے کا مطلب یہ نہیں کہ خواتین کی تعلیم ختم ہو گئی ہے' ہم غیر مخلوط تعلیم کے حق میں ہیں' جہاں پردہ تعلیم کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ افغانستان کی خواتین ہماری اپنی بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ امریکہ کو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ ہمارے لئے زیادہ قابلِ احترام ہیں اور ان کی فلاح و بہبود ہماری ذمہ داری ہے۔

Marfat.com

س..... دو روز قبل ہمارے سامنے کابل کے آریانہ چوک میں چار افراد کو سرِ عام پھانسی دی گئی۔ ان پر کیا الزام تھا اور انہیں سزا دینے کے لئے کیا عدالتی عمل طے کیا گیا؟

ج..... یہ لوگ مخالفین کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور افغانستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ کابل اور اس کے گرد و نواح میں بم دھماکے کر چکے تھے اور یہ لوگ امن و امان خراب کرنا چاہتے تھے۔ اس پر اسلامی امارت کی خفیہ ایجنسی استخبارات حرکت میں آئی اور چند دنوں میں ہی لوگوں کے تعاون سے دو افراد کو رنگے ہاتھوں پکڑا' وہ ایک مقام پر بم نصب کر رہے تھے۔ جب ان لوگوں سے تفتیش کی گئی تو نہ صرف ان لوگوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا بلکہ اپنے دیگر ساتھیوں کی بھی نشاندہی کی' ابھی تک ہم سات ملزمان پکڑ چکے ہیں۔ اعتراف جرم اور تمام شواہد کے بعد عدالت نے چار افراد کو سزائے موت سنائی۔ جنہیں طالبان نے پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس فیصلے پر یہ لوگ اس لئے خوش ہیں کہ ایک طرف غربت ان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور دوسری طرف یہ شر پسند عناصر ان کا امن چھیننا چاہتے ہیں۔

س..... دنیا اور اقوام متحدہ تو ایک طرف لیکن اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی نے بھی ابھی تک اسلامی امارت کو تسلیم اور قبول نہیں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج..... او آئی سی کی ایک بات ہے کہ انہوں نے اس تنظیم میں افغانستان کی نشست کو ابھی تک خالی رکھا ہوا ہے اور اس کی نمائندگی کسی کو نہیں دی ہے۔ اگر ہماری حمایت نہیں کی تو عملاً غیر جانبدار رہا ہے' لیکن یقیناً وہ بھی مغرب کے دباؤ سے آزاد نہیں۔ اچھے وقت کے انتظار میں ہے' انشاء اللہ جب جنگ ختم ہو جائے گی تو نہ صرف او آئی سی ہمیں تسلیم کر لے گی بلکہ دیگر ممالک بھی افغانستان کی اسلامی امارت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

س..... آپ کا تعلق طالبان سے ہے۔ آپ ہمیں طالبان کی حقیقت سے آگاہ کریں کہ اس تحریک کا آغاز کیسے ہوا' کہاں سے ہوا اور کن لوگوں نے کیا؟

ج..... میں جزئیات میں نہیں پڑنا چاہتا' لیکن جب روس کے انخلاء کے بعد مجاہدین کو حکومت ملی تو وہ اس قابل بھی نہ تھے کہ ایک بھی ادارہ بنا سکتے۔ آپ کابل کے دورے کے دوران یہاں کی تباہی خود دیکھ چکے ہیں' یہ تباہی روس کی بمباری کی وجہ سے نہیں بلکہ خود مجاہد تنظیموں کے صدر پروفیسر برہان الدین ربانی اور وزیراعظم انجینئر گلبدین حکمت یار کے درمیان جنگ کی وجہ

Marfat.com

سے کابل کی یہ حالت ہوئی ہے۔ افغان قوم نے چار سال تک انتظار کیا' ان لوگوں نے جہاد کا وقار بھی خراب کر دیا۔ امن وامان پامال رہا اور افراتفری وانتشار عروج پر پہنچ گیا تھا۔ دن ہو یا رات لوگوں کا مال لوٹ لیا جاتا۔ قتل وغارت عام تھی۔ خواتین کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ ان حالات میں ہر طبقہء زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ روس کے بعد اب کسی نجات دہندہ کے انتظار میں تھے' جس کے بعد کسی تحریک کا اٹھنا لازم تھا۔ صوبہ قندھار کے ضلع میوند سے ملا محمد عمر نے جو افغان جہاد کے دوران مولوی نبی محمدی کی حرکتِ انقلاب اسلامی سے وابستہ تھے اور جہاد کے بعد انہوں نے اپنے گروپ کو مدرسے میں تبدیل کر دیا تھا' اس مدرسے سے تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک آہستہ آہستہ عوام کی حمایت سے بڑھتی گئی اور کئی کمانڈروں نے اپنے آپ کو اسلحہ سمیت ملا عمر کے سامنے پیش کر دیا۔ جس سے ضلع میوند کے بعد پہلی کامیابی اس وقت ہوئی جب ڈنڈ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا گیا اور تیسرے قدم کے طور پر سرحدی علاقہ بولاک بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔ جس کے بعد افغانی مدرسوں میں پڑھنے والے طلباء بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے اور بالآخر قندھار جیسے اہم صوبے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگوں کے تعاون سے یہ تحریک بڑھتی رہی۔ طالبان کا طریقہ یہ تھا کہ یہ جہاں پہنچے' پہلے وہاں کے جرگے اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے اور ان سے اسلحہ اکٹھا کرتے جس سے بدنظمی ختم ہو گئی۔

س ..... روس کے خلاف جہاد میں افغانستان کی تمام تنظیمیں متحد تھیں لیکن روس کے جانے کے بعد ان کے درمیان اتفاق ختم ہو گیا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جیسا کہ ہمیں کابل میں لوگوں سے معلوم ہوا کہ کابل کی اتنی تباہی روس کے دور میں نہیں ہوئی جتنی مجاہدین کی آپس میں لڑائی کے دوران ہوئی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ جب طالبان شمالی اتحاد کے خلاف مکمل کامیابی حاصل کر لیں گے تو اس چیز کی کیا ضمانت ہے کہ وہ اختیار کے حصول کے لئے آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔ جیسے کہ افغانستان کی تنظیموں کی روایت رہی ہے؟

ج ..... اس میں ایک بڑا فرق موجود ہے۔ جہاد کے وقت میں صرف اہلسنت مجاہدین کی سات تنظیمیں پشاور میں اور ایک ایران میں موجود تھی۔ ان آٹھ تنظیموں کی بڑی مشکل یہ تھی کہ ان کا کوئی شرعی امیر نہیں تھا جن کی سب بیعت کرتے۔ افغانستان کی ایک کرسی تھی اس کے امیدوار آٹھ رہنما تھے۔ اس لئے ان کا آپس میں اتفاق نہیں ہو سکا۔ اسلامی امارت کی خوبی یہی ہے کہ اس

Marfat.com

کا ایک شرعی امیر موجود ہے اور اس تحریک میں شامل تمام لوگوں نے شریعت اور روایت کے مطابق اس امیر کی بیعت کر رکھی ہے اور اس کے ہر حکم کی پابندی کا عہد کیا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے اسلامی امارت کو اس وقت کی تنظیموں سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

س..... کیا مستقبل میں روس کے خلاف جہاد کرنے والی تنظیموں اور طالبان کی مشترکہ قومی حکومت کے قیام کا کوئی امکان موجود ہے؟

ج..... یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے کیونکہ اسلامی امارت کے سارے کمانڈر حتی کہ ملا عمر صاحب خود جہاد میں حصہ لے چکے ہیں اور امارت کی تمام فوج میں بھی وہی لوگ شامل ہیں جو افغان جہاد میں شریک رہے تھے۔ یہ نئے لوگوں کی کوئی تحریک نہیں ہے۔ وہی جہادی لوگ ہیں' اس لئے طالبان ہی اسلامی امارت کی قومی حکومت ہیں۔ اس میں ان تنظیموں کی کوئی گنجائش نہیں جنہوں نے افغانستان کو اس حال تک پہنچایا۔

س..... آپ بتائیں کہ افغانستان پر مکمل قبضے کے بعد آپ کوئی عوامی ووٹوں کے ذریعے منتخب حکومت لائیں گے یا اسی امارت کو قائم رکھیں گے؟

ج..... دنیا میں تین قسم کی حکومتیں کام کر رہی ہیں۔ ایک بادشاہت' دوسری جمہوریت اور تیسری امارت' ان تینوں میں فرق موجود ہے۔ جمہوریت میں لوگوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا' جبکہ بادشاہت میں ایک شخص مطلق العنان ہوتا ہے اور امارت میں اہل عقد ایک امیر کی بیعت کرتے ہیں اور اس کے احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔ تمام امور مملکت شوریٰ انجام دیتی ہے۔

س..... اس وقت ملا عمر صاحب اسلامی امارت کے امیر المومنین ہیں۔ ان کی وفات کے بعد نئے امیر کے انتخاب کا کیا طریقہ ہوگا جبکہ الیکشن کا طریقہ موجود نہیں؟

ج..... اس کے دو طریقے ہیں یا تو شوریٰ کوئی فیصلہ کرے اور تقویٰ کے لحاظ سے جسے موزوں سمجھے اس کو امیر بنا دیا جائے یا امیر المومنین اپنے انتقال سے قبل کسی کے بارے میں وصیت کر دے۔ یہی شرعی نظام ہے' جبکہ جمہوریت میں مشکل یہ ہے کہ ہر شخص کی رائے برابر ہے۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ ایک اچھی بصیرت رکھنے والے اور کم عقل شخص میں کچھ فرق ہونا چاہیے۔

س..... افغانستان کو عالمی سطح پر جو مسائل اور رکاوٹیں درپیش ہیں' اس کے لئے آپ اقوامِ عالم کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

Marfat.com

ج.....افغانستان ایک جنگ زدہ ملک ہے' جو ملک عالمی استعماریت کا شکار رہا ہو جہاں کی زراعت' تعلیم' کلچر' حتیٰ کہ تمام ادارے تباہ ہو چکے ہوں ایسی قوم پر پابندیاں لگانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ انسانی حقوق کی سخت خلاف ورزی ہے' اقوامِ عالم اس ناانصافی کو دیکھیں ہماری تکلیف کا احساس کریں۔ دنیا افغانستان کی مشکلات سے آنکھیں بند نہ کرے۔ جو ملک اپنے آپ کو اصولوں کا علمبردار کہلاتے ہیں وہ اس پر توجہ دیں۔ افغانستان کے مسئلہ کو سیاسی مسئلہ نہ بنائیں۔ افغانستان شروع دن سے ہی اسلامی امارت ہے۔ 95 فیصد افغانستان پر طالبان کا مکمل کنٹرول ہے۔ تمام سرحدیں' بین الاقوامی اڈے' بڑے شہر طالبان کے کنٹرول میں ہیں۔ طالبان نے پورے افغانستان میں قانون اصول اور انصاف کو زندہ کیا ہے۔ امن وامان کا ماحول پیدا کر کے لوگوں کو سکون مہیا کیا ہے۔ ان حالات میں دنیا کو چاہیے کہ طالبان سے روابط رکھیں۔ اقوام متحدہ کو بھی چاہیے کہ اسلامی قانون سے ٹکر لینے کے بجائے انصاف سے کام لے۔ اقوامِ متحدہ کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تسلیم نہ کرے اسلامی امارت نے پوری دنیا اور اقوامِ متحدہ پر ثابت کیا ہے کہ ہم ان کے اصولوں پر پورا اترتے ہیں اس لئے ہمیں تسلیم کیا جائے۔ ہمارے نائب وزیرِ خارجہ مولی عبدالرحمٰن کی قیادت میں ایک وفد عالمی دورے پر گیا ہے ہم دنیا تک اپنی آواز پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں اگر عالمی طاقتیں افغانستان کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ اصولوں کا احترام کرتے ہیں۔ اگر وہ اصولوں کو نہیں دیکھیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ اقوام متحدہ خود اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ افغانستان کی اسلامی حکومت کو تسلیم نہ کرنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ بڑھیں گے۔ اقوام متحدہ پابندیوں کے لئے جو بہانے تلاش کر رہا ہے ان بہانوں کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ امریکہ افغانستان پر پابندیوں کے ذریعے سیاسی اہداف حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کی تمام ناانصافیوں کے باوجود ہم ہر وقت اور ہر مسئلہ پر مذاکرات کے لئے تیار ہیں۔ امریکہ ہم سے مذاکرات کر کے اپنے خدشات دور کر لے۔ اس وقت افغانستان میں مکمل امن قائم ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہمارے تعلیمی مراکز بھی جنگی مراکز بن چکے تھے۔ ایسا موقع بھی آیا کہ وزیرِ اعظم اور صدرِ مملکت آپس میں لڑ رہے تھے۔ اب تو افغانستان کی تعمیر کے لئے کام ہو رہا ہے۔ امن واخوت کا ماحول پیدا ہو چکا ہے' عورتوں کو حقوق اور وقار اسلامی حکومت کے آنے کی وجہ سے زیادہ مل رہے ہیں خواتین کی جہاں ضرورت ہے وہ وہاں

Marfat.com

ہی کام کر رہی ہیں۔ محکمہ صحت میں افغان خواتین کام کر رہی ہیں۔ انشاءاللہ افغانستان جلد ہی ایک مضبوط اور مستحکم اسلامی ریاست کے طور پر ابھر کر سامنے آئے گا۔

Marfat.com

# کس نے کس کو قتل کرایا؟

حبیب مینگل بدخشاں میں طالبان کے نمائندے کی حیثیت سے اہم خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے ان دنوں ہمیں جو کہانی سنائی تھی وہ ان کی زبانی پیش کی جارہی ہے تا کہ یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ احمد شاہ مسعود کی اپنے علاقوں میں کن کن سے دشمنی چل رہی تھی۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ بظاہر بدخشاں پر احمد شاہ مسعود کے کنٹرول کا تاثر دیا جاتا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ نجم الدین کے قتل کے بعد صوبہ بدخشاں کا نمائندہ برہان الدین ربانی کو سمجھا جاتا ہے مگر عملاً وہاں پر ان کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ وہاں کی اصل قوت سید آغا سردار کے پاس ہے جو نجم الدین کا رشتہ دار ہے۔ بدخشاں اس وقت افغانستان کا واحد صوبہ ہے جو مکمل طور پر شمالی اتحاد کے زیرِ قبضہ ہے۔ فیض آباد، بارک اور جرم بدخشاں کے اہم علاقے ہیں۔ یہ صوبہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے رقبہ سے بھی بڑا ہے اور اس کی سرحد پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے ساتھ ملتی ہے۔ چترال، خجراب ٹاپ اور گلگت کے نزدیک بروغیل کے راستے بدخشاں میں داخل ہوا جا سکتا ہے اور یہ راستے آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ نجم الدین بدخشاں کا بہت ہی مقبول سردار تھا۔ اگرچہ احمد شاہ مسعود کے ساتھ اس کے بہت اچھے تعلقات تھے مگر احمد شاہ مسعود اس کی مقبولیت اور طاقت سے خائف تھا۔ نجم الدین کے پاس 75 ہزار افراد پر مشتمل مسلح فورس تھی۔ اس کے علاوہ ٹینک، میزائل اور جدید اسلحہ کے ذخائر بھی موجود تھے۔ طالبان کے ذرائع نے ہمیں بتایا کہ احمد شاہ

Marfat.com

مسعود نے بڑی منصوبہ بندی کے بعد نجم الدین کو قتل کرادیا۔ انکشاف کیا گیا کہ انہیں سیاف کے کمانڈر خلیل کے ہاتھوں قتل کرایا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ 1999ء میں 27 شعبان کو نجم الدین کو قتل کیا گیا اور قتل کے فوراً بعد لوگوں نے اعلان کیا کہ اے احمد شاہ مسعود نے قتل کرایا ہے اور اگر مسعود اس کے جنازے میں آیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بدخشاں کی ایک اور اہم شخصیت مولوی خیرات مند کے قتل کا ذمہ دار بھی مسعود کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ مولی خیرات مند گلبدین کا کمانڈر تھا' بعد میں فیض آباد کا گورنر مقرر ہوا۔ افغانستان کے دورے کے دوران معلوم ہوا کہ بدخشاں صوبے کے عوام طالبان کی راہ دیکھ رہے ہیں جبکہ شمالی اتحاد کے درجنوں کمانڈر طالبان میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ سامنے آئی کہ احمد شاہ مسعود اور برہان الدین ربانی اپنے ہی کمانڈروں کو قتل کرادیتے ہیں جس سے ان کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ نجم الدین اور خیرات کے علاوہ بھی کئی کمانڈروں کو ربانی اور مسعود نے قتل کرایا ہے۔ ان میں ایک نام کمانڈر بدر کا ہے۔ بدخشاں کے اہم ذرائع نے بتاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ کمانڈر بدر کو ربانی نے قتل کرایا ہے اس کا قتل تقریباً آٹھ ماہ قبل ہوا۔ بتایا گیا ہے کہ کمانڈر بدر کا اپنے ایک حریف کمانڈر سے جھگڑا چل رہا تھا۔ اگرچہ دونوں کمانڈر ربانی گروپ کے تھے مگر ربانی کی ہمدردیاں بدر کے حریف گروپ کے ساتھ تھیں۔ ربانی نے آٹھ ماہ قبل دونوں کمانڈروں کے درمیان صلح کرائی اور ظہر کی نماز کے وقت جب بدر مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا' اسے ایک مسلح شخص کے ذریعے قتل کرادیا گیا۔ وہاں کے تمام مقامی گروہوں نے اس کا الزام ربانی پر لگایا ہے۔ کمانڈر پرن گل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اسے احمد شاہ مسعود نے کئی مرتبہ قتل کرانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ چھ ماہ قبل پرن گل کے محافظوں نے مسعود کے چالیس افراد کو گھیرے میں لے کر گرفتار کر لیا۔ جب انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ احمد شاہ مسعود کے کہنے پر پرن گل کو قتل کرنے آئے تھے تو اس کے بعد پرن گل کے علاقہ میں احمد شاہ مسعود کے علاقہ کے جتنے بھی پنجشیری موجود تھے انہیں علاقہ بدر کر دیا گیا' ان واقعات کے بعد احمد شاہ مسعود کے خلاف پورے بدخشاں میں نفرت بڑھ گئی۔ اس طرح حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ اگرچہ بدخشاں صوبے پر شمالی اتحاد کے نمائندوں کا ہی کنٹرول ہے مگر کمانڈروں کے آپس کے جھگڑوں اور قتل و غارت سے پیدا ہونے والی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آغا خانیوں نے اس صوبے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا دیا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت

Marfat.com

صوبہ کا اصل سردار' سید آغا سردار ہے جو سابق سردار نجم الدین کا ہی رشتہ دار ہے مگر اسے پرنس کریم آغا خان کی مکمل تائید اور حمایت حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ بدخشاں صوبے میں 45 فیصد آغا خانی ہیں پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں این جی او آغا خان فاؤنڈیشن کی سرپرستی میں اب کئی این جی اوز بدخشاں میں کام کر رہی ہیں۔ سید آغا کو جن دو شخصیات کے ذریعے پرنس آغا خان کی امداد مل رہی ہے ان کے نام شاہ زیبق اور شاہ پنجاہ ہیں بدخشاں صوبے کے عوام معاشی طور پر بہت کمزور ہیں۔ متمول لوگ کپڑے کے کاروبار سے وابستہ ہیں جبکہ بدخشاں میں ہیرے جواہرات کی پیداوار پر وہاں کے سرداروں کا کنٹرول ہے۔ پاکستان کے علاقہ چترال سے بڑی مقدار میں کپڑا بدخشاں جاتا ہے۔ بدخشاں کے دروازڈسٹرکٹ کی حالت یہ ہے کہ وہاں کوئی سڑک نہیں جاتی۔ وہاں آنے جانے کے لئے صرف گھوڑوں کا سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ وہاں کی فصل صرف کالا جو ہے۔ وہ بہت ہی سرد علاقہ ہے۔ وہاں کے دریا سے خام سونا نکلتا ہے جبکہ پہاڑوں میں قیمتی پتھر بیروج۔ یاقوت۔ نیلم وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ لاجورد پتھر کی تمام پیداوار پر سردار آغا کا کنٹرول ہے۔ وہاں کے بارے میں یہ دلچسپ معلومات بھی حاصل ہوئی ہیں کہ ڈسٹرکٹ اسکورز کے علاقہ درہ انگان کی تقریباً 40 ہزار آبادی میں کوئی عورت موجود نہیں کیونکہ وہاں پر صرف دری (فارسی) زبان بولی جاتی ہے۔ وہاں کے علاقہ زیباک کو سب سے خوبصورت علاقہ قرار دیا جاتا ہے جس کے ساتھ ساتھ دریائے پنج گزرتا ہے۔ تاجکستان' ازبکستان' قازقستان اور ترکمانستان تک کے علاقوں سے گزرتا ہے۔ صوبہ بدخشاں میں تعلیم کی شرح بہت کم اور غربت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ وہاں کے ایک علاقہ پامیر کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ علاقہ دنیا سے اتنا بے خبر ہے کہ وہاں کے لوگوں کو صحیح طور سے آج بھی علم نہیں کہ افغانستان میں گزشتہ بیس سال سے خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ اگرچہ اب بدخشاں صوبہ میں آغا خانیوں کے ذریعے ملکی اثر ورسوخ بڑھ رہا ہے اور اسی صوبہ کے ذریعے طالبان کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جا رہی ہے لیکن اب طالبان نے کنڑ' لغمان' کاپسیا اور بغلان کے راستے بدخشاں کی طرف پیشقدمی شروع کر دی ہے اور بدخشاں کی سرحد پر اپنی فوجیں لگا دی ہیں۔

Marfat.com

# احمد شاہ مسعود کی پراسرار سرگرمیاں

طالبان کو جنگی محاذ پر جس بڑے کمانڈر کا سامنا تھا' اس کا نام احمد شاہ مسعود ہے طالبان کو مزید پیش قدمی سے روکنے اور جنوبی ایشیا میں اسلامی انقلاب کا زور توڑنے کے لئے اسے طالبان مخالف تمام قوتوں کی امداد حاصل تھی۔ یہ احمد شاہ مسعود کون تھا؟ اینٹی اسلامک قوتوں کا آلہ کار بننے پر کیوں تیار ہوا' مختلف ذرائع سے ان کے بارے میں جو معلومات سامنے آتی گئیں انہیں یہاں قلمبند کیا جا رہا ہے۔ احمد شاہ مسعود کا خاندان تاجکستان سے پار دریا خان سے بہت پہلے افغانستان کی وادی پنجشیر آیا' اور پنج شیر کے مقام' بازرک میں مقیم ہوا۔ گھرانے کے بیشمار افراد افغانستان کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ان کے والد دوست محمد خان بھی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ ان کا گھرانہ شریفانہ اور اعلیٰ اخلاقی صفات کا مالک تھا' وادی پنج شیر میں مقامی قبائل کے درمیان رنجشوں اور وہاں اپنے قبیلے کے افراد کی غیر موجودگی کی بنا پر ان کی زندگی کا اکثر وقت کابل شہر میں گزرا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں جب یونیورسٹی اور کالجوں میں سردار محمد داؤد کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا تو مسعود ایک ''اخوانی'' ہونے کی شہرت کے ناطے افغانستان کے سابق سربراہ سردار محمد داؤد کے خوف سے اپنے چند دیگر اخوانی طالب علم دوستوں کے ہمراہ پاکستان فرار ہوا۔ پاکستان میں اپنے قیام کے دوران مسعود نے ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں صوبہ سرحد میں پشاور کے نزدیک ''چراٹ'' کے مقام پر فوجی گوریلا تربیت حاصل کی اور گولہ

Marfat.com

بارود، پلوں اور عمارتوں کو دھماکے سے اڑانے کا خصوصی کورس مکمل کیا۔ یہ کورس مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے چند دوسرے دوستوں کے ہمراہ افغانستان واپس آ گیا اور وہاں اس نے سردار داؤد کے خلاف خفیہ گوریلا کارروائیاں شروع کیں، لیکن سردار محمد داؤد کی مضبوط گرفت کی بنا پر ان لوگوں کے لئے زیادہ عرصہ اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ حکومت کی زبردست حکمت عملی کے نتیجے میں کابل میں ان کو شکست تسلیم کرتے ہوئے ایک بار پھر ملک سے فرار کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ وہ پاکستان واپس آیا اور یہاں چند دن گزارنے کے بعد مصر چلا گیا۔ وہاں تقریباً اڑھائی سال تک مقیم رہ کر ''اخوان المسلمین'' کے ذریعے مختلف عسکری امور میں مہارت حاصل کی۔ یہاں سے وہ فلسطین گیا اور فلسطینیوں کے ساتھ بھی اسرائیل کے خلاف کئی آپریشنوں میں حصہ لیا۔ 1978ء میں پاکستان واپسی ہوئی اور ربانی کی جمعیت اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی۔ بعدازاں وہ پنجشیر پہنچا اور وہاں سے ربانی کی جمعیت اسلامی کے ایک کمانڈر کی حیثیت سے شہرت پائی۔

احمد شاہ مسعود کو نوجوانی میں مذہبی شعائر اور معاملات کا بہت پاس ہوا کرتا تھا، نماز وغیرہ بھی پابندی سے ادا کرتا لیکن مجاہدین کے عروج کے زمانے میں جب نجیب کی حکومت محض کابل اور ایک آدھ ضلع تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، مسعود نے پنجشیر کی پہاڑیوں میں دریافت ہونے والے قیمتی پتھروں، یاقوت، زمرد، فیروزہ اور دیگر قیمتی پتھروں کی فروخت کے سلسلے میں فرانس میں کاروباری حوالے سے رابطے بڑھائے اور اپنے بھائی احمد ولی مسعود کو فرانس بھیج دیا اور بعد میں خود بھی کئی بار فرانس گئے۔ فرانس جانے اور برطانیہ کے بااثر شخصیات سے تعلقات اور رابطوں کے بعد مسعود کی ذاتی زندگی میں کئی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اس طرح مسعود کی ذاتی زندگی کے حوالے سے اور اس کے بعض خفیہ معاہدوں کے متعلق عالمی ذرائع ابلاغ میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ بعض ذرائع تو یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں اور اس کا ذکر پشتو میں شائع ہونے والی کتاب ''کیا مسعود کو جانتے ہو؟'' میں بھی تفصیل سے ہے کہ مسعود اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ شراب بھی پیتا تھا اور فرانس میں کچھ عرصہ اپنے قیام کے دوران اس کے فرانسیسی حسیناؤں کے ساتھ تعلقات بھی رہے ہیں۔ ان واقعات سے احمد شاہ مسعود کے بارے میں قائم عام تصورات سے ایک بالکل ہٹ کر تصویر سامنے آتی ہے اور قاری کو دھچکا سا لگتا ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر فرانسیسی لڑکیوں کے

Marfat.com

لئے پنجشیر کے ہیرو کے ساتھ تعلقات کسی اعزاز سے کم نہیں تھے۔اس طرح یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ ایک فرانسیسی لڑکی نے مسعود کے ساتھ اپنے تعلقات کے قصے کتابی شکل میں شائع کئے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ مسعود سے اس کی ایک لڑکی بھی ہے جو اپنے پردیسی والد کو بہت یاد کرتی ہے۔ جب افغانستان میں مجاہدین نے روسی افواج کی افغانستان میں مداخلت کے خلاف اور کمیونسٹ حکومت کے خاتمے کی خاطر جہاد شروع کیا تو ان حالات میں اچانک احمد شاہ مسعود کا نام دنیا نے پہلی بار سنا اور بغیر کسی بڑے کارنامے اور عام افغانوں میں عدم شہرت کے باوجود ان کے فرضی کارناموں کی کہانیاں اور پھر چند دنوں میں اس کی رنگین تصویریں پاکستان اور افغانستان میں جگہ جگہ نظر آنے لگیں۔تعجب کی بات تھی کہ احمد شاہ مسعود کو شہرت دلانے والی اس مخفی قوت کا سراغ کسی نے نہیں لگایا۔افغان جہاد کے ابتدائی چند برسوں میں اسے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔کسی نے اسے شیر پنجشیر اور کسی نے عقاب پنجشیر کے القاب سے نوازا۔بی بی سی نے بطورِ خاص اس کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جبکہ اس دوران میں افغانستان کے اندر روسی افواج اور کمیونسٹ حکومت کے خلاف برسرِ پیکار بڑی بڑی تنظیموں اور لیڈروں کو ذرائع ابلاغ نے یکسر نظر انداز کر دیا۔اس طرح دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ مجاہدین کے اصل ہیرو احمد شاہ مسعود ہیں۔اس پراپیگنڈے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی اور غیر اسلامی ملک جو بھی کمیونزم کے خلاف مجاہدین کو امداد دے رہے تھے۔احمد شاہ مسعود ان کی توجہ کا مرکز بن گیا اور غیر ملکی امداد کا بڑا حصہ اسے ملنے لگا۔احمد شاہ مسعود کے قریبی دوست بتاتے ہیں کہ اس کا مقصد واضح تھا کہ افغانستان پر بعض بااثر شخصیات نے حکمرانی کے جو منصوبے بنائے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تو احمد شاہ مسعود کے نام پر شمالی افغانستان کی علیحدگی کا کارڈ استعمال کیا جائے گا اور ایک بار جب معدنیات اور قدرتی وسائل سے مالا مال افغانستان کا یہ حصہ قابو میں آ گیا تو باقی ماندہ علاقہ معاشی مشکلات کے ہاتھوں زچ ہو کر خود بخود اس کے ساتھ آ ملے گا اور یوں انہیں افغان مسلمانوں کو محکوم بنانے کا سنہری موقع ہاتھ آ جائے گا۔

افغانستان کے سابق چیف آف آرمی سٹاف اور احمد شاہ مسعود کے ساتھ ''بارک'' میں شب و روز گزارنے والے جنرل رحمت اللہ صافی کے انکشافات پر مبنی پشتو زبان میں شائع ہونے والی کتاب ''مسعود کو جانتے ہو'' میں بتایا گیا ہے کہ احمد شاہ مسعود کا روسیوں کے ساتھ پہلا باضابطہ

Marfat.com

رابطہ 1982ء میں جون کے مہینے میں ہوا' بعدازاں باقاعدہ سمجھوتے پر دستخط کے لئے فروری 83ء میں اہم ملاقات ہوئی۔ ان ملاقاتوں میں مسعود نے روسیوں سے ان امور پر تعاون اور رابطے کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

1۔ روسیوں کے ساتھ آمنے سامنے مذاکرات جن میں اس وقت کے افغان صدر ببرک کارمل کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

2۔ اپنے دشمنوں سے جنگ کے وقت روسیوں کی جانب سے اس کی فوجی مدد اور تعاون۔

3۔ شمالی تاجک والے علاقوں کو کابل سے مکمل خودمختاری دینے کا وعدہ۔

ان ملاقاتوں اور سمجھوتے کے بعد روس کی خفیہ ایجنسی کے سربراہ ''جنرل کلیسنو ویچ'' کے ساتھ ان کی تفصیلی ملاقات ہوئی جس کے بارے میں جنرل کلیسنو ویچ کا کہنا ہے کہ بعد میں مسعود ایک رات تاریکی میں مجھ سے ملنے آیا اور اس ملاقات میں ایک تحریری معاہدہ پر ہم نے دستخط کئے۔ اس معاہدہ کی رو سے طے پایا کہ مسعود کابل حکومت اور روسی افواج کے کنوائے پر حملہ نہیں کرے گا۔ مزید برآں مسعود کی اپنے مخالفین کے ساتھ ممکنہ جنگ کی صورت میں روسی ہوائی جیٹ طیارے مسعود کے مخالفین پر فضائی حملے کریں گے اور کہا جاتا ہے کہ روس کی حکومت نے اپنے اس خفیہ جنرل کو مجاہدین کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کا جو مشن دیا تھا اس خفیہ مشن کا نام ''شاملون'' رکھا گیا تھا اور اس مشن میں بھرپور تعاون کے صلے میں معاہدہ کے تحت احمد شاہ مسعود کو ابتدائی طور پر تین سو پچاس ہزار امریکی ڈالر دیئے گئے۔

کابل کی کٹھ پتلی حکومت کی مضبوطی کے لئے احمد شاہ مسعود کے ساتھ کامیاب مذاکرات روس کے لئے حقیقتاً اپنے پاؤں جمانے کا پہلا مرحلہ تھا۔ احمد شاہ مسعود سے کامیاب رابطوں کے بعد روسیوں کو افغانستان میں اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا اور ماسکو کے بعض اخبارات نے اپنے اداریوں میں اس امر کی پیش گوئی کرنا شروع کر دی کہ افغانستان پر پنجے گاڑھنے کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں تقریباً دور ہونے والی ہیں اور یہ بات عام ہوگئی ہے کہ عنقریب کابل کی حکومت اور احمد شاہ مسعود کے درمیان مفاہمت ہو جائیگی اور مسعود کابل حکومت کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔ لیکن مسعود کابل حکومت کے ساتھ براہِ راست رابطہ کرنے سے متذبذب تھا کیونکہ کابل حکومت میں افغانستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے اور احمد شاہ مسعود ان افراد کو

Marfat.com

اپنے بعض عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس لئے کابل حکومت سے براہِ راست رابطہ یا مفاہمت کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے وہ روسیوں سے رابطہ کو ترجیح دے رہا تھا اور وہ آخر تک اپنی اس پالیسی پر گامزن رہا۔

روسی فوج کے ایک جنرل' جنرل گروموف نے اپنی کتاب ''سرخ لشکر'' میں مسعود سے روسیوں کے تعلقات اور بعض معاملات میں فوجی و مالی تعاون کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روسیوں کے احمد شاہ مسعود کے ساتھ باہمی تعلقات بڑی مضبوط بنیادوں پر استوار تھے اور یہ روسیوں کے افغانستان سے انخلاء تک برقرار رہے۔ 1982ء میں روسی افواج کی ''چالیس بٹالین'' کے جرنیلوں اور مسعود کے درمیان طے پایا کہ جنوبی سالانگ کی طرف سے مسعود کسی مجاہد گروپ کو اس کا موقع نہیں دے گا' کہ وہ اس راستے سے گزرنے والے روسی فوجی قافلوں پر حملہ کر دیں گے۔ اس معاہدہ کی رو سے مسعود کو بھاری بھر کم رقم ادا کی گئی۔ روس کے ساتھ خفیہ حوالے سے اس قدر خوشگوار تعلقات کی بنا پر بھارت کے خفیہ ادارے نے کے جی بی سے بارہا یہ اپیل کی کہ روس اور احمد شاہ مسعود کو اس بات پر مجبور کر دے کہ وہ کابل حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے مجاہدین کے خلاف مشترکہ جدوجہد شروع کرے۔ بھارت کی اس کوشش اور کسی حد تک روس کے دباؤ کا نتیجہ تھا کہ پہلی بار مسعود نے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر کابل حکومت کے خفیہ ادارے ''خاد'' کے ساتھ رابطہ کیا اور اپنے قریبی قیدی ساتھیوں کی رہائی کو باضابطہ تعلقات کے لئے اولین شرط قرار دیا۔ اس سلسلے میں کتنی پیش رفت ہوئی' یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو سکی بلکہ ایسے تمام امور کو خفیہ اداروں کے حوالے کر دیا گیا۔

روس کے ساتھ مسعود کے بہتر تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسٹر ''کلیسنو وچ'' نے اپنے محافظ دستے کے بغیر مسعود کے ساتھ طویل ملاقات کی اور جس قبائلی شخصیت نے ان دونوں کے درمیان ملاقات کے اہتمام کی ذمہ داری لی تھی' اسے چھ ٹرک گندم' چاول' کپڑے اور کچھ دیگر سامان دیا گیا۔ اس باضابطہ ملاقات کے بعد روسیوں کے لئے پنجشیر جانے اور احمد شاہ مسعود کے لئے ماسکو جانے کی راہ کھل گئی۔ اس طرح روسیوں نے کئی بار پنجشیر کا خفیہ دورہ کیا اور مسعود نے متواتر کئی بار خفیہ دورہ ماسکو کیا۔ اس نے دورہ ماسکو کے موقع پر وہاں ایک بار ''جنرل ویرنیکوف'' کی سالگرہ کی ایک فوجی تقریب میں بھی شرکت کی اور یہاں اسے یادگار کے

Marfat.com

طور پر تمغہ بھی دیا گیا اور یہیں سے روس اور احمد شاہ مسعود کے باہمی تعلقات کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ نومبر 1986ء میں تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسعود کے بعض بڑے کمانڈر روسی فوجی چھاؤنی جاتے اور انہیں تحفہ کے طور پر منشیات فراہم کرتے اور ایک دوسرے کو کھانے کی دعوتیں دی جاتیں۔ ان ہی دنوں جب باہمی دلچسپی کے تعلقات قدرے پر اعتماد ہوئے تو مسعود نے روس کا ایک خفیہ دورہ کیا اور ڈیڑھ ماہ تک ماسکو کی ''لینن اکیڈمی'' کے ایک کورس میں مشغول رہا۔ جہاں اس نے جنگی فنون اور لینن کے فلسفے کا مطالعہ کیا۔ واپسی پر اس نے روسیوں کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اپنے علاقے پنجشیر اور زیرِ کنٹرول مضافات میں کسی مجاہد گروپ کو اس کی اجازت نہیں دے گا کہ وہ ان علاقوں سے شمال کے دیگر مقامات کی طرف جانے والے روسی فوجوں کے کنوائے پر حملہ کرے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ربانی پاکستان میں رہ کر وہاں سے مجاہد تنظیموں اور پاکستانی حکومت کی افغان پالیسی کے حوالہ سے اس کے کردار کے بارے رپورٹیں پنجشیر میں مسعود کو دیں گے اور مسعود وہاں سے یہ رپورٹیں روسیوں کو ارسال کر دیا کرے گا۔ اس سمجھوتے پر بڑی حد تک عملدرآمد بھی ہوتا رہا اور ربانی کی جمعیت اسلامی سے متعلق کچھ افراد پشاور سے اس فریضہ کو نبھاتے رہے۔ روسیوں کے افغانستان سے انخلاء کے وقت مسعود کے ساتھ ملاقات کے دوران یہ طے پایا کہ احمد شاہ مسعود خفیہ طور پر کابل میں نجیب حکومت کے ساتھ ایک معاہدہ کرے۔ اس طرح اس معاہدہ کی رو سے مسعود کے لئے کابل کی بڑی شاہراہ کو کابل حکومت کی فوجوں کے لئے محفوظ بنانا لازم ہوگا اور مسعود اس شاہراہ پر کسی دوسرے مجاہد گروپ کو سرگرمیوں سے باز رکھے گا۔ اس معاہدہ پر فوری عملدرآمد کے وعدہ کے ساتھ روسیوں نے مسعود کو تین لاکھ پچاس ہزار ڈالر دیئے۔ اس معاہدہ پر عملدرآمد کی وجہ سے صوبہ پروان میں مجاہد تنظیموں کی تمام تر جہادی سرگرمیاں رک گئیں اور وقتی طور پر انہیں یہاں مزید کام کرنے کے مواقع میسر نہ رہے۔

ایک عرصہ بعد مسعود اور روسی جرنیلوں سنگروف، جنرل ولنتین، نیگوف اور ببرک کارمل کے درمیان ایک خفیہ ملاقات میں مسعود کی اس اپیل پر اتفاق رائے کے بعد کہ ان کے درمیان مذاکرات میں کابل حکومت کو براہِ راست شامل نہ کیا جائے۔ یہ طے ہوا کہ مسعود افغانستان میں لسانی حوالہ سے مجاہد تنظیموں کے درمیان ایسے حالات پیدا کریں گے کہ ملک میں تقسیم کے لئے فضا ہموار ہو جائے۔ اس معاہدہ پر عملدرآمد کے لئے روسیوں نے مسعود کو کئی ہزار ڈالر دیئے۔

Marfat.com

فرانس سے گہرے تعلقات کے باعث احمد شاہ مسعود آہستہ آہستہ فرانس کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے آلہ کار بنتے چلے گئے۔ ان ایجنسیوں کے موساد اور سی آئی اے سے بعض مشترکہ منصوبے بھی چل رہے تھے۔ بعض ذرائع کے مطابق احمد شاہ مسعود انٹیلی جنس ایجنسیوں کی اس ٹرائیکا کی بھینٹ چڑھ گئے۔

Marfat.com

# طالبان کے ساتھ محاذ جنگ پر

طالبان کی جنگی صورتحال اور عسکری قوت کے بارے میں مزید معلومات سے پہلے افغانستان پر طالبان اور شمالی اتحاد کے زیرِ قبضہ علاقوں کی صحیح صورتحال واضح کرنا ضروری ہے۔ ہم نے دورہ افغانستان کے دوران افغانستان کے سرکاری نقشے سے جو معلومات حاصل کی گئیں' اس کے مطابق افغانستان کو 30 صوبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کی تفصیل ذیل ہے۔

1 کندھار۔ 2 ہلمند۔ 3 نیمروز۔ 4 فراہ۔ 5 ہرات۔ 6 بادغیس۔ 7 فاریاب۔ 8 جوزجان۔ 9 بلخ۔ 10 سمنگان۔ 11 کندز۔ 12 تخار۔ 13 بدخشاں۔ 14 کنرھا۔ 15 ننگرھار۔ 16 پکتیا (خوست)۔ 17 زابل۔ 18 بغلان۔ 19 کاپسیا۔ 20 لغمان۔ 21 پروان۔ 22 کابل۔ 23 لوگر۔ 24 میدان وردگ۔ 25 بامیان۔ 26 سرپل۔ 27 غزنی۔ 28 ارزگان۔ 29 غور۔ 30 پکتیکا۔

شمالی اتحاد جس کے بارے میں امریکہ اور دوسری طالبان مخالف قوتوں کا مطالبہ ہے کہ طالبان انہیں قومی حکومت میں شامل کریں' اس وقت 30 صوبوں میں ان کے پاس کتنا حصہ ہے۔ اس بارے میں جو حقیقی صورتحال معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ تیس میں سے صرف ایک مکمل صوبہ بدخشاں پر شمالی اتحاد کی حکومت ہے جبکہ پروان کاپسیا اور تخار صوبے کے چند ایک علاقے ہی شمالی اتحاد کے پاس ہیں۔ برہان الدین ربانی جسے صرف بدخشاں صوبے کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے اقوام متحدہ

Marfat.com

میں اسے پورے افغانستان کی نمائندگی حاصل ہے۔ جس پر طالبان نے سخت احتجاج کیا ہے۔
طالبان انتہائی منظم انداز میں جنگ لڑ رہے' ان کی جنگی حکمت عملی انتہائی کامیاب رہی اس لئے وہ کم وسائل میں زیادہ سے زیادہ فتوحات حاصل کر رہے ہیں۔ وزارتِ دفاع کے دو بڑے شعبے ہیں' ایک آپریشنل جو محاذ جنگ پر عملاً لڑائی میں حصہ لیتا ہے۔ مرکزی کمانڈر کے علاوہ ہر محاذ پر علیحدہ کمانڈر اور اسسٹنٹ کمانڈر کام کرتے ہیں دوسرا شعبہ داخلی دفاع کے لئے علیحدہ فورس کا ہے جو شہروں کے اندر چھاؤنیوں اور فورسز کو تیار کرتی اور اس کی نگرانی کرتی ہے' اس کا رابطہ شہری پولیس سے بھی ہوتا ہے۔ آپریشنل اور داخلی فورس کی مدد کے لئے طالبان کی انٹیلی جنس کا ایک مربوط اور وسیع نیٹ ورک ہے۔ طالبان کی سب سے بڑی انٹیلی جنس فورس کا نام استخبارات ہے جس کا دائرہ کار افغانستان کی تمام سرحدوں سے لے کر شہروں تک اور اس کے علاوہ دشمن کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ استخبارات کی رپورٹ کے بعد ہی طالبان کسی علاقے پر حملہ کرتے ہیں۔ استخبارات کے پاس سپریم کمانڈر ملا محمد عمر۔ اسامہ بن لادن اور پورے کندھار مرکز کی سیکورٹی کی اہم ذمہ داریاں بھی ہیں۔ اس ایجنسی نے ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن کی سیکورٹی کے انتظامات کو اس طرح فول پروف بنایا ہے کہ اس وقت یورپ اور امریکہ کی ساری ایجنسیاں دم بخود ہیں اور ان کی ساری چالیں راستے ہی میں دم توڑ دیتی ہیں۔

گزشتہ چند ماہ میں طالبان کے زیرِ قبضہ علاقوں کے امن کو سبوتاژ کرنے کے لئے شمالی اتحاد کے ایجنٹوں نے کئی بم دھماکے کرائے۔ تقریباً 16 مقامات پر دھماکے ہوئے۔ افغان انٹیلی جنس نے ایک ماہ کی جدوجہد کے بعد چھ تخریب کاروں کو کابل سے گرفتار کر لیا۔ 23 ستمبر کو جس وقت دو مجرموں کو کابل کے آریانہ چوک میں سرِ عام پھانسی دی گئی' اس موقع پر کابل پولیس کے سربراہ ملا عبدالہادی اخوند نے ہمیں بتایا کہ مجرموں نے کابل میں پاکستانی سفارتخانے کے علاوہ وزارت اطلاعات کابل ائر پورٹ۔ پل باغی عمومی سمیت سولہ مقامات پر دھماکوں کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ دو مجرموں کو کابل ائر پورٹ پر بم نصب کرتے ہوئے استخبارات نے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا تھا جن کی نشاندہی پر مزید چار افراد کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور انہوں نے اپنے تمام جرائم کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے یہ بھی اعتراف کیا کہ وہ احمد شاہ مسعود کے کمانڈروں کے لئے کام کرتے ہیں اور انہیں دھماکوں کے لئے بھاری معاوضہ دیا گیا۔ ملا ہادی اخوند نے بتایا کہ پہلے

Marfat.com

مرحلے میں تخریب کاروں کو ملٹری کورٹ سے سزا دی گئی اور اس کے بعد افغانستان کے امیر المومنین نے اس سزا کی توثیق کر دی۔ ان سزاؤں پر جب آریانہ چوک میں موجود شہریوں سے رائے لی گئی تو سب نے طالبان کے حق میں رائے دی۔ شہریوں کا کہنا تھا کہ یہاں اس بات کی ضمانت ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا نہیں دی جاتی۔ یہاں جرم کا اعلان اور اعتراف کرنے کے بعد ہی سزا ملتی ہے۔

داخلی دفاع کیلئے طالبان فورس کے سربراہ ملا عبدالمتین سے ہماری ملاقات بھی ایک اہم مرحلہ تھی۔ کابل کے مرکز میں ایک بڑی چھاؤنی میں ان کا ٹھکانہ تھا جہاں محاذ جنگ سے واپس آنے والے کمانڈر اور سپاہی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ ملا عبدالمتین سے ہماری ملاقات شاہد جان نامی نائب کمانڈر نے کرائی۔ انہوں نے بگرام لڑائی کے کمانڈر ملا عبداللہ اخوند سے کہا کہ وہ پاکستانی مہمانوں کو اپنی نگرانی میں ''خط'' پر لے کر جائیں واضح رہے کہ جنگی محاذ پر خط اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر طالبان مورچہ زن ہوتے ہیں۔ شام کے وقت ٹینکوں کا ایک قافلہ محاذ کی طرف روانہ ہونا تھا اور ہمیں ٹینکوں پر ہی سفر کرنا تھا۔ ملا عبدالمتین نے بتایا کہ کابل کے داخلی دفاع کے لئے ان کے پاس 1500 سے 2 ہزار تک طالبان کی فورس ہے۔ طالبان کے زیرِ استعمال چھوٹی قسم کے BMP-1 اور بڑی قسم کے T-55 T-62 اور T-54 ٹینک بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ صرف کابل چھاؤنی میں چھ سو روسی ٹینک موجود ہیں جن کی مرمت اور دیکھ بھال خلیفہ ملا گل محمد کے ذمہ ہے جس نے ہمیں ٹینکوں کے بارے میں معلومات سے آگاہ کیا۔ ٹینک ڈرائیور محمد ابراہیم نے بتایا کہ باقی فورسز تبدیل ہوتی رہتی ہیں مگر ٹینکوں کے ڈرائیور روس کی جنگ سے لے کر اب تک وہی ہیں، چونکہ یہ ٹیکنیکل سٹاف میں شمار ہوتے ہیں اس لئے جس کی حکومت بھی ہوگی، یہ اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ کابل صوبے کا سب سے اہم کمانڈر حاجی امداد اللہ ہے۔ جس نے دشمن کے خلاف سب سے زیادہ کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ حاجی امداد اللہ سے ہماری ملاقات ایک پاکستانی طالب کے ذریعے ہوئی۔ امداد اللہ نے بتایا کہ ہمارا سب سے بڑا ٹارگٹ وادی پنج شیر ہے۔ جس پر حملے کے لئے ہم حکمت علی طے کر رہے ہیں جبکہ بدخشاں کے بارڈر پر ہم نے محدود پیمانے پر جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ اس سوال پر کہ شمالی اتحاد کے خلاف جنگ کرتے ہوئے آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے جبکہ وہ آپ کے پرانے ساتھی اور افغان شہری ہیں۔ ملا امداد اللہ نے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت شمالی اتحاد ہمارے لئے روس کے برابر ہے۔ یہ لوگ روس کا

Marfat.com

اسلحہ اور رقم استعمال کر رہے ہیں۔ ہم افغانستان میں امن قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ روس و امریکہ کے تابع ہیں۔ ہماری جنگ مسعود کے خلاف نہیں روس کے خلاف ہے۔ طالبان کے پاس جدید کمیونیکیشن سسٹم موجود ہے۔ اسلحہ اور گاڑیوں کی بھی کوئی کمی نہیں۔ طالبان کے پاس اتنی بڑی تعداد میں جدید گاڑیاں ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ڈبل کیبن فورویل گاڑیاں سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہیں جن کے پچھلی طرف کھلے حصے میں دس بارہ طالبان بیٹھتے ہیں۔ اس کے علاوہ پیجارو اور لینڈ کروزر طرز کی گاڑیاں بھی بہت زیادہ نظر آتی ہیں۔ اکثر گاڑیوں کی اتنی بڑی تعداد میں ہونے کی دو وجوہات معلوم ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ افغانستان میں گاڑیوں کی درآمد پر کوئی ٹیکس یا کسٹم ڈیوٹی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ متحدہ عرب امارات امداد کی شکل میں طالبان کو گاڑیاں فراہم کرتا ہے جبکہ عام لوگ وہاں سے ری کنڈیشنڈ گاڑیاں بھی درآمد کرتے ہیں۔ طالبان کے زیادہ تر کمانڈر سینئر سپاہی ایسی ڈبل کیبن فورویل گاڑی استعمال کرتے ہیں جن کے سامنے طاقتور انٹینا لگا ہوتا ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس کے اندر وائرلیس پر کئی ممالک تک کے فاصلے سے پیغام وصول کیا جا سکتا ہے اور پیغام بھیجا جا سکتا ہے۔ کسی بھی جنگ کے لئے تین چیزوں کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اسلحہ کے ذخائر، ٹرانسپورٹ کی فراہمی اور جدید کمیونیکیشن سسٹم اور یہ تینوں چیزیں طالبان کے پاس وافر تعداد میں موجود ہیں۔

Marfat.com

# قندھار ایڈونچر اور ملا عمر کی کہانی

اگلے روز علی الصبح چار بجے ہم قندھار جانے کے لئے کابل سے بذریعہ ٹیکسی روانہ ہو گئے۔ چودہ گھنٹے کا طویل سفر تھا' سڑک ٹوٹی ہوئی تھی' گرد سے چہرہ اور کپڑے اس حد تک اٹ چکے تھے کہ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔

جسمانی اور اعصابی لحاظ سے تھکا دینے والے طویل سفر کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں قندھار کے مرکزی چوک میں اتار دیا۔ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرتے ہوئے پوچھا کہ ہمیں کسی ایسے ہوٹل کا پتہ دیں جہاں سے صبح ہمیں ملا محمد عمر کے سیکریٹریٹ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے چند گز کے فاصلے پر موجود ایک عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ملا محمد عمر کا سیکریٹریٹ ہے اور اس کے مخالف سمت سڑک کے دوسری طرف دو تین ہوٹل موجود ہیں' بڑے مناسب ہوٹل میں آپ یہاں قیام کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ تعجب اور خوشی کے لمحات تھے۔ جس مقام تک پہنچنے کے لئے ہم نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا' وہ مقام ہماری نظروں کے سامنے تھا۔ سفر سے ہماری حالت بہت بری ہو چکی تھی۔ چہرہ اور کپڑے گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ وزنی بیگ کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ شام کے سایے پوری طرح ڈھل چکے تھے۔ میں ہوٹل جانے سے پہلے ملا عمر کے سیکریٹریٹ کو ایک دفعہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا' عبدالناصر مہمند نے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ہاشمی! یہ سیکریٹریٹ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ صبح بھی یہیں موجود ہو

Marfat.com

گا۔ پہلے ہوٹل چلتے ہیں۔ نہا کر اپنا حلیہ درست کرتے ہیں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گھومنے نکلیں گے۔ سڑک پار کر کے ہم ہوٹل کے استقبالیہ پر پہنچے۔ انگریزی زبان میں ''لوڈن ہوٹل'' لکھا ہوا تھا۔ میں اسے لادن پڑھ کر اسامہ بن لادن کا ہوٹل سمجھ رہا تھا۔ مگر لوڈن کا مطلب ہماری سمجھ سے باہر تھا۔ ہوٹل کا فرنٹ تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد جدید شکل میں بنایا گیا تھا مگر اندرونی بناوٹ ایک ایسی قدیم سرائے کی طرح تھی جو ہزاروں سال پرانی تاریخ کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے احمد شاہ ابدالی کی فوجیں یہاں قیام کیا کرتی تھیں۔ کبھی احمد شاہ ابدالی کی فوجیں یہاں سے روانہ ہوتی ہوں گی' آج ناصر اور میں یہاں پڑاؤ ڈال رہے تھے۔ ہم قندھار ایڈونچر کے لئے لاہور سے پشاور اور پھر وہاں سے طورخم جلال آباد' سروبی' کابل اور غزنی سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ اس سے قبل جلال آباد اور کابل کے ہوٹلوں میں سب سے بڑا مسئلہ ٹائلٹ کا تھا۔ نہ ہی نہانے کا مناسب انتظام تھا اور نہ ہی پانی ضروت کے مطابق میسر تھا۔ لیٹرینوں کی حالت ویسے ہی نا قابلِ بیان تھی۔ لوڈن ہوٹل کے خوش اخلاق منیجر نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ ناصر پشتو زبان میں اس سے کمرے کی بات کر رہا تھا۔ منیجر نے ایک چابی ہمیں تھماتے ہوئے کہا کہ ہم پہلے کمرہ دیکھ لیں' اگر پسند آئے تو ہمارے مہمان بن جائیں۔ ہم نے منیجر کو اپنے گذشتہ تلخ تجربات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں کمرہ دیکھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں آپ ٹائلٹ دکھا دیں۔ اگر وہ مناسب ہوا تو ہم بغیر دیکھے کمرہ لے لیں گے۔ منیجر نے ملازم کو ہمارے ساتھ بھیجتے ہوئے بتایا کہ افغانستان میں یہ مسئلہ ان شہروں میں ہے جہاں پانی اور بجلی کی قلت ہے۔ یہاں قندھار میں پانی اور بجلی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ نہ صرف ٹائلٹ صاف ستھرے ہیں بلکہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ گرم پانی بھی ٹائلٹ میں ملے گا۔ ایسا ٹائلٹ ہمارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ ہوٹل کی پہلی منزل پر ہم نے سامان اپنے کمرے میں رکھا۔ پرانی طرز کا ہال نما کمرہ تھا۔ جس میں پرانی طرز کے بنے ہوئے لکڑی کے چار پلنگ موجود تھے۔ سامان رکھنے کے فوراً بعد ہم نہانے کے لئے باتھ روم میں چلے گئے۔ افغانستان میں پہلی مرتبہ ہمیں اطمینان سے نہانے کا موقع ملا۔ ٹوٹی ہوئی سڑکوں پر چودہ گھنٹے کے طویل سفر کی گرد اتارنے کے لئے کافی محنت کرنا پڑی لیکن جب ہم نہا کر نکلے تو بہت ہی ہلکا ہلکا محسوس کر رہے تھے۔ آدھ گھنٹے کے بعد ہم ہوٹل سے باہر نکل کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ پورے افغانستان میں ہم خالص کڑک پاکستانی چائے سے محروم

Marfat.com

رہے۔ میں نے ناصر سے کہا' دعا کرو یہاں اصلی شکل میں چائے مل جائے۔ سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے ایک دودھ بیچنے والے سے ہم ایسی چائے والے کسی ہوٹل کا پتہ پوچھنے ہی لگے تھے کہ یہ دیکھ کر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دودھ فروش کا بیٹا قریب ہی ایک بڑے برتن میں کڑک چائے بنا رہا تھا۔ ویسی ہی خوشبو تھی جو لاہور میں کسی بھی تھڑے والے ہوٹل کی چائے سے اٹھتی ہے۔ ہم نے پہلی بار جی بھر کر تیز چائے کے دو دو کپ پیئے اور گھومنے کے لئے چل دیئے۔ جلال آباد اور کابل کے مقابلے میں یہاں صورتحال مختلف تھی۔ باقی شہر شام کے سایے ڈھلتے ہی تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ کرفیو کا سا سماں ہو جاتا ہے لیکن یہاں رات کو بھی ویسی ہی رونق تھی جیسے پاکستان کے بڑے شہروں میں ہوتی ہے۔ بازار' ہوٹل اور مارکیٹیں روشنی سے جگمگا رہی تھیں۔ ہوٹلوں پر رش تھا۔ قہوہ خانوں میں محفلیں جمی ہوئی تھیں۔ پھل اور میوہ جات جگہ جگہ فروخت ہو رہے تھے۔ قندھار کو افغانستان کا سب سے زیادہ حساس شہر کہا جاتا ہے۔ یہ ملا محمد عمر کا شہر ہے۔ جو افغانستان کے امیر المومنین اور طالبان کے سپریم کمانڈر ہیں۔ یہاں اسامہ بن لادن اور دیگر کئی نامور عرب مجاہدین رہتے ہیں۔ یہاں کئی اہم شخصیات کی رہائش ہے۔ اس کے علاوہ کئی اہم عسکری اور حساس نوعیت کے ٹھکانے قندھار میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں انٹیلی جنس کا نیٹ ورک بہت وسیع اور منظم ہے۔ یہاں سب سے سخت وزارت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور وہ بہت فعال ہے۔ قندھار طالبان کا گڑھ ہے۔ یہاں طالبان بڑی تعداد میں ہیں۔ بڑے چاک و چوبند اور مستعد نظر آتے ہیں۔ یہاں طالبان کے اہم ترین کمانڈروں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پر آنے والا ہر اجنبی خفیہ والوں کی نظروں میں رہتا ہے۔ میں پورے افغانستان میں جینز کی پینٹ اور ٹی شرٹ پہن کر گھومتا رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ قندھار پہنچ کر یہ لباس تبدیل کر کے شلوار قمیض پہن لوں گا۔ کیونکہ یہاں پر اہم شخصیات سے ملتے ہوئے احترام ملحوظ رہنا چاہیے۔ قندھار میں ابھی پہلی رات تھی اور اگلے روز سے پہلے کسی شخصیت سے ملاقات ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔ ویسے بھی میں کچھ تجربات سے گزرنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا صبح ہوتے ہی یہ انگلش لباس تبدیل کر دوں گا اس لئے میں ابھی تک پینٹ شرٹ ہی پہنے ہوئے تھا۔ باقی سامان ہم نے ہوٹل کے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ ایک چھوٹے سائز کا ہینڈ بیگ جس کے اندر میں نے کیمرہ چھپا رکھا تھا میرے بازو میں لٹک رہا تھا۔ میں نے ناصر سے کہا کہ اس سڑک پر گھومنے چلتے ہیں

Marfat.com

جہاں ملا محمد عمر کا سیکریٹریٹ ہے۔ قندھار کے تاریخی دروازے میں سے گزر کر ہم امیر المومنین کے سیکریٹریٹ والی سڑک پر پہنچ گئے۔ میں نے محسوس کر لیا کہ اب ہمیں واچ کیا جا رہا ہے۔ ناصر بہت زیادہ محتاط اور خوفزدہ تھا۔ وہ میرے اس اقدام کو ایک غیر ضروری ایڈونچر قرار دے رہا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کا مزار سڑک کے ایک طرف تھا اور دوسری طرف امیر المومنین کا سیکریٹریٹ موجود تھا۔ سیکریٹریٹ سے چند قدم پہلے گورنر ہاؤس تھا۔ گیٹ پر موجود طالبان سے ہم نے سیکریٹریٹ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ اگلا گیٹ امیر المومنین کے دفتر کا ہے اور وہ زیارت کے بالکل سامنے ہے۔ زیارت اس احاطے کو کہتے ہیں جہاں پر ایک خوبصورت عمارت میں ایک روایت کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کے متبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ اس عمارت کے بالکل عقب میں احمد شاہ ابدالی کا مزار ہے جس کا گنبد دور سے نظر آتا ہے۔ ہم چند لمحوں بعد ملا عمر کے سیکریٹریٹ کے گیٹ کے سامنے تھے۔ ایک بڑے سے بورڈ پر ''دفتر امیر المومنین ملا محمد عمر'' لکھا ہوا تھا۔ لوہے کے گیٹ کے ساتھ استقبالیہ تھا جس پر آہنی سلاخوں والی کھڑکیاں تھیں' دفتر اس وقت بند تھا۔ میں نے پوری عمارت کے اردگرد ایک چکر لگایا' عمارت کا پچھلا حصہ بلند اور مضبوط دیواروں پر مشتمل تھا جن کے اردگرد آہنی تاروں کا جنگلا تھا۔ دور سے لوگ ہمیں تعجب سے دیکھ رہے تھے جبکہ کچھ سادہ کپڑوں میں ملبوس طالبان جو غالباً انٹیلی جنس کے لوگ تھے' ہمیں کچھ کہے بغیر واچ کر رہے تھے۔ ناصر نے مجھے تنبیہہ کی کہ ہمیں اس طرح رات کے وقت اتنی حساس جگہ پر نہیں گھومنا چاہیے۔ ناصر نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل پشاور کے دو صحافی جن کا تعلق انگریزی اخبارات سے تھا' انہیں کیمرہ لے کر گھومتے ہوئے انٹیلی جنس نے گرفتار کر لیا تھا۔ دو ماہ تک ان کا کسی کو علم بھی نہیں ہو سکا۔ UNO کے نمائندے اور ایک پاکستانی مذہبی شخصیت کی کوششوں کے باوجود چھ ماہ بعد انہیں رہا کیا گیا تھا۔ چھ ماہ کی قید کا سنتے ہی میرے قدم واپس ہوٹل کی طرف اٹھنے لگے' میں دراصل صبح کے لئے ان جگہوں کا خاکہ تیار کر رہا تھا جہاں سے مجھے کچھ تصاویر بنانا تھیں۔ قندھار میں تصاویر بنانا انتہائی حد تک ممنوع ہے مگر میں ایک دو تصاویر بنائے بغیر اپنے سفر کو نامکمل سمجھ رہا تھا۔ ہم نے ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد کچھ وقت قہوہ خانوں میں گزارا۔ چونکہ ہوٹلوں میں ٹی وی دیکھنے اور گانے سننے کا کوئی انتظام نہیں ہے اس لئے لوگ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں اور بی بی سی کی پشتو اور فارسی سروس بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ افغانستان میں

Marfat.com

عالمی حالات سے باخبر رہنے کا واحد ذریعہ بی بی سی ہے۔ نہ ہی وہاں ٹی وی اور نہ ہی اخبارات پہنچتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ بات انتہائی حیران کن تھی کہ وہاں پر کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو آج تک اسامہ کو شکل سے نہیں پہچانتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شروع سے افغانستان میں ہی رہتے ہیں۔ جو لوگ پاکستان یا ایران آتے جاتے رہے ہیں انہوں نے وہاں اخبارات و جرائد میں اسامہ کی تصاویر دیکھی ہیں اس لئے وہ اس کی صورت سے واقف ہیں۔ ایک نوجوان سے میں نے پوچھا کہ آپ نے اسامہ کو کبھی دیکھا ہے۔ اس نے بتایا کہ دو ماہ قبل وہ ملا محمد عمر کے ہمراہ زیارت پاک میں آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے لوگوں کے درمیان رہے اور اس کے بعد ملا محمد عمر کے ہمراہ کالے شیشوں والی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ بزرگوں نے بتایا کہ ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن کالے شیشوں والی بڑی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ جب وہ کسی مقام کی طرف جاتے ہیں تو ایک ہی رنگ کی کئی گاڑیاں وہاں سے گزرتی رہتی ہیں۔ اس لئے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کس گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ قندھار میں کسی شخص کو بھی معلوم نہیں کہ اسامہ بن لادن کہاں رہتا ہے۔

ہوٹل کے کمرے میں واپس پہنچ کر ہم نے کمبل اوڑھے اور سونے کی تیاری کرنے لگے' تھکاوٹ اتنی زیادہ تھی کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہوا کہ ہم کس وقت گہری نیند میں چلے گئے' رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ دروازے پر زوردار دستک اور دو تین افراد کی اونچی آواز سن کر ہم خوف کے مارے نیند سے اٹھ گئے' پشتو زبان میں کوئی دروازہ کھولنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نیند کی حالت میں اچانک اٹھ جانے سے ویسے ہی خوفناک خیال آنا شروع ہو جاتے ہیں' چند لمحوں تک ناصر اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ طالبان بڑے ہی مہمان نواز لوگ ہیں' اس طرح ہمیں ڈسٹرب نہیں کر سکتے۔ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مجھے اب ناصر کی وہ باتیں شدت سے یاد آنے لگیں کہ یہاں پر مشکوک صحافیوں کو چھ ماہ کے لئے بند کر دیا گیا تھا لیکن مجھے پورے افغانستان میں ایک بات ہمیشہ حوصلہ دیتی رہی کہ جب تک آپ کوئی جرم نہیں کریں گے آپ کو سزا نہیں ہو سکتی۔ ناصر نے ہمت کر کے دروازہ کھول دیا۔ ہوٹل کے منیجر کے ہمراہ دو کلاشنکوف بردار طالبان کمرے کے اندر آ گئے' اندر آتے ہی وہ ہمیں جلدی جلدی باہر آنے کا کہہ رہے تھے۔ مجھے صورتحال توقع سے زیادہ سنگین نظر آنے لگی۔ وہ ہمیں باہر نکلنے کے لئے اسرار کر رہے تھے' ناصر اور

Marfat.com

میں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ناصر نے مجھے کہا کہ میں احتیاطاً بیگ سے وزارت خارجہ و اطلاعات کے لیٹر نکال کر جیب میں رکھ لوں' میں جیسے ہی بیگ کھولنے لگا' ایک کلاشنکوف بردار طالب نے مجھے کندھے پر تھپکاتے ہوئے کہا کہ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں' آپ تھوڑی دیر کے ئے باہر سڑک پر چلیں۔ سڑک کا سن کا میرے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے سوچا اگر سڑک تک بات پہنچ گئی ہے تو یہ ہمیں ضرور گاڑی میں ڈال کر نا معلوم مقام کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے ناصر سے کہا میں کاغذ اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں آپ تسبیح ضرور اٹھا لیں۔ نیند پہلے ہی اڑ چکی تھی' ہاتھوں کے طوطے بھی اڑے جا رہے تھے۔ میں نے ناصر سے کہا۔

''چلو ایسی کی تیسی 20 سال ہم ان کے میزبان رہے ہیں' اگر آج یہ ہماری میزبانی اسی طرح کرتے ہیں تو کرنے دیں' ان کی مہمان نوازی کا بھرم تو کھل جائے گا۔'' ہمت پکڑنے کے لئے ہم نے اس بات پر قہقہہ لگایا اور چل پڑے۔ پہلی منزل سے اتر کر پہلے ہم استقبالیہ پر پہنچے اور اس کے بعد گیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک گاڑی کھڑی تھی جس میں دس بارہ طالبان بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے میں آنے والے دونوں طالبان نے مجھے تھوڑے فاصلے پر کھڑا کیا' گاڑی میں سے مجھ پر انتہائی تیز سرچ لائٹ ڈالی گئی' لائٹ کے پیچھے بیٹھے ہوئے طالبان اونچی اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ناصر ایک طرف کھڑا تھا مگر وہ اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔ دو تین منٹ کی شناخت پریڈ کے بعد طالبان گاڑی دوڑاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ منیجر نے اس تکلیف کے لئے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ طالبان کی خفیہ ایجنسی کے لوگ تھے۔ انٹیلی جنس کے کچھ لوگوں نے رات کے وقت آپ کو شہر میں گھومتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے وہ چیک کرنے آئے تھے۔ اگرچہ اجنبی لوگوں پر نظر رکھنا ان کی سیکورٹی کی ذمہ داریوں میں شامل تھا مگر رات ایک بجے کا یہ عمل ہمیں بہت ناگوار محسوس ہوا تاہم اگلے روز ہم بہت محتاط ہو گئے۔ رات کا باقی حصہ ناصر اور میں نے اس بحث میں گزار دیا کہ ہماری یہ شناخت پریڈ کیوں ہوئی ہے۔

اگلی صبح ناشتہ کرنے کے بعد ہم نے پہلا رابطہ ملا محمد عمر کے سیکرٹری طیب آغا سے کرنا تھا' ان کے ذریعے ہم ملا محمد عمر سے ملاقات کی کوشش کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے پاکستان سے روانہ ہوتے ہوئے مولانا سمیع الحق صاحب سے طیب آغا کے نام ایک خط لے لیا تھا۔ جب ہم افغانستان سے آ رہے تھے تو ہمارے ذہن میں طالبان اور ملا عمر وغیرہ کے بارے میں جو خاکہ تھا' وہ بالکل غلط

Marfat.com

ثابت ہوا۔ ہم نے سمجھا تھا کہ طالبان کے رہنما اور ملا محمد عمر کسی سادہ سے مکان میں ایک چٹائی پر سامنے بیٹھے ہون گے اور بڑی آسانی سے ہر آنے جانے والا انہیں مل رہا ہوگا۔ یہاں صورتحال اس کے بالکل برعکس تھی۔ ملا محمد عمر سے ملاقات تو ناممکنات میں شمار ہوتی تھی' ان کے سیکرٹری سے ملاقات کے لئے ہمیں دو روز تک تگ و دو کرنا پڑی۔ لوڈن ہوٹل سے نکل کر ہم امیر المومنین کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیکریٹریٹ سے پہلے گورنر قندھار کا دفتر ہے۔ گورنر ہاؤس سے سیکریٹریٹ تک کئی سائل فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے عرضی نویسوں سے درخواستیں لکھوا رہے تھے۔ امیر المومنین کے دفتر کے مین گیٹ پر موجود طالبان سے عبدالناصر نے طیب آغا کے بارے میں پوچھا' ڈیوٹی پر موجود شخص یہ کہہ کر عمارت کے اندر چلا گیا کہ طیب آغا یہاں نہیں بلکہ کوئٹہ ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ سن کر بہت مایوسی ہوئی۔ ہمیں کابل میں بھی ایسے تجربات سے گزرنا پڑا تھا' کئی مرتبہ استقبالیہ پر ہمیں مختلف رہنماؤں کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ وہ دفتر میں نہیں ہیں مگر جب ہم دوسرے ذرائع سے رابطہ کرتے تھے تو ملاقات ہو جاتی تھی۔ میرے لئے یہ بات حیرت کا باعث تھی کہ طالبان جھوٹ بولتے ہیں' اور اب خاص طور پر امیر المومنین کے دفتر کے عملے سے ہرگز توقع نہیں تھی کہ یہ لوگ بھی جھوٹ بولتے ہوں گے' لیکن بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ یہ سب کچھ سیکورٹی کو فول پروف بنانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اگر اہم شخصیات اور ان کے سیکرٹری وغیرہ کے ٹھکانوں کے بارے میں اتنی آسانی سے بتا دیا جائے تو پھر دشمن بڑی آسانی سے ان پر حملہ کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ ابھی تک حالتِ جنگ میں ہیں اس لئے انہیں سیکورٹی کا غیر معمولی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں نے ناصر سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو پہلے مکمل تعارف کرائے۔ انہیں بتائے کہ ہم صحافی ہیں' پاکستان سے آئے ہیں' ہمیں وزارتِ اطلاعات نے یہاں بھیجا ہے اور ہم نے دارالعلوم حقانیہ کا ایک خط طیب آغا تک پہنچانا ہے۔ پھر یہ آپ کی بات پر توجہ دیں گے۔ ناصر نے اس پر عمل کرتے ہوئے استقبالیہ پر موجود شخص کو دوبارہ اپنا مدعا بیان کیا' یہ حربہ کسی حد تک کامیاب رہا اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ طیب آغا کے بارے میں آپ کو ملا محمد عمر کے پرانے سیکریٹریٹ سے معلوم ہوگا' جہاں اب گورنر کی رہائش اور کچھ دفاتر ہیں' ہم رکشے میں بیٹھ کر بتائے گئے پتہ پر پہنچ گئے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ملا محمد عمر کا پہلا سیکریٹریٹ تھا لیکن کچھ عرصہ قبل یہاں پر بم دھماکوں کے بعد سیکریٹریٹ دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ استقبالیہ پر پہنچ کر ہم نے طیب آغا کے بارے میں

Marfat.com

معلومات حاصل کیں۔ بڑی کوشش کے بعد استقبالیہ سے ٹیلی فون کے ذریعے طیب آغا سے ہمارا رابطہ کرایا گیا۔ طیب آغا نے براہِ راست ملنے کی بجائے بتایا کہ ہمیں سب سے پہلے صوبائی وزارتِ اطلاعات کے دفتر میں جا کر اپنی انٹری کرانی چاہیے اور وہاں پر موجود صوبائی وزیر سے کہیں کہ وہ طیب آغا سے رابطہ کریں۔ ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں بھی پروٹوکول کا اتنا لمبا چکر ہے۔ ہمیں بڑی مایوسی ہو رہی تھی۔ کئی مرتبہ ناصر نے کہا کہ جس شخصیت کے سیکرٹری سے ملنا اتنا مشکل ہے اس اہم شخصیت سے ملنا تو ناممکن نظر آتا ہے' اس لئے ہمیں قندھار شہر میں گھوم پھر کر واپس جانا چاہیے لیکن میں فیصلہ کر چکا تھا کہ ملا محمد عمر سے ملاقات ہو نہ ہو طیب آغا سے مل کر ضرور جاؤں گا۔ وزارتِ اطلاعات کی عمارت تھوڑے ہی فاصلے پر تھی' عمارت کیا تھی ایک بھوت بنگلہ تھا' جس کی چھتیں ٹوٹی ہوئی تھیں اور دروازے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے۔ اس کے بالکل سامنے پاکستانی قونصلیٹ کی عمارت موجود تھی۔ ہمیں صوبائی وزیرِ اطلاعات عبدالحئ مطمئن سے ملاقات کرنا تھی۔ اطلاعات کے دفتر میں ہماری ملاقات ایک انتہائی دبلے پتلے نوجوان سے ہوئی۔ جب ہم نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے انتہائی والہانہ انداز میں ہمیں خوش آمدید کہا' اس کا نام حمید اللہ تھا اور وہ صوبائی وزیرِ اطلاعات کا سیکرٹری تھا' وہ ہمیں صوبائی وزیر کے کمرے میں لے گیا' فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ حمید اللہ نے خشک فروٹ اور قہوہ سے ہماری تواضع کی۔ اس نے بتایا کہ وزیر صاحب ابھی تھوڑی دیر بعد تشریف لے آئیں گے۔ حمید اللہ سے تقریباً ایک گھنٹہ تک مختلف امور پر بات ہوتی رہی' اسی دوران کئی لوگ اس سے ملنے آتے رہے۔ وہ ہمارے کہنے پر بار بار طیب آغا سے بھی رابطہ کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد میلے کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان کمرے میں داخل ہو کر ہمارے قریب بیٹھ گیا۔ دو تین منٹ کی گفتگو کے بعد حمید اللہ نے ہمیں بتایا کہ یہ صوبائی وزیرِ اطلاعات عبدالحئ مطمئن ہیں۔ میں نے ناصر سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں یہاں پر بھی ایک نفسیاتی پہلو کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ یہ شخص ہمیں طیب آغا سے ملاقات کرانے میں زیادہ دلچسپی اس وقت لے گا جب ہم پہلے اس کا انٹرویو کر لیں۔ ناصر نے میری بات سے اتفاق کیا' ہم نے عبدالحئ مطمئن سے کہا کہ افغانستان کی کئی شخصیات کے انٹرویوز کئے ہیں' آج ہم آپکا انٹرویو کرنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں' آدھ گھنٹے کے انٹرویو کے بعد ہم نے درخواست کی کہ ہمیں طیب آغا سے ملاقات کرنی ہے۔ وزیر موصوف نے دس بارہ منٹ طیب آغا سے فون پر گفتگو کی اور فون رکھتے

Marfat.com

ہی ہمیں خوشخبری سنائی کہ طیب آغا صاحب سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ہم سے ملاقات کریں گے۔ صوبائی وزیر نے حمید اللہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ ہمیں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس چھوڑ کر آئے۔ ہم وزیرِ اطلاعات کی گاڑی پر حمید اللہ کے ہمراہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے' ایک بڑی سی حویلی کے اندر جدید طرز کا دو منزلہ بنگلہ نما گیسٹ ہاؤس تھا' حمید اللہ نے انچارج کو بتایا کہ یہ طیب آغا کے مہمان ہیں۔ طیب آغا کا نام سنتے ہی انچارج صاحب کھڑے ہو گئے۔ ہمیں بڑے احترام سے ایک خوبصورت کمرے میں لے گئے جہاں پر طالبان کے کچھ کمانڈر موجود تھے۔ ہمارے بیٹھتے ہی پھل' میوہ جات اور قہوہ پیش کیا جانے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد گیسٹ ہاؤس کے انچارج ہمیں ایک علیحدہ کمرے میں لے گئے' انہوں نے بتایا کہ یہ کمرہ آپ کے لئے ہے۔ آپ جتنے دن قندھار میں قیام کریں گے' یہیں رہیں گے۔ کمرے کے باہر خدمتگار موجود ہے جس چیز کی ضرورت ہو اسے کہہ دینا۔ ناشتہ اور کھانا گیسٹ ہاؤس کے میس سے ہی آئے گا۔ ہم نے پوچھا کہ طیب آغا کہاں ہیں۔ انچارج نے بتایا کہ وہ کچھ دیر بعد ملنے آئیں گے۔ ہم صبح دس بجے گیسٹ ہاؤس پہنچے تھے۔ اب دوپہر کا ایک بج چکا تھا' ہمیں جس کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا اس کی کھڑکی اس احاطے میں کھلتی تھی جہاں سیاہ شیشوں والی قیمتی پجارو اور لینڈ کروزر طرز کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی پولیس سکواڈ کی گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میس کا بزرگ باورچی اپنی نگرانی میں ایک ملازم کے ہمراہ ہمارے لئے کھانا لے کر آ گیا۔ وہ بزرگ کھانے کے دوران دس پندرہ منٹ تک ہمارے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہے۔ جب ہم نے اسے بتایا کہ ہم ملا محمد عمر سے ملاقات کرنے آئے ہیں اور طالبان کے مہمان ہیں تو وہ ہماری خدمت کرنے میں اور زیادہ دلچسپی لینے لگا' باتوں ہی باتوں میں' میں نے کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے بزرگ سے پوچھا کہ یہ قیمتی گاڑیاں کس کی ہیں' بزرگ نے بتایا کہ یہ گاڑیاں صرف امیر المومنین اور اسامہ بن لادن استعمال کرتے ہیں۔ مجھے رات کے وقت قہوہ خانے میں نوجوان سے ہونے والی گفتگو یاد آ گئی جس میں اس نے بتایا تھا کہ ملا عمر اور اسامہ بن لادن کالے شیشے والی قیمتی گاڑیاں استعمال کرتے ہیں۔ بزرگ کے جانے کے بعد میں نے تھوڑی دیر کے لئے کمرہ اندر سے لاک کیا اور کھڑکی سے ان گاڑیوں کی ایک تصویر کیمرے میں محفوظ کر لی۔ اب شام کے چھ بج چکے تھے۔ ہمیں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں طیب آغا کے انتظار میں آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے۔ ہماری مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔ شام

Marfat.com

ساڑھے چھ بجے گیسٹ ہاؤس میں ہلچل پیدا ہوئی۔ ملازمین اور گارڈ الرٹ ہو گئے۔ انتظامیہ کے لوگ گیٹ کی طرف بھاگنے لگے۔ معلوم ہوا کہ امیر المومنین کے سیکرٹری طیب آغا تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی آمد کے پندرہ منٹ بعد ہمیں دوسری منزل کے ایک کمرے میں لے جایا گیا' پچیس سالہ ایک سمارٹ سا باریش نوجوان کمرے کے دروازے پر ہمارا منتظر تھا۔ قندھار میں آج ہمیں دوسرا روز تھا' دوسرے روز کے اختتام پر کافی انتظار اور تگ و دو کے بعد ملا عمر کے سیکرٹری سے ہماری ملاقات ہو رہی تھی۔ کمرے میں صوفے رکھے ہوئے تھے درمیان میں شیشے کی بنی ہوئی خوبصورت میز موجود تھی۔ ناصر اور میں طیب آغا کے سامنے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد گیسٹ ہاؤس کا ملازم بہت سے لوازمات کے ساتھ قہوہ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ طیب آغا نے ہمیں بتایا کہ آج دن کے وقت اکوڑہ خٹک سے مولانا سمیع الحق کے ترجمان سید یوسف شاہ کا فون بھی آیا تھا اور انہوں نے طیب کو ہمارے بارے میں بتا دیا تھا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ اس فون کے موصول ہونے سے ان لوگوں کو ہمارے بارے میں مزید ضمانت مل گئی' اس لئے طیب آغا نے اتنی مصروفیات میں سے ہمارے لئے وقت نکالا ہے۔ طیب آغا افغان جنگ کے دوران کوئٹہ میں رہے ہیں۔ انہوں نے دینی اور دنیاوی تعلیم کوئٹہ اور کراچی سے حاصل کی تھی۔ ان کے والد مولانا سدوزئی حقانی اکوڑہ خٹک سے فارغ التحصیل تھے اور مولانا عبدالحق کے شاگرد تھے۔ طیب آغا دو سال تک اسلام آباد میں افغان سفارتخانے میں بھی رہے ہیں۔ جس وقت طالبان نے ہرات فتح کیا اس وقت وہ کراچی میں موجود تھے۔ وہ کراچی سے سیدھا قندھار آ گئے تھے۔ اسی دوران ان کا رابطہ وکیل احمد متوکل سے ہوا' وہ خارجہ امور کی کمیٹی کے انچارج تھے۔ طیب آغا بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگے۔ اس دفتر سے وکیل احمد متوکل نے THE MESSAGE OF TALBAN کے نام سے ایک ہفت روزہ شروع کیا' طیب آغا کچھ عرصہ اس جریدے کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ بعد ازاں انہیں امیر المومنین کے سیکرٹری کے فرائض سونپ دیئے گئے۔ طیب آغا کو ہم نے افغانستان کے دورے کا مقصد بیان کیا' اب تک کے دورے کی صورتحال سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ ہمیں مختصر وقت کے لئے امیر المومنین سے ملاقات کیلئے وقت دلایا جائے۔ طیب آغا نے مسکراتے ہوئے کہا کہ امریکہ' لندن اور کئی ممالک سے مسلمان ان سے ملنے آتے ہیں' کسی کے نصیب میں ہوتا ہے تو تھوڑی دیر میں ہی ملاقات ہو جاتی ہے۔ کئی لوگ ایک ایک ماہ کے انتظار کے باوجود

Marfat.com

زیارت سے محروم رہتے ہیں۔ میں نے بات کو بڑھاتے ہوئے طیب آغا سے کہا کہ اگر ملا عمر سے ہماری ملاقات نہ ہوسکی تو ہمارا دورہ نامکمل رہے گا۔ ہم طالبان کے کام ان کے مسائل اور ان کی جدوجہد پر ایک تفصیلی رپورٹ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے مختصر وقت کیلئے ہماری ملاقات کرادی جائے۔ طیب آغا ہر بات کا جواب انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہہ کر دیتے رہے۔ طیب آغا نے آدھ گھنٹہ تک طالبان کے بارے میں اور افغانستان کے حالات پر تفصیلی گفتگو کی لیکن ایک لمحے کے لئے بھی یہ تاثر نہیں دیا کہ وہ ملا عمر سے ہماری ملاقات کرائیں گے یا نہیں کرائیں گے۔ طیب آغا نے پوچھا کہ یہاں گیسٹ ہاؤس میں مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دینا' ہم نے انہیں بتایا کہ ہم تو ہوٹل میں کمرہ لے چکے ہیں اور اب ہم ہوٹل واپس جائیں گے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں' آپ جتنے دن بھی قندھار رہیں' اسی گیسٹ ہاؤس میں قیام کریں۔ لیکن ہم نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ہوٹل میں ہی قیام کرنے کی اجازت لی۔ طیب آغا جب جانے کیلئے اجازت لینے لگے تو میں نے پوچھا کیا ملا عمر صاحب سے ملاقات ہو جائیگی ان کا جواب تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا' وہ بہت مصروف ہیں' تاہم آپ صبح مجھ سے رابطہ کر لینا۔ انہوں نے ہم سے ہوٹل کا ایڈریس نوٹ کرلیا اور وہاں سے چلے گئے۔ ناصر میری طرف مایوس اور معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ قندھار میں ملا محمد عمر کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ قندھار ایک تاریخی شہر ہے۔ طالبان تحریک کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا' ہم نے گھوم پھر کر کئی مقامات بھی دیکھے ہیں اور لوگوں سے ملا عمر اور طالبان کے بارے میں کئی معلومات بھی حاصل کرنی ہیں' آج ہم گھوم پھر کر رات کو دیر سے ہوٹل جائیں گے۔

ملا محمد عمر کون ہیں' ان کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ جہاد افغانستان میں ان کا کیا کردار رہا ہے' یہ تمام معلومات ہمیں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں موجود ملا عمر کے بعض بزرگ قریبی احباب سے حاصل ہوگئیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ ان کا خاندان صدیوں سے دینی و علمی حوالے سے مشہور ہے۔ امیر المومنین کا پورا نام محمد عمر مجاہد ہے جبکہ ان کے والد کا نام مولوی غلام نبی اخوند بن ملا محمد رسول اخون بن مولوی محمد ایاز اخوند ہے۔ اس خاندان کا تعلق ہوتک نامی قبیلے کی ایک نامور شاخ سے ہے جو قندھار میں تقریباً ایک سو سال سے آباد ہے۔ ملا عمر کی پیدائش قندھار کے ایک نواحی گاؤں نوری میں ہوئی جہاں ان کے والد مولوی غلام نبی مقامی مسجد میں تدریس اور امامت کے فرائض سرانجام

Marfat.com

دیتے تھے۔قندھار سے پہلے ان کا خاندان افغانستان کے صوبہ زابل کے اضلاع شنکئے اور بیروت میں آباد تھا۔اس خاندان کے زیادہ تر افراد کے ناموں کے ساتھ ملا اور مولوی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کے خاندان کے تقریباً تمام بزرگ افغانستان کے صوبوں قندھار' زابل' اورارزگان کی مختلف مساجد میں امامت اور خطیب کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ملا محمد عمر کے والد غلام نبی کا جس وقت انتقال ہوا اس وقت ملا محمد عمر تین برس کے تھے۔ وہ اس لحاظ سے اکلوتے تھے چونکہ ان کا ایک بھائی اور تین بہنیں کم سنی میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں۔والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ کا ان کے بڑے چچا مولوی محمد انور سے نکاح ہوگیا جس کے بعد ان کے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئے۔ملا عمر کے یہ ماں شریک بھائی آج بھی جہاد میں مصروف عمل ہیں۔ملا عمر کی ساری پرورش ان کے چچا اور سوتیلے والد مولوی محمد انور نے کی۔ملا محمد عمر کے بھائی اور تمام چچا شروع ہی سے جہاد میں مصروف ہیں' انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم بھی اپنے چچا اور سوتیلے والد سے ہی حاصل کی وہ صوبہ ارزگان کے ضلع بیروت میں ایک مسجد کے خطیب تھے اور طلباء کی ایک بڑی تعداد ان سے علم حاصل کرتی تھی' اس کے علاوہ انہوں نے کچھ عرصہ اپنے دوسرے چچا مولوی محمد جمعہ اخوند سے بھی درس لیا۔ملا محمد عمر ابھی دین کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ 1978ء میں روس نے اپنی فوجیں افغانستان میں داخل کر دیں۔کمیونسٹ انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے مدارس کے ہزاروں طلباء جہاد کے راستے میں نکل پڑے' جو لوگ جہاد میں پیش پیش تھے ان میں 18 سالہ نوجوان محمد عمر مجاہد بھی شامل تھا۔انہوں نے ابتدائی طور پر صوبہ ارزگان کے ضلع بیروت میں روس کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔دو مرتبہ الگ الگ حملوں میں شدید زخمی ہوئے۔پہلی مرتبہ راکٹ کے کچھ حصے لگنے سے ٹانگ شدید زخمی ہوگئی۔دوسری مرتبہ مشین گن کی گولیوں نے جسم چھلنی کر دیا لیکن جلد ہی صحت یاب ہو کر دوبارہ جہاد میں اگلے محاذوں پر لڑنے لگے۔کچھ عرصہ بعد وہ اپنے چچا کے کہنے پر ضلع پنجوائی چلے گئے جہاں انہوں نے روسی فوج کی رسد کو روکنے کے لئے گوریلا جنگ کا آغاز کیا۔اسی دوران سنگسار کے علاقہ میں ایک اور جھڑپ میں تیسری مرتبہ شدید زخمی ہوگئے۔اس مرتبہ ملا محمد عمر کی دائیں آنکھ شہید ہوگئی۔انہیں زخمی حالت میں کوئٹہ لایا گیا' جہاں وہ کچھ عرصہ زیر علاج رہنے کے بعد دوبارہ جہاد پر واپس چلے گئے۔روس کے خلاف جہاد میں ملا محمد عمر مولوی محمد نبی محمدی کی تنظیم حرکت انقلاب اسلامی کے ملاقائی گروپ کے

Marfat.com

کمانڈر تھے اور آر پی جی سیون (اینٹی ٹینک راکٹ) چلانے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ روس کے خلاف جہاد کے دوران ملا محمد عمر کے خاندان کے کسی فرد نے پاکستان یا کسی اور ملک میں ہجرت نہیں کی۔ ملا محمد عمر صرف زخمی حالت میں دو یا تین مرتبہ کوئٹہ گئے تھے۔ میں نے شیر رسول اخوند نامی بزرگ سے پوچھا کہ طالبان تحریک کا اچانک ظہور کیسے ہوا؟ بزرگ نے بتایا کہ روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد افغانستان کی جہادی تنظیمیں آپس میں نبرد آزما تھیں۔ دوسری طرف ہر گاؤں اور ہر قبیلے کا سردار لوٹ مار میں مصروف تھا' امن اور تحفظ کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ عزت اور مال دن دیہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے۔ بزرگ نے بتایا کہ طالبان تحریک کا لاوہ پک رہا تھا لیکن ایک واقعہ نے اس لاوہ کو آتش فشاں میں تبدیل کر دیا' بزرگ نے بتایا کہ قندھار کے نواح میں ملیشیاء کے کمانڈر امیر لالہ کا کنٹرول تھا' وہ ہر آنے جانے والے سے غنڈہ ٹیکس لیتا تھا۔ اس کے گروپ میں ڈاکو اور قاتل شامل تھے۔ ایک روز سپین بولدک سے ایک بارات جا رہی تھی جسے قندھار کے مضافات میں امیر لالہ اور اس کے ساتھیوں نے روک لیا' بارات میں شامل خواتین کے زیور نوچنے اور رقم چھیننے کے بعد انہوں نے گن پوائنٹ پر دلہن کو بھی اغواء کر لیا اور مزاحمت پر دولہا کو قتل کر دیا' بارات میں ایک 35 سالہ باریش دیندار شخص بھی موجود تھا' اس نے یہ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ یہ ظلم بند ہونا چاہیے۔ وہ شخص فوراً اپنے مدرسے میں واپس آیا' طالب علموں کو یہ واقعہ سنایا' تمام لوگوں نے فوراً فیصلہ کیا اور اس باریش شخص کی قیادت میں امیر لالہ کے لشکر پر چڑھائی کر دی۔ امیر لالہ کو پکڑ کر قندھار کے چوراہے میں پھانسی دے دی گئی جہاں ان کی لاش تین دن تک لٹکتی رہی۔ بزرگ نے بتایا کہ وہ باریش شخص ملا محمد عمر تھا جسے آج لوگ امیر المومنین کے نام سے پکارتے ہیں۔ لوگ پہلے ہی مجاہد تنظیموں کی لڑائی سے تنگ تھے۔ اس واقعہ کے بعد لوگ ملا عمر کے جہادی مدرسہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے اور ظلم کے خلاف یہ تحریک فتوحات میں تبدیل ہوتی گئی جسے طالبان تحریک کا نام دے دیا گیا۔

سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں بزرگوں سے گپ شپ کے بعد ہم ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے' راستے میں شہداء چوک سے تھوڑے فاصل پر ایک مصروف سڑک کے موڑ پر جہادی مدرسہ کا بورڈ نصب ہے۔ کم بلندی والی چار دیواری اور درختوں سے گھری ہوئی پرانی طرز کی عمارت ہے جو ملا محمد عمر کا مدرسہ ہے' اور جہادی مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ ہم بغیر پروگرام کے اس مدرسہ کے

Marfat.com

گیٹ پر پہنچ گئے تھے اور ہمارے پاس اجازت نامہ بھی نہیں تھا اس لئے گیٹ پر موجود مسلح طالبان نے ہمیں مدرسے کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی۔ مدرسے کی عمارت کو باہر سے دیکھنے کے بعد ہم ہوٹل واپس چلے گئے۔ اگلی صبح لوڈن ہوٹل کے منیجر نے ہمیں امیر المومنین کے سیکرٹری طیب آغا کا پیغام پہنچایا کہ وہ ہمیں دوپہر بارہ بجے گیسٹ ہاؤس میں ملیں گے۔ صبح کے آٹھ بجے تھے ہمارے پاس چار گھنٹے کا وقت تھا' ہم نے پروگرام بنایا کہ قندھار کے مختلف مقامات دیکھے جائیں۔ ہمیں عظیم الشان منصوبہ "جامع عمر" دیکھنے کا موقع ملا۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے بھاری فنڈز اسامہ بن لادن فراہم کر رہے ہیں۔ ایک وسیع و عریض احاطے میں سینکڑوں مزدور' معمار اور انجینئر کام میں مصروف تھے' ہر طرف کنکریٹ کا کام ہو رہا تھا' پراجیکٹ کے سائٹ آفس میں ہم نے پورے منصوبے کا ماڈل دیکھا۔ جدید طرز پر تعمیر ہونے والے اس منصوبے میں جامع مسجد' دینی درسگاہ' ریسرچ سنٹر' دارالمطالعہ' آڈیٹوریم' ہاسٹل اور کالونی شامل تھی' اس کے علاوہ مارکیٹ کے لئے اردگرد دکانیں بھی تعمیر ہو رہی تھیں۔ بتایا گیا کہ اس منصوبے پر وہاں کی ایک معروف بزرگ شخصیت حکیم محمد اختر کے صاحبزادے مولانا محمد اظہر نے کام شروع کرایا تھا۔ اس کے علاوہ رشید ٹرسٹ نامی ادارہ بھی اس کے لئے فنڈز اکٹھے کر رہا ہے۔ اس عظیم پراجیکٹ کے بارے میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پورا منصوبہ اسامہ بن لادن کا ہے اور وہی اس کے لئے فنڈز فراہم کر رہے ہیں۔ جامع عمر کے علاوہ ہم نے احمد شاہ ابدالی کا مزار' زیارت' جہاں پر حضور نبی کریم ﷺ کے متبرکات موجود ہیں' ان کی زیارت کی' ایئرپورٹ کے اردگرد عرب مجاہدین کی کالونی اور شہر کے مختلف حصے دیکھنے کے بعد ہم ساڑھے گیارہ بجے گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ گیسٹ ہاؤس کے مختلف کمروں میں طالبان مجاہدین ٹھہرے ہوئے تھے' ان میں سے کئی طالبان ایسے تھے جو محاذ پر اپنا مقررہ عرصہ گزارنے کے بعد واپس آئے تھے اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے چند روز بعد محاذ پر روانہ ہونا تھا۔ کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے دینی مدارس کے چند طلباء سے بھی ملاقات ہوئی جو جہاد پر روانہ ہونے والے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ طالبان کے باقاعدہ کارڈ بنتے ہیں جن پر وزارتِ دفاع اور طالبان کی خصوصی مہر لگی ہوتی ہیں۔ یہ کارڈ نہ صرف طالبان کی شناخت کا ذریعہ ہیں بلکہ وہ یہ کارڈ دکھا کر پورے افغانستان میں طالبان کے مہمان خانوں میں قیام کر سکتے ہیں جہاں انہیں قیام و طعام کی مفت سہولتیں ملتی ہیں۔ میں نے پاکستانی طالبان سے پوچھا کہ پاکستانی سیکورٹی

Marfat.com

فورسز نے بڑی سختی کی ہوئی ہے۔ کیا انہیں آمدورفت میں مشکل پیش نہیں آتی' ان کا جواب تھا کہ پاک افغان بارڈر کراس کرنے کے درجنوں راستے ہیں جہاں سے ہم آسانی سے بارڈر کراس کر لیتے ہیں۔ گیسٹ ہاؤس میں آئے ہوئے ہمیں آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ طیب آغا تو نہیں آئے لیکن ٹھیک بارہ بجے ہمیں دوپہر کا کھانا پیش کر دیا گیا' کابلی پلاؤ' بھنا ہوا گوشت' سبزی اور میٹھی چٹنی کھانے میں شامل تھی۔ ان کے ساتھ روایتی افغانی روٹی موجود تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے ابھی قہوہ شروع ہی کیا تھا کہ گیسٹ ہاؤس کے صحن میں سیاہ شیشوں والی پجارو گاڑی آ کر رکی' تھوڑی ہی دیر بعد گیسٹ ہاؤس کے انچارج نے بتایا کہ ہمیں طیب آغا نے بلایا ہے۔ ناصر اور میں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' اور ڈرائیور کے ہمراہ گیسٹ ہاؤس کے صحن میں موجود گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر ایک مسلح طالب بیٹھا ہوا تھا۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد گاڑی ملا محمد عمر کے سیکریٹریٹ کے سامنے رک گئی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے ڈرائیور نے اپنی شناخت کرائی اور اگلے ہی لمحے گاڑی سیکریٹریٹ کے احاطے میں موجود تھی۔ میں نے ناصر کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا' ناصر میری معنی خیز مسکراہٹ کا مطلب سمجھ رہا تھا کہ وہ گھڑی آنے والی تھی جس کا ہمیں انتظار تھا۔ ایک کمرے میں لے جا کر ہماری تلاشی لی گئی' میرے پاس چھوٹا ہینڈ بیگ موجود تھا' بیگ کھولتے ہی عملے کے لوگ ایسے چونک اٹھے جیسے بیگ میں سے ٹائم بم برآمد ہوا ہو۔ سب کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔ انہوں نے بیگ میں سے کیمرہ اور ریکارڈر نکالا اور ایک میز کی دراز میں رکھ دیا' اب بیگ میں صرف ایک پنسل اور نوٹس لینے کے لئے کچھ کاغذ باقی تھے۔ سیکریٹریٹ کے اندر ایک اور احاطہ تھا جس تک پہنچنے کے لئے ہمیں ایک اور آہنی گیٹ پار کرنا تھا۔ اگلے گیٹ میں سے گذر کر جیسے ہی ہم دوسرے احاطے میں داخل ہوئے' طیب آغا صاحب ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے انتہائی والہانہ انداز میں ہمارا استقبال کیا اور ہمیں خوشخبری سنائی کہ امیر المومنین سے آپ کی ملاقات کروائی جا رہی ہیں' ہم شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی قیادت میں ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں مسلح گارڈز بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں پر جوتے اتارنے کے بعد ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں گہرے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا' سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک جائے نماز کے اوپر سفید رنگ کی پگڑی پہنے ہوئے ملا محمد عمر وائرلیس پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے دوسرے ہاتھ میں سرخ رنگ کی

Marfat.com

تسبیح موجود تھی۔

ہماری عجب کیفیت تھی، ہم ایک ایسی درویش شخصیت سے مل رہے تھے جو نہ صرف بیس سال تک جہاد کے روح رواں رہے ہیں بلکہ اس وقت امریکہ سمیت تمام اسلام دشمن طاقتوں کی نظریں جس پر مرکوز ہیں۔ لیکن ہمیں دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اتنے سادہ سے درویش انسان سے دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں خوفزدہ ہیں۔ جو دنیا بھر کی سازشوں کے باوجود 95 فیصد سے زیادہ حصہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ملا محمد عمر ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے وائرلیس سیٹ طیب آغا کو پکڑا دیا، ہم نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے بغلگیر ہو کر ہمیں خوش آمدید کہا۔ ملا عمر کے بیٹھتے ہی ہم ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کے دائیں طرف طیب آغا بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز یہ پوچھتے ہوئے کیا کہ کیا افغانستان میں ہمیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ پھر خود ہی اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگے کہ ابھی ہمارے حالات اتنے بہتر نہیں ہیں اس لئے آپ کو یہاں ضرورت کے مطابق سہولتیں نہیں مل سکی ہوں گی۔ لیکن میں نے ناصر کے ذریعے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہاں کا نظام، امن و امان اور اسلامی ماحول دیکھ کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ ہم اپنی مشکلات کو بھول ہی گئے۔ اسی دوران ایک ملازم خشک میوہ جات کے ہمراہ قہوہ لے کر آیا، ملا محمد عمر دوبارہ وائرلیس پر کسی سے بات کرنے لگے اور طیب آغا پیالوں میں قہوہ ڈالنے لگے۔ ملا محمد عمر سے ہماری ملاقات تقریباً 30 منٹ جاری رہی، طالبان اور افغانستان کے حالات پر عالمی تناظر میں ملا محمد عمر سے گفتگو ہوئی جس کا انہوں نے بڑے دھیمے لہجے میں جواب دیا تاہم امریکہ اور اسلام دشمن طاقتوں کے بارے میں ملا عمر نے بعض سوالات کا جواب بڑے جذباتی انداز میں دیا۔ گفتگو کے دوران وہ وائرلیس پر بار بار گفتگو کرتے رہے۔ آدھ گھنٹے بعد طیب آغا نے کھڑے ہو کر اس ملاقات کے اختتام کا اشارہ دیا، ہم نے امیر المومنین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت لی اور طیب آغا کے ہمراہ کمرے سے باہر آ گئے۔ طیب آغا نے مسکراتے ہوئے اردو میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ نے امیر المومنین کی زیارت کر لی ہے۔ وہ ہمیں گاڑی تک چھوڑنے آئے لیکن ہم نے انہیں بتایا کہ ہمارا ہوٹل یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ہے، ہم پیدل ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہم نے سیکریٹریٹ کے عملے سے اپنا سامان واپس لیا اور ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ملا عمر سے ہماری کیا گفتگو ہوئی، اس کی تفصیلات ہم کتاب کے دوسرے ابواب میں شامل کر رہے ہیں۔

Marfat.com

ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اب ہم بہت ہلکا محسوس کر رہے تھے۔ اب ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے دورۂ افغانستان کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ ملا محمد عمر سے ملاقات ہمارے لئے غیر معمولی بات تھی۔ ناصر جسے قندھار سے روانہ ہونے میں بہت جلدی تھی اور وہ دو روز قبل ہی مایوس ہو کر واپس جانا چاہتا تھا' اب بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں نے ناصر سے کہا کہ اب اگر آپ مجھے رکنے کے لئے کہیں گے تو پھر بھی میں نہیں رکوں گا۔ اب ہم سپین بولدک کے راستے چمن اور پھر کوئٹہ روانہ ہو جائیں گے لیکن ابھی ایک کام باقی ہے۔ ناصر نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا کہ ہوٹل سے سامان اٹھانے اور رکشے میں بیٹھنے کے بعد بتاؤں گا۔ دس منٹ بعد ہم ہوٹل کے استقبالیہ پر ادائیگی کرنے کے بعد رکشے میں سوار ہو چکے تھے۔ ہم نے قندھار میں ٹیکسی اڈہ پر جانا تھا جہاں سے سپین بولدک کے لئے ٹیکسی ملتی ہے۔ میں نے ناصر سے کہا کہ مجھے ملا محمد عمر کے سیکریٹریٹ کی تصویر بنانی ہے۔ ناصر نے یہ کہہ کر سختی سے منع کیا کہ اس وقت دن کی روشنی ہے اور اگر ہم کیمرہ استعمال کرتے ہوئے پکڑے گئے تو افغانستان کا پورا دورہ ضائع ہو جائیگا۔ ہم نے اب تک جو فلمیں بنائی ہیں وہ بھی چھین لی جائیں گی' ناصر کا کہنا تھا کہ ملا عمر کے انٹرویو کی ہماری خواہش پوری ہو گئی ہے' اب اگر ان کے سیکریٹریٹ کی تصویر نہیں بنے گی تو کیا فرق پڑے گا۔ میری خواہش تھی کہ ان کی اپنی تصویر نہیں بن سکی' کم از کم ان کے دفتر کی تصویر تو بن جائے۔ میں نے پروگرام بنایا کہ میں رکشے میں بیٹھ کر سیکریٹریٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے تصویر بنالوں گا' اس مقصد کے لئے میں نے رکشہ ڈرائیور سے کہا کہ وہ ملا عمر کے سیکریٹریٹ کے سامنے سے گزر کر ہمیں اگلے چوک تک لے جائے۔ ہم نے وہاں کسی شخص کو دیکھنا ہے اور پھر اسی راستے سے واپس گزر کر ہمیں ٹیکسی اڈے تک پہنچا دے۔ میں نے رکشے میں بیٹھتے ہی کیمرہ تیار کر لیا' ناصر کے منع کرنے کے باوجود میں نے جاتے ہوئے دور سے دو تصاویر اتار لیں' واپسی پر رکشہ والے نے سیکریٹریٹ کے پچھلی طرف رکشہ موڑ لیا میں نے سیکریٹریٹ کے عقبی حصے کی دو تصاویر اتاریں اور ہمارا کام مکمل ہو گیا۔

قندھار اڈہ سے ہم نے ٹیکسی کرایہ پر حاصل کی اور سرحدی شہر سپین بولدک کی طرف روانہ ہو گئے۔ ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم سپین بولدک پہنچ گئے' یہاں پر بھی طورخم کی طرح کے حالات تھے۔ سرحد کے قریب ہونے کے باعث یہ قصبہ ایک تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ سپین بولدک سے ہمیں چمن بارڈر تک چند فرلانگ پیدل جانا پڑا۔ پاک افغان بارڈر پر واقع چمن گیٹ

Marfat.com

میں آمدورفت طورخم سے بھی کہیں زیادہ آزادانہ تھی۔ طورخم گیٹ پر لوگوں کی آمدورفت کی آزادی تھی مگر سامان چیک ہورہا تھا مگر یہاں تو صورتحال بالکل مختلف تھی۔ جیسے ہی امارت اسلامیہ افغانستان کی سرزمین سے ہم نے اگلا قدم پاکستان کی سرزمین پر رکھا' صورتحال بالکل برعکس تھی۔ ایک کھلی سڑک پر جگہ جگہ کھڑے ہوئے ملیشیا کے نوجوان کھلے عام لوگوں سے سامان لانے لے جانے کے عوض رشوت کے طور پر ایک سو روپے سے لے کر کئی ہزار روپوں تک وصول کررہے تھے۔ ٹیکسیوں کے اڈے پر ٹیکسی ڈرائیوروں نے گاڑیوں کے ڈیک کھول رکھے تھے۔ اونچی آواز میں انڈین گانے سنے جارہے تھے۔ بارڈر کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ملیشیا کے عملے کو رشوت لیتے ہوئے دیکھ کر ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ پاکستان کا علاقہ شروع ہوگیا ہے۔

Marfat.com

# ملا محمد عمر سے تفصیلی انٹرویو

س: افغانستان ابھی تک حالتِ جنگ میں ہے۔ کیا اقتصادی اور انتظامی صورتحال بحال ہونے کی امید ہے؟

ج: افغانستان ہمیں ایسے حالات میں ملا ہے کہ نہ اس میں مادی لحاظ سے کچھ ہے اور نہ ہی انتظامی لحاظ سے۔ ایسا ملک جسے پہلے روس نے تباہ کیا اور باقی کسر یہاں کی تنظیموں نے آپس میں لڑکر پوری کر دی۔ اقتصادی حالات بدترین تھے، تعلیم سمیت تمام ادارے ختم ہو چکے تھے۔ عمارتیں اور سڑکیں تباہ ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں طالبان نے آ کر جو کامیابی حاصل کی ہے وہ اس بات کی خوشخبری ہے کہ طالبان ہی اس ملک کی تعمیر کر سکتے ہیں اور یہاں ایک مضبوط اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لا سکتے ہیں۔ نظام کا قیام اور امن کی بحالی اور لوگوں سے اسلحہ اکٹھا کرنا طالبان ہی کا خاصہ ہے۔ اگر علاقائی جنگیں ختم ہو جائیں تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ افغانستان ایک بار پھر ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ انشاء اللہ مخالفین کو شکست فاش ہو گی اور دنیا افغانستان میں ایک صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ دیکھ سکے گی۔

س: افغانستان میں ہم نے دیکھا کہ لوگ امن عامہ کی صورتحال سے تو بالکل مطمئن ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ طالبان کے آنے سے امن قائم ہو گیا ہے لیکن آپ لوگوں کے معاش اور ذریعہء آمدن پیدا کرنے کے لئے کیا اقدامات کر رہے ہیں اور اقتصادی بحالی کے لئے کیا منصوبہ

Marfat.com

بندی ہورہی ہے؟

ج: افغانستان کے لئے اس وقت مشکل یہ ہے کہ باقی دنیا سے چالیس سال کے فاصلے پر ہے۔ بیس سال ہم جنگ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور باقی دنیا بیس سال مزید آگے چلی گئی۔ اقتصادی مسائل اپنی جگہ موجود ہیں لیکن یہ طالبان کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ بیس سالہ جنگ کا نتیجہ ہیں، جوروس نے ہم پر مسلط کی اور ظلم کا بازار گرم کیا۔ اسلامی امارت نے چار پانچ سالہ حکومت میں بڑے اہم مسائل حل کر دیئے ہیں، جن میں امن عدالت اور وحدت شامل ہیں۔ امن آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور عدالتی نظام سب کو بروقت اور فوری انصاف مہیا کر رہا ہے جبکہ افغان قوم جو ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ رشید دوستم وغیرہ اور دوسروں نے یہ کوشش کی تھی کہ افغانستان کو نسلی بنیادوں پر تقسیم کر دیا جائے لیکن الحمد للہ اسلامی امارت کے قیام سے تقسیمِ افغانستان کی تمام باتیں ختم ہوگئی ہیں۔ اقتصادی مشکلات کی کچھ وجوہات ہیں، جن میں افغانستان پر عالمی پابندیاں، جنگ کی حالت اور وسائل کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ طالبان کے مخالفین کے مختلف حربے شامل ہیں۔ اس وقت ہمیں ایک سنگین مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے مخالفین بڑی تعداد میں افغان کرنسی روس میں چھاپ کر یہاں پھیلا رہے ہیں جس سے افراطِ زر پیدا ہو رہا ہے اور کرنسی کی قیمت کم ہو رہی ہے، مخالفین اسلامی امارت کو غیر مستحکم کرنے کے لئے جنگ بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کام میں ہمارے دشمن ممالک بھی ان کی مدد کر رہے ہیں، ان حالات میں روزگار کے مواقع بھی محدود ہیں۔ ہم جنگ کو ہار نہیں سکتے کیونکہ اس کے ہارنے سے ہم امن، عدالت اور وحدت بھی ہار جائیں گے۔ کیونکہ ہم نے جنگ کے ذریعے یہ تین چیزیں حاصل کی ہیں، اسی وجہ سے ہم ابھی اقتصادی مسائل کی طرف توجہ نہیں دے سکتے ہماری ساری توجہ جنگ کی طرف ہے، تاہم اگر ہم جنگ سے نجات پالیں تو ہم افغان قوم کی بدقسمتی کم کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے تمام مسائل جنگ نے پیدا کئے ہیں۔ اقتصادی مسائل طالبان کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ طالبان اپنے وسائل میں رہ کر امورِ مملکت چلا رہے ہیں۔ ہم پر اللہ کی طرف سے بھی امتحانات ہیں، اقتصادی پابندیاں ایک طرف، افغانی کرنسی کا بڑی تعداد میں پھیلایا جانا دوسری طرف، اس کے علاوہ خشک سالی بھی ایک بڑا امتحان ہے۔ ان تین مسائل نے ہر افغان کو پریشان کر رکھا ہے، لیکن ہم اللہ سے ناامید نہیں ہیں۔ انشاء اللہ جلد ان مسائل سے نجات مل جائیگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت دے کہ ہم جو چالیس سال پیچھے چلے

Marfat.com

گئے ہیں' ہم کم وقت میں تعمیرِ نو اور بحالی کی طرف بڑھ سکیں۔ طالبان بھی عام انسانوں کی طرح مخلوق ہیں' دو ہاتھ اور دو پاؤں رکھتے ہیں۔ اپنی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں' ملک میں قیامِ امن کے لئے جانوں کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ مدارس میں قرآن پڑھنے والے' اسلحہ چلانے سے نابلد طالبان نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے آج افغانستان کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ اسلحہ اکٹھا کرنے کا جو کام اقوامِ متحدہ پچاس سالوں میں نہیں کر سکتا تھا وہ طالبان نے مختصر ترین وقت میں کر دکھایا۔ افغانوں کی روایت ہے کہ وہ باہر کے کسی شخص کے سامنے نہ جھکتے ہیں اور نہ ہی اسلحہ ان کے حوالے کرتے ہیں۔ طالبان کے ساتھ ان کے تعاون کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کی مسجد و محراب کے رہبر ہیں۔ افغانستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ جب انگریز نے افغانستان پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو پانچ سو سے زائد علماء مجاہدین کے لشکروں کے سربراہ تھے اور لوگوں نے ان کا اس لئے ساتھ دیا کہ افغان قوم اسلام کے علاوہ کسی اور کے آگے جھکنا نہیں چاہتی۔ وہ اسلام کی خاطر قربانی دینے کے لئے اس لئے تیار ہو گئے تھے کیونکہ یہ بات انہیں علماء بتا رہے تھے' یہ وہ قوم ہے جو ہر بیرونی طاقت کے خلاف لڑنے اور مرنے کے لئے تیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب احمد شاہ مسعود کو روس کی حمایت ملنے لگی تو اس کے ساتھ شامل کئی افغان کمانڈر ہمارے ساتھ آ کر مل گئے۔ انشاء اللہ جنگ جلدی ختم ہو گی اور جنگی وسائل تعمیر و ترقی کے کام آئیں گے' کرنسی کا مسئلہ ختم ہو جائیگا' بعض ممالک اس انتظار میں ہیں کہ جنگ ختم ہو اور وہ افغانستان سے رابطہ بڑھائیں۔ اس طرح دوسرے ممالک بھی افغانستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیں گے۔ جنگ کے خاتمے پر ترقی یقینی ہے۔

س: افغانستان کا ایک بڑا مسئلہ عالمی پابندیاں ہیں۔ عالمی میڈیا کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ ان پابندیوں میں امریکہ کا ہاتھ ہے اور جس کا بڑا مطالبہ یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے کیا جائے۔ آپ نے اسامہ کی خاطر پابندیاں قبول کر لی ہیں' کیا کبھی عوام کی طرف سے آپ پر دباؤ نہیں پڑا جس میں عوام کہتے ہوں کہ اسامہ کی خاطر ان کو معاشی بدحالی دے کر سزا کیوں دی جا رہی ہے؟

ج: اسامہ کی خاطر افغانی بہت بڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ امریکہ سمجھ رہا تھا کہ اسامہ کی شرط پر افغان قوم دب جائے گی مگر افغانیوں نے اس پر امریکہ کے خلاف سخت احتجاج کیا اور

Marfat.com

اسلامی امارت کو بھی خبردار کیا کہ اگر اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا گیا تو ہم طالبان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ افغان غیرت مند قوم ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسامہ کا مسئلہ صرف امریکہ اور طالبان کا مسئلہ نہیں ہے۔ امریکہ اس کے ذریعے پوری دنیا پر وہائٹ ہاؤس کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہے لیکن ہم وہائٹ ہاؤس کا قانون نہیں چلنے دیں گے۔ ان حالات میں ہمارے پاس دو راستے تھے' یا ہم امریکہ کی مانتے یا اللہ کی فرمانبرداری کرتے۔ ہم نے اللہ کی فرمانبرداری کو ترجیح دی۔ اس کی مثال موجود ہے کہ امریکہ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ربانی آج خود نہیں ہے مگر افغانستان موجود ہے۔ اس سے پہلے روس نے بھی دنیا پر تسلط جمانے کی کوشش کی تھی لیکن جب اس کی ٹکر اسلام سے ہوئی تو خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ خود ایک روسی جرنیل کا کہنا ہے کہ افغانستان روس کے لئے ایک ایسی بارودی سرنگ ثابت ہوا ہے جس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ امریکہ بھی روس کے خلاف تیرہ چودہ سال جہاد کی حمایت کرتا رہا' اسامہ بھی ایک مجاہد مسلمان ہے جس نے افغان جہاد میں حصہ لیا لیکن جہادِ افغانستان کے بعد امریکیوں کو سب سے بڑا خطرہ اسلام سے محسوس ہونے لگا۔ اور یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ جو لوگ مذہب کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ پوری دنیا پر اپنا تسلط چاہتا ہے مسلمان اور اسلام ہی اس کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اسی وجہ سے اسے طالبان سے خوف ہے اگرچہ طالبان نے امریکہ کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی' لیکن امریکہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کی ایک خود مختار حکومت قائم ہو سکے۔ اسامہ کو بہانہ بنا کر طالبان کو ٹارگٹ کر رہا ہے' جو امریکہ کے اس خوف کی نشان دہی کر رہا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ امریکہ نے خود اشارہ دیا ہے کہ صرف اسامہ اس کا مسئلہ نہیں ہے' امریکہ افغانستان میں مغربی جمہوریت اور مغربی کلچر قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اسلام اور قرآن و سنت کے قانون کا نفاذ نہیں چاہتا۔ وہ قصاص کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کہتا ہے حالانکہ قصاص کا قانون اس لئے نافذ ہے کہ مسلمان کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ ایک طرف تو وہ ایسے قوانین کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کہہ رہا ہے جبکہ دوسری طرف پابندیاں عائد کر کے لاکھوں لوگوں کی زندگیوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے حالانکہ ہم اس لئے قصاص لیتے ہیں کہ اس سے ایک تو امن پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک قصاص ہزاروں انسانوں کے سروں کا مہر ہوتا ہے۔ امریکہ کے یہ مطالبات دراصل اسلام کو کمزور کرنے کے لئے ہیں' اسامہ کو حوالے کرنے کے مطالبات

Marfat.com

اسلام کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہیں۔ افغان بڑی غیور قوم ہے' کسی کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنے مہمان کو کسی صورت امریکہ کے حوالے نہیں کریں گے' یہ افغانیوں کا مزاج ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کے گیارہ سفارتکار کابل میں تھے جن کے لئے پوری دنیا نے کوشش کی تھی کہ انہیں حوالے کیا جائے لیکن افغان قوم نے انہیں حوالے نہیں کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اور ہماری پناہ میں ہیں۔ ہماری ملی اور مذہبی اقدار اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہم کسی بھی قیمت پر اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہ کریں اور یہ حکومت کے لئے خوش قسمتی ہے کہ اگر ہم اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے کا ارادہ کر بھی لیتے عوام کے غیض وغضب سے کیسے بچ پاتے۔ افغان اپنے آپ کو قربان کرنا جانتے ہیں مگر کسی کی اطاعت قبول نہیں کرتے۔ افغانیوں سے مراد وہ افغان ہیں جو افغانستان میں رہتے ہیں۔ افغانی اقدار اور مذہبی اصولوں کو جانتے ہیں' انہوں نے جہاد میں حصہ لیا ہے۔ یہ 95 فیصد افغانی ہیں جو اسلامی نظام کے خواہاں ہیں۔ صرف پانچ فیصد ایسے لوگ ہیں جنہوں نے روس کو بھی خوش آمدید کہا تھا جو اب بھی مغربی جمہوریت اور مغربی کلچر کا فروغ چاہتے ہیں' یہ محدود لوگ ہیں۔ چونکہ مغربی میڈیا تک ان کی پہنچ ہے اس لئے یہ ان کو اکثریت میں نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ جو پہلے کمیونزم اور اب امریکہ کے طرف دار ہیں وہ اسامہ کو حوالے کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اگر ہم نے اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا تو یہ قرآن اور سنت کی خلاف ورزی ہوگی۔

س: امریکہ کی ناراضگی تو اسامہ کی وجہ سے ہے مگر سعودی عرب بھی آپ سے کچھ ناراض ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: وہ بھی شیخ اسامہ کی وجہ سے ناراض ہے' اس کا مطالبہ بھی ہے کہ اسامہ ان کے حوالے کیا جائے سعودی عرب بھی اسامہ کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت مہیا نہیں کر سکا جس سے معلوم ہو سکے کہ اسامہ دشت گرد ہے۔ حالانکہ سعودی عرب ان ممالک میں شامل ہے جنہوں نے طالبان کو تسلیم کیا ہے۔ چونکہ افغانستان اور سعودی عرب میں اسلامی شریعت نافذ ہے اس لئے یہ قدر مشترک انہیں دوبارہ قریب لائے گی۔

س: کیا سعودی عربی میں افغانستان کا سفارتخانہ بند ہے؟

ج: سفارتخانہ تو موجود ہے مگر سفیر نہیں ہے۔

Marfat.com

س: کچھ عرصہ قبل ایران کے ساتھ آپ کی بڑی سخت کشیدگی رہی ہے۔ کیا اب حالات بہتر ہو رہے ہیں' یا اسی طرح کشیدہ ہیں؟

ج: ایران کے ساتھ تعلقات میں کچھ بہتری ہوئی ہے اور رابطے بحال ہو رہے ہیں۔ جوں جوں افغانستان پر ہمارا قبضہ بڑھ رہا ہے' ایران کا جھکاؤ افغانستان کی طرف زیادہ ہو رہا ہے۔ مخالفین کی شکست کے بعد ایران مجبور ہو کر ہمارے ساتھ تعلقات بڑھائے گا اور سفارتی تعلقات بحال کرے گا۔ ایران کی سب سے بڑی مشکل افغانستان سے منشیات کی سمگلنگ ہے' اس کی روک تھام کے لئے اس نے اربوں ڈالر خرچ کئے تاہم ہماری طرف سے منشیات پر پابندی کے اعلان کے بعد ایران سے تعلقات میں بہتری آئی ہے۔ ہمارا زیادہ تر بارڈر ایران کے ساتھ ہے اور بارڈر کے ساتھ ساتھ بڑے علاقے میں پوست کی کاشت ہوتی تھی جس سے ایران کو بہت تشویش تھی۔ جب سے پوست کی کاشت کو امارتِ اسلامیہ نے ممنوع قرار دیا ہے' ایران کی تشویش کم ہوئی ہے۔

س: جس طرح آپ سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اسامہ کو ان کے حوالے کر دیں' کیا آپ بھی ایسے ممالک سے مل کر مطالبہ کر سکتے ہیں جہاں آپ کے مخالفین ربانی' دوستم' حکمت یار اور مالک وغیرہ موجود ہیں؟

ج: ہم نے ابھی تک کسی ملک سے مخالفین کو ہمارے حوالے کر دینے کا مطالبہ اگرچہ نہیں کیا لیکن یہ لوگ وہاں بیٹھ کر ہمارے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ ہم انہیں یہی کہتے ہیں کہ آپ خاموش رہیں' لیکن وہ حکومت میں آدھا حصہ مانگتے ہیں۔ ہم انہیں جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے پہلے کیا کچھ کیا ہے کہ اب انہیں حکومت میں شامل کر لیں۔ آپ لوگ آئیں' آرام سے رہیں مگر سازشیں نہ کریں۔ ہم آپ کو ہر قسم کا تحفظ دیں گے۔ جہاں تک جنرل عبدالمالک اور دوستم کا تعلق ہے' وہ ہمارے جنگی مجرم ہیں ان کے خلاف ہمارے پاس ثبوت ہیں۔ ان لوگوں نے بہت ظلم کئے ہیں۔ ایران نے بعض افغان رہنماؤں کو پناہ دے کر سفارتی غلطی کی ہے' تاہم اب انہیں ہمسائیگی کا احساس ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم سے روابط چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایران امریکی استعمار کا شکار ہے اور افغانستان بھی اسی مشکل میں ہے۔ ایران کے لئے اپنے بڑے دشمن کے خلاف نمٹنے کے لئے افغانستان سے تعلقات ٹھیک کرنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایران اور

Marfat.com

افغانستان کے مقاصد بھی ایک ہیں اور ایرانی حکومت جہاں شدت پسند ہے وہاں سیاسی اثر ورسوخ والے لوگ بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے تعلقات میں بہتری آ رہی ہے۔ جلال آباد اور ہرات میں ان کے قونصل خانے کھول دیئے گئے ہیں۔ اب سفارتخانہ بھی بنانا چاہتے ہیں۔

س: پاکستان کے ساتھ آج کل آپ کی حکومت کے تعلقات کیسے ہیں؟

ج: پاکستان ہمارا برادر اسلامی ملک ہے۔ پاکستان کی حکومت اور عوام نے روس کے خلاف جہاد میں جس طرح افغان قوم کا ساتھ دیا' وہ ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ پاکستان نے نہ صرف افغان عوام کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دیئے بلکہ پاکستانی مجاہدین نے افغان جہاد میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ پاکستانی بھائیوں نے افغانیوں کے ساتھ مل کر مکہ اور مدینہ کی تاریخ دہرائی ہے۔ اس وقت بھی اسلامی امارت کو پاکستان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ دونوں ممالک کے سفارتی تعلقات بھی موجود ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ پیش بھی آیا ہے تو دو طرفہ بات چیت سے حل ہو گیا ہے۔ بعض مواقع پر تعلقات میں مشکلات پیش آئی ہیں مگر مذاکرات کے ذریعے حل کر لی ہیں۔ پاکستان طالبان کا خیر خواہ ہے' پاکستان خود مشکلات سے دوچار ہے لیکن وہ افغانستان کی تعمیر نو میں ہمارا ہاتھ بٹا رہا ہے اور دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جنہوں نے اسلامی امارت کی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔

س: امارتِ اسلامیہ کے امورِ مملکت کا طریقہ کار کیا ہے؟ اس وقت افغانستان میں جو طرزِ حکومت قائم ہے اسے کیا نام دیں گے؟

ج: اس وقت دنیا میں مختلف طرز ہائے حکومت موجود ہیں' ایک بادشاہت' دوسری جمہوریت اور تیسری امارت۔ جمہوریت میں وزیرِ اعظم کے پاس زیادہ اختیارات ہوتے ہیں' لیکن اس نظام میں تعداد کو اہمیت دی جاتی ہے' علم و دانش کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ دوسرا طرز حکومت بادشاہت جس میں فردِ واحد پوری سلطنت کا مالک ہوتا ہے' وہ سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے اور اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کرتا ہے۔ تیسرا طرزِ حکومت امارت ہے جو اسلامی ہے جس میں امیر کے پاس کامل اختیارات ہوتے ہیں لیکن ساتھ شوریٰ بھی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں امارت کا نظام رائج ہے جس میں امیر کے بعد رئیس الوزراء ہے اور بعد میں وزراء کی شوریٰ ہے۔ ہم نے ہر پانچ صوبوں کو ایک گورنر کے ماتحت کر دیا ہے۔ امیر صرف قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے یا احکامات جاری کرتا ہے

Marfat.com

اور طالبان اس کے شرعی احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس طرزِ حکومت پر کسی کو کوئی اختلاف نہیں' کابینہ اور گورنروں کو تبدیلی پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ سب ایک مقصد کے تحت کام کرتے ہیں۔

س: کیا افغانستان کے اندر پولیس اور عدلیہ کا باقاعدہ نظام موجود ہے یا طالبان جسے چاہیں پکڑ کر سزا دے دیں؟

ج: ہمارے ہاں پولیس اور عدالت دو علیحدہ ادارے ہیں۔ منکرات کے خاتمے کے لئے علیحدہ وزارت ہے جسے وزارت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نام دیا گیا ہے۔ اسے مذہبی پولیس کہا جاتا ہے' جو روزمرہ منکرات کے خاتمہ کے لئے سرگرم عمل رہتی ہے۔ اس کا عدالت سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ یہ خود فیصلے کرتی پھرے۔ افغانستان میں عدالت ایک علیحدہ اور خودمختار ادارہ ہے' عدالت کے تین محکمے ہیں۔ ضلع کی سطح پر ابتدائیہ جسے آپ کے ہاں سیشن کورٹ کہا جاتا ہے' صوبے کی سطح پر مرافع' جسے آپ ہائی کورٹ کہتے ہیں جبکہ تیسرا درجہ تمیز ہے جو زون کی سطح پر ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک مرکزی عدالت بھی موجود ہے جہاں قاضی القضاۃ بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مطمئن نہ ہو تو وہ امیر کو درخواست دیتا ہے' جس پر علماء کی خفیہ کمیٹی بنائی جاتی ہے جسے خصوصی عدالت کہا جاتا ہے۔ اس میں جن علماء کا انتخاب کیا جاتا ہے ان کا علم کسی فریق کو نہیں ہوتا۔ وہ آزادانہ طور پر کیس کی انکوائری کرتے ہیں اور پھر اس پر فیصلہ دیتے ہیں' جس کے بعد سزا دی جاتی ہے ہمارے ہاں عدالتی نظام میں ناانصافی کا تصور بھی نہیں ہے۔ مخالفین نے یہ پراپیگنڈہ کیا تھا کہ جج رشوت لیتے ہیں۔ اگرچہ یہ پراپیگنڈہ تھا لیکن اس کے باوجود ہم نے سزا مقرر کر دی کہ رشوت لینے والے جج کو پانچ سال قید سنائی جائیگی۔ تاہم اب تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

س: آپ کی حکومت نے پوست کی کاشت کے خاتمے کا جو فیصلہ کیا ہے' کیا یہ UNO کے دباؤ کی وجہ سے کیا گیا ہے یا آپ کا اپنا فیصلہ ہے۔ یہ بھی بتائیں کہ اقوام متحدہ پابندیوں کے باوجود بھی افغانستان کی کوئی مدد کر رہا ہے۔ کیونکہ افغانستان کے ہر علاقے میں UNO کی گاڑیاں بڑی تعداد میں نظر آتی ہیں؟

ج: ہم پر اقتصادی پابندیاں لگائی گئی ہیں' تاہم UNO کی طرف سے انسانی امداد بند نہیں ہوئی جواب بھی تھوڑی بہت جاری ہے۔ آپ کو جو اقوام متحدہ کی گاڑیاں اور دفاتر نظر آئے ہیں' یہ

Marfat.com

سب کچھ ویسے ہی ہے۔ افغانستان میں جتنا UNO کا نام نظر آ رہا ہے اس کا کام اتنا نہیں ہے۔ جہاں تک پوست کی کاشت کے خاتمے کا فیصلہ ہے' یہ ہمارا اپنا شریعت کے مطابق فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ ہم نے خدا کی خوشنودی کے لئے کیا ہے۔ UNO یا امریکہ کے دباؤ کی وجہ سے نہیں کیا۔ ہم نے تمام صوبائی گورنروں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس دفعہ پوست کی کاشت نہ ہونے دیں۔ اس سلسلے میں سرحدی علاقوں میں تھوڑی مشکل پیش آ رہی ہے' انشاءاللہ اس پر بھی جلد قابو پالیں گے۔ اس کے لئے خصوصی احکام جاری کر دیئے گئے ہیں۔ ہم تمام امور اسلام کے مطابق چلا رہے ہیں اور اسی کے لئے حکومت حاصل کی ہے۔ اسلام کے نفاذ کے بغیر ہمیں حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔

س: کشمیر' چیچنیا اور فلسطین کے بارے میں آپ کی حکومت کا مؤقف کیا ہے؟

ج: کشمیر کے حوالے سے ہمارا مؤقف بڑا واضح ہے۔ بھارت کشمیر میں مظالم بند کرے' اقوامِ متحدہ کی قرارداد پر عمل کیا جائے اور کشمیر کا مسئلہ وہاں کے عوام کی خواہش کے مطابق حل ہونا چاہیے۔ دنیا بھر میں جہاں بھی مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں ہم ان کی مذمت کرتے ہیں اور ہماری تمام ہمدردیاں مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہیں' چیچنیا پر بھی ہمارا مؤقف واضح ہے۔ اگرچہ اقوامِ متحدہ نے ہمیں تسلیم نہیں کیا لیکن ہم نے چیچنیا کو آزاد ریاست کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ ہمارا پورا تعاون چیچنیا کے مظلوم عوام کے ساتھ ہے۔ ہم نے کابل اور کندھار میں چیچنیا کو سفارتخانے کے لئے جگہ بھی دے دی ہے' ہم اس قابل ہوئے تو چیچنیا کو مالی امداد بھی فراہم کریں گے۔ بالکل اسی طرح ہم فلسطین کی مکمل آزادی کے حامی ہیں۔ جہاں بھی یہود و ہنود کا قبضہ ہے' ہم وہاں کے مظلوم لوگوں کا ساتھ دیں گے۔

س: اب تک آپ کو کن ممالک کے بارے میں شواہد ملے ہیں جو آپ کے مخالف شمالی اتحاد کو امداد فراہم کر رہے ہیں؟

ج: جو ممالک بھی امارتِ اسلامیہ کے خلاف ہیں وہ شمالی اتحاد کو امداد فراہم کر رہے ہیں۔ شمالی اتحاد کا سب سے بڑا حامی اقوامِ متحدہ ہے جس نے اسے افغانستان کا نمائندہ تسلیم کر رکھا ہے۔ دنیا پر اقوامِ متحدہ کی حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ جو 95 فیصد افغانستان پر حکومت کر رہے ہیں ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور جو پانچ فیصد حصہ پر قابض ہیں انہیں UNO اقتصادی امداد دے رہا ہے۔ شمالی اتحاد کو سب سے زیادہ فوجی امداد تاجکستان کے علاقہ کولاب سے

Marfat.com

مل رہی ہے جو احمد شاہ مسعود کا خاص مرکز ہے۔ اس کے علاوہ انڈیا اور روس بھی شمالی اتحاد کو فوجی امداد دے رہے ہیں۔

س: آپ طالبان کے سپریم کمانڈر بھی ہیں' جنگ کی لمحہ بہ لمحہ صورتحال سے آگاہ بھی ہیں۔ آپ بتائیں کہ اس وقت طالبان کن علاقوں تک پہنچ گئے ہیں اور مخالفین کے پاس کون سے علاقے باقی ہیں؟

ج: الحمدللہ طالبان تقریباً تمام افغانستان پر قابض ہو چکے ہیں صرف ایک بدخشان صوبہ جبکہ پروان' کاپسیا اور تخار کے چند علاقے مخالفین کے پاس ہیں۔ تخار کے اہم شہر امام صاحب پر قبضے کے بعد شمالی اتحاد کو تاجکستان سے ملنے والی کمک بند ہو چکی ہے۔ مجاہدین نے کنٹر کے راستے بدخشان پر بھی حملے شروع کر دیئے ہیں جبکہ وادیء پنج شیر کے محاصرے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سے امید ہے کہ باقی ماندہ علاقے بھی بہت جلد اسلامی امارت کے قبضے میں آ جائیں گے۔

س: مغربی میڈیا طالبان پر یہ الزام عائد کر رہا ہے کہ یہاں انسانی حقوق خصوصاً خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ وہ اس کی بڑی مثال یہ پیش کرتے ہیں کہ خواتین کے تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے ہیں اور خواتین کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ آپ بتائیں کہ اس الزام میں کہاں تک صداقت ہے؟

ج: یہ الزام بھی اسلامی امارت کے خلاف پراپیگنڈہ کا حصہ ہے۔ ہم خواتین کی تعلیم کے نہ ہی خلاف ہیں اور نہ ہی پابندی عائد کی ہے۔ جنگ اور وسائل کی کمی کی وجہ سے ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ خواتین کے لئے تعلیمی ادارے قائم کر سکیں اور انہیں ٹرانسپورٹ کی سہولت دے سکیں۔ اس حوالے سے مغربی پراپیگنڈہ انسانی حقوق کے لئے نہیں ہے بلکہ مغربی کلچر کے فروغ کے لئے ہے۔ وہ خواتین کا پردہ ختم کر کے مغرب کا بے حیا نظام یہاں لانا چاہتے ہیں۔ یہاں کے لڑکوں کے لئے چار دیواری کے بغیر ٹوٹی پھوٹی عمارتوں میں سکول قائم کر دیئے گئے ہیں مگر خواتین کے لئے باقاعدہ تعلیمی اداروں کی عمارتوں کی تعمیر کی ضرورت ہے۔ ہم جیسے ہی جنگ سے فارغ ہوں گے خواتین کے لئے شریعت کے مطابق مکمل تعلیم کے انتظامات کریں گے۔

Marfat.com

# اسامہ بن لادن کون ہے؟

17 اپریل 1979ء کو افغانستان کمیونسٹ خلق پارٹی کے لیڈر نور محمد ترہ کئی نے روس کے اشارے پر صدر داؤد کی حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں کمیونسٹ حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا تھا ٹھیک دس دن بعد 27 اپریل 1979ء کو افغانستان کے علاقے دار شحیل سے مولانا عبدالغنی نے سب سے پہلے اس انقلاب کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے گولی چلا دی۔ مولانا عبدالغنی کی بندوق سے نکلنے والے اس فائر نے نہ صرف تمام عالم اسلام بلکہ دنیا بھر میں مفادات اور فکر کی نئی جہتیں متعین کر دیں اور یوں یہ اعلان جہاد افغانستان کی فکری و جغرافیائی سرحدیں توڑتا ہوا تمام عالم میں پھیل گیا۔ افغان کے بعد جس قوم نے جہاد کی اس پکار پر آگے بڑھ کر لبیک کہا وہ جزیرۃ العرب، خلیج اور شمالی افریقہ میں پھیلے عرب تھے اسامہ بن لادن اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

1990ء کے بعد جب عالمی میڈیا میں اسامہ بن لادن کا نام گونجا تو ایک دنیا اس کے حالاتِ زندگی اور پس منظر سے آگاہی کے لیے بے تاب ہونے لگی۔ امریکہ اور یورپ کا میڈیا اسے مغرب کے لیے نیا خطرہ اور عالمی دہشت گرد قرار دے رہا ہے جبکہ امریکہ اور یورپ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کو اس کی شکل میں اپنا نجات دہندہ نظر آتا ہے اور وہ اسے

Marfat.com

جدید عہد کا صلاح الدین ایوبی قرار دیتے ہیں۔ پاکستان کے اندر اور باہر اسامہ بن لادن کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر ابھی تک اس کی عبقری شخصیت کا مکمل طور پر احاطہ نہیں ہو سکا ہے' ابھی تک معاملات کو صرف جذباتی تناظر میں دیکھا گیا ہے بہت سے ایسے سوالات ہیں جن کا واضح جواب ابھی تک نہیں دیا جا سکا۔ کیا امریکی دعوؤں کے مطابق اسامہ بن لادن واقعی دہشت گرد ہے؟ کیا دنیا بھر میں امریکی مفادات پر حملے کرانے میں اسامہ کا ہاتھ ہے؟ کیا امریکی دہشت گردی کا جواب دینا دہشت گردی کہلائے گی یا فریق ثانی کا اخلاقی حق.....؟ اسامہ کو اسامہ بنانے میں کن قوتوں اور حالات کا ہاتھ رہا ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا ماضی میں جھانکنا ہوگا۔

1932ء میں سعودی مملکت کے قیام کے ساتھ ہی جزیرۃ العرب میں ترقی و خوشحالی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا' اس وقت تک یہ علاقہ تمدنی اور فکری لحاظ سے انتہائی پسماندہ تصور کیا جاتا تھا اس خطے کی نہ صرف تمدنی حالت درست ہونے والی تھی بلکہ فکری سطح پر بھی اصلاح کی اشد ضرورت تھی' یہ دونوں اہم کام مملکت کے بانی شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے احسن طریقے سے انجام دیئے۔ 1938ء میں یہاں تیل کی دریافت نے ترقی کے مزید راستے کھول دیئے اور مملکت کی تعمیر اور ترقی میں تیزی آنے لگی۔ دنیا بھر سے لوگ اس کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لینے کے لیے یہاں کا رخ کرنے لگے۔ انہی میں سے ایک شخص محمد بن عوض بن لادن تھا جو یمن سے اپنی ایک ٹوٹی پھوٹی جیپ میں سعودی عرب آیا' اسے تعمیرات کے شعبے میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ پھر اسے شاہ عبدالعزیز کا مقرب خاص ہونے کا شرف حاصل تھا اور شہزادہ فیصل بن عبدالعزیز (شاہ فیصل شہید) سے بھی انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ سعودی شہریت اختیار کرنے کے بعد محمد بن عوض نے یہاں ایک بن لادن کنسٹرکشن کمپنی قائم کی جس نے سعودی عرب کے طول و عرض میں سڑکوں' جدید عمارتوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ جلد ہی محمد بن عوض کا شمار سعودی عرب کی متمول شخصیات میں ہونے لگا۔ تاہم ان کی دلچسپی صرف دولت کے حصول تک محدود نہ تھی' اسے دین سے بھی بے پناہ لگاؤ تھا اور دیندار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ قدرت نے ایک دردمند دل عطا کیا تھا۔ دولت آ جانے کے بعد اس نے بہت سے دینی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔

محمد بن عوض کا شمار سعودی عرب کی ان چند گنی چنی شخصیات میں ہوتا تھا جن کے پاس اپنے

Marfat.com

ذاتی طیارے تھے اور اس کے بارے مشہور تھا کہ وہ ظہر کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرتا ہے۔ (1976ء تک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس تھا) مغرب حرم مکی میں تو عشاء مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا کرتا ہے۔

1948ء میں فلسطین کی سرزمین پر عالمی طاقتوں کی ملی بھگت سے اسرائیل کی ناجائز ریاست کا قیام عمل میں آ چکا تھا اور فلسطینی عوام اس کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے لگے تھے۔ ابتلاء کے اس دور میں تمام عالم اسلام خصوصاً عالم عرب فلسطینی عوام کے شانہ بشانہ کھڑا ہو گیا مگر بدقسمتی سے مسلمان عسکری لحاظ سے اتنے طاقتور نہیں تھے کہ کوئی بڑی اور منظم تحریک شروع کی جاتی اس لیے ملکی سطح کے ساتھ ساتھ انفرادی اور تنظیمی سطح پر فلسطینی عوام کی مدد کی جانے لگی۔ محمد بن عوض نے بھی فلسطینی محاذ میں حصہ لیتے ہوئے اپنے کاروبار میں سے بڑی رقم آزادیٔ فلسطین کی تحریک کے لیے وقف کر دی۔ اپنے مشکل وقت میں بن لادن خاندان کے اس تعاون اور امداد کو فلسطینی کبھی نہ بھول سکے۔

محمد بن عوض بن لادن نے متعدد شادیاں کیں، جن سے اس کے 64 بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام عبدالعزیز بن لادن ہے جو محمد بن عوض کے بعد بن لادن کاروباری ایمپائر کا سربراہ ہے۔ محمد بن عوض 1967ء میں جنوبی طائف میں طیارے کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔

اسامہ بن لادن نے 1957ء میں ریاض میں آنکھ کھولی، بچپن کا بڑا حصہ اور ابتدائی تعلیم مدینہ منورہ میں حاصل کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں اسامہ کا تعلیمی دور 1970ء کے لگ بھگ شروع ہوا، شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں وہ اقتصادیات کے شعبے سے وابستہ تھا، مگر اس درس گاہ سے اس نے دین اسلام سے متعلق کئی علوم میں بھی دسترس حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سول انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی اور ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی میں اس کے ساتھ بہت سے فلسطینی مہاجر نوجوان بھی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

70ء کی دہائی کے بعد سعودی عرب اور خلیج کے دوسرے ملکوں نے فلسطینیوں کی تعلیمی و معاشی ذمہ داریاں عملاً سنبھال لی تھیں اور اس دوران میں اسرائیل کے خلاف ان کی مسلح جدوجہد میں بھی

Marfat.com

بڑی تیزی آ چکی تھی۔ فلسطینیوں کی بہت سی جماعتیں پی ایل او کے پلیٹ فارم سے اکٹھی اسرائیل کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں۔ ان جماعتوں میں اسلامی فکر کی حامل جماعتیں بھی تھیں اور سیکولر بھی، پی ایل او اور اسرائیل کی کشمکش کا بڑا مرکز مشرق وسطیٰ کے بعد یورپ تھا جہاں فلسطینیوں اور موساد کے درمیان متعدد بار پنجہ آزمائی ہو چکی تھی کہ فلسطینیوں کی بڑی تعداد 70ء کی دہائی کے شروع میں ہی یورپ خصوصاً مشرقی یورپ میں آباد ہو چکی تھی، جہاں انہوں نے عرب ممالک اور دوسری اسلامی تنظیموں کے تعاون سے بڑے بڑے مراکز قائم کر لیے تھے۔ یورپ میں بن لادن کمپنی کے دفاتر بھی اس مقصد کے لیے فلسطینیوں کے معاون تھے۔ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں زیر تعلیم ایک فلسطینی نوجوان عبداللہ عزام بھی پی ایل او میں شامل اسلامی تنظیموں کا سرگرم رکن تھا۔ غزہ سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان اپنے وطن اور قبلہ اول کی آزادی کے لیے انتہائی متحرک تھا۔ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں عبداللہ عزام کی تعلیم کا دورانیہ بھی لگ بھگ وہی ہے جب اسامہ اس درسگاہ میں زیر تعلیم تھا۔ 1977ء تک پی ایل او میں شامل اسلامی تنظیمیں یاسر عرفات کے امریکہ کی جانب ذہنی جھکاؤ اور تنظیم میں مالی بدعنوانیوں کی وجہ سے بڑی حد تک متنفر اور باغی ہو چکی تھیں اور بہت سی تنظیموں نے پی ایل او کے ساتھ تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ ہنگری، یونان، جرمنی، فرانس اور چیکوسلواکیہ میں قائم فلسطینی مراکز آزادنہ طور پر کارروائیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان فلسطینیوں کی اکثریت ذہنی طور پر اسلامی تنظیموں کے ساتھ وابستہ ہو چکی تھی۔

یہ جدوجہد ابھی اپنی جگہ جاری تھی کہ دسمبر 1970ء کے آخر میں سابق سوویت یونین نے اپنی فوجیں افغانستان میں داخل کر دیں۔ اس سے قبل روس کے تمام وفادار گماشتے جن میں سردار داؤد، نور محمد ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین شامل تھے، افغانستان کے اسلامی تشخص کو کچلنے میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے جبکہ نور محمد ترہ کئی کے حکومت سنبھالتے ہی بجائے اس کے کہ افغانستان ''سرخ انقلاب'' کی آغوش میں چلا جاتا، وہاں اسلامی تحریک مزاحمت نے سر اٹھا لیا۔ یہ وقت وہ تھا جب سوویت یونین کے نام سے امریکی کانپتے تھے اور دنیا کے ہر محاذ پر انہیں پسپائی کا سامنا تھا۔ رہی سہی کسر ایرانی انقلاب کے دوران نکل چکی تھی۔ ایسی صورتحال میں امریکہ نے سوویت یونین کو افغانستان میں الجھانے کا منصوبہ تیار کیا۔ نور محمد ترہ کئی نے انقلاب اور اسلامی تحریک مزاحمت کے بارے میں امریکہ اور یورپی ممالک کا میڈیا بڑھا چڑھا کر خبریں پھیلا رہا تھا اس کے جواب میں

Marfat.com

سوویت یونین نے وہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا جو بعد میں اس کی تباہی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ روس نے اپنے پانچویں مہرے ببرک کارمل کو افغانستان کا صدر بنانے کا فیصلہ کیا ببرک کارمل افغانستان کی کمیونسٹ پرچم پارٹی کا لیڈر تھا جو نور محمد ترہ کئی کے زمانے سے کمیونسٹ ملک چیکوسلواکیہ کے دارالحکومت پراگ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ روس نے افغانستان میں فوجیں داخل کرنے کے لیے بہانہ تراشا کہ کابل حکومت نے ہم سے بیرونی (مجاہدین کی) مداخلت کا مقابلہ کرنے کے لیے امداد طلب کی ہے اور ہم اپنے دوست (کابل حکومت) کی مدد کو آئے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ 27 نومبر 1979ء کو روسی فوجوں نے افغانستان میں داخل ہوتے ہی حفیظ اللہ امین کا محل مسمار کر کے اسے ہلاک کر دیا تھا اور اسی روز تاشقند کے روسی ریڈیو نے خبر نشر کی کہ ببرک کارمل نے حفیظ اللہ امین کا تختہ الٹا کر افغانستان کا اقتدار سنبھال لیا ہے حالانکہ ببرک کارمل اس وقت تک چیکوسلواکیہ میں مقیم تھا وہ چھ روز بعد اس وقت افغانستان پہنچا جب روسی فوجیں کابل میں حفیظ اللہ امین کا خاتمہ کر چکی تھیں روسیوں کا خیال تھا چیکوسلواکیہ اور بعض دوسرے ممالک کی طرح افغانستان پر بھی وہ آسانی سے قابض ہو جائیں گے اور اس کے بعد بلوچستان پر بھی وہ آسانی سے قابض ہو جائیں گے اور اس کے بعد بلوچستان اور پاکستان کے ساحلوں تک رسائی آسان ہو جائے گی مگر روسی فوجوں کے افغانستان میں داخل ہوتے ہی افغانیوں نے علم جہاد بلند کر دیا اور سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ''فتح یا شہادت'' جلد ہی روسیوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ افغانستان کو چیکوسلواکیہ پر قیاس کر کے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں۔ ان کا واسطہ ایسی قوم سے پڑ چکا تھا جس کا ماضی غلامی کے داغ سے پاک اور لغت محکومی کے لفظ سے خالی تھا۔ جہاد کے شروع میں مجاہدین کے پاس صرف وہ بندوقیں تھیں جو عموماً افغان گھروں میں ہوا کرتی تھیں لیکن وہ بھی سب کے پاس نہ تھیں انہوں نے پیٹرول اور صابن کا محلول بوتلوں میں بھر کر آگ لگانے والے دستی بم بنائے جن سے وہ روسی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں پر بہت قریب جا کر حملہ کرتے تھے۔ جہاد کے شروع میں اسلامی ملکوں خصوصاً عرب ممالک کی طرف سے مالی امداد آنا شروع ہوئی تو مجاہدین پاکستان کے قبائلی علاقے سے دیسی ساخت کے ہتھیار خرید کر استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے روسی فوجوں سے بھی اسلحہ چھین کر اپنے حملوں میں اضافہ کر دیا۔ اسی دوران معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پاکستان نے بھرپور طریقے سے سوویت

Marfat.com

یونین کے خلاف افغان مجاہدین کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ پاکستان کے اس اعلان کے ساتھ ہی عالم عرب کے کئی ممالک پاکستان کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر کھڑے ہو گئے حالانکہ یہ وہ دور تھا جب امریکہ ابھی سوویت یونین کے ساتھ افغانستان میں آنکھیں چار کرنے سے گھبرا رہا تھا.....!

28 جون 1980ء کو عرب مجاہدین کا پہلا قافلہ پشاور کے نزدیک لنڈی کوتل کے علاقے میں پہنچا 78 افراد پر مشتمل اس قافلے میں زیادہ تر فلسطینی پھر مصری، سعودی اور عرب امارات سے تعلق رکھنے والے عرب نوجوان شامل تھے اور ان کی افغانستان میں سب سے پہلی منزل پکتیا تھی۔

عرب مجاہدین کے لیے پاکستان کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ہی سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات اور چند دوسرے عرب ملک حکومتی سطح پر مکمل طور پر حرکت میں آ چکے تھے جبکہ دیگر عرب ممالک کے بے شمار نوجوانوں اور اسلامی تنظیموں نے اس جہاد میں شرکت کا اعلان کر دیا۔ سعودی عرب کی نیم سرکاری تنظیم ''رابطہ عالم اسلامی'' بھی اس کاز کے لیے مکمل طور پر فعال ہو گئی۔ پاکستان نے افغان جہاد کے لیے آنے والے مجاہدین کے لیے ویزے کی پابندی خاصی نرم کر دی اور یوں تھوڑے عرصے میں پشاور شہر میں رابطہ عالم اسلامی اور سعودی ہلال احمر کے مراکز قائم ہو گئے اور ان کے زیر انتظام افغانستان کے علاوہ پشاور میں بہت سے ہسپتال اور رفاعی ادارے کام کرنے لگے۔

انہی ابتدائی دنوں میں سعودی عرب میں مقیم فلسطینی نژاد عرب مجاہد عبداللہ عزام افغان جہاد میں شرکت کے لیے پشاور پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے عرب ملکوں سے آنے والی رضا کاروں کی تربیت کے مراکز قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا مگر اس میں دو طرح کی مشکلات حائل تھیں ایک تو اس کام کے لیے بہت زیادہ مالی وسائل درکار تھے دوسرے خلیجی ممالک کی نسبت دوسرے عرب ممالک زیادہ امیر نہیں تھے وہاں سے ہزاروں نوجوان جن میں بڑی تعداد طالب علموں کی تھی افغان جہاد میں شرکت کے لیے افغانستان آنا چاہتے تھے مگر سفر کے وسائل نہ ہونے کی بنا پر وہ ایسا کرنے سے قاصر تھے عبداللہ عزام فلسطین کی تحریک آزادی کے سلسلے میں بہت سے دوسرے ذرائع کے ساتھ ساتھ بن لادن خاندان کی خدمات کے پس منظر سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے اسامہ سے سعودی عرب میں رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ 80-1979ء تک اسامہ کی افغانستان سے متعلق معلومات کا بڑا ذریعہ اخبارات اور ریڈیو ٹی وی کی خبروں تک محدود تھا دسمبر 1980ء کو عبداللہ عزام

Marfat.com

نے سعودی عرب میں اسامہ سے پہلی بار رابطہ قائم کیا۔ اسامہ نے حرم مکی میں نماز عشاء کے بعد مسجد الحرام کے باب عبدالعزیز کے سامنے واقع ''اجیاد ہوٹل'' میں عبداللہ عزام کے نمائندے سے ملاقات کی۔ اسامہ بن لادن سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ عرب کی متمول شخصیات کو افغانستان کے عرب مجاہدین کی مالی معاونت پر آمادہ کرے۔ اسامہ نے اس جدوجہد میں نہ صرف مالی طور پر حصہ لینے کے لیے رضامندی ظاہر کردی بلکہ افغان جہاد میں شرکت کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ اس ملاقات کے اگلے روز اسامہ نے اردن، شام، مصر، تیونس، مراکش، الجزائر، سوڈان سے جہاد میں شرکت کی خواہش رکھنے والے رضا کاروں کی فہرستیں مرتب کرنا شروع کردیں۔

1981ء کے وسط میں اسامہ بن لادن افغان جہاد میں شرکت کے لیے خود پشاور پہنچ گیا۔ شروع شروع میں مقصد افغان مہاجرین کی آبادکاری اور رضا کاروں کی مالی و مادی امداد کا جائزہ لینا تھا۔ بعد میں ''مجاہدین'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور افغان سرحد کے قریب تربیتی کیمپ قائم کیے گئے جن میں عرب ملکوں سے آنے والے رضا کار تربیت حاصل کرنے لگے۔ اس تربیتی کیمپ کے بھاری اخراجات بن لادن خاندان کے علاوہ سعودی عرب، کویت، عرب امارات اور قطر کی مخیر شخصیات برداشت کر رہی تھیں۔ دوسری طرف افغانستان کی بہت سی افغان تنظیمیں باقاعدہ طور پر میدان جہاد میں اتر چکی تھیں۔ مگر اس وقت تک امریکہ عملی طور پر افغانستان میں روس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔

اس دوران میں امریکہ میں صدارتی انتخابات ہوئے۔ جمی کارٹر کو شکست ہوئی اور رونالڈ ریگن نے اقتدار سنبھالا۔ صدر ریگن نے اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے کابینہ میں نئے وزراء کا تقرر کیا جس میں سب سے اہم اضافہ ولیم کیسی کا تھا ولیم کیسی کا درجہ وزیر مملکت کا تھا اسے سی آئی اے کا ڈائریکٹر نامزد کیا گیا تھا۔ ولیم کیسی نے اپنی سب سے پہلی پریس کانفرنس میں پہلا اعلان افغانستان اور نکاراگوا میں کمیونزم کا سامنا کرنے کا کیا۔ چند ماہ بعد ولیم کیسی نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے طور پر امریکہ سے باہر سب سے پہلا خفیہ دورہ پاکستان کا کیا جہاں اس کی صدر ضیاالحق اور جنرل اختر عبدالرحمٰن سے اہم ملاقات ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولیم کیسی کو پاکستان آنے پر جنرل عبداختر عبدالرحمٰن نے مجبور کیا تھا تاکہ بین الاقوامی سطح پر امریکی حمایت کے ساتھ افغان

Marfat.com

مسئلہ کو جلد از جلد فیصلہ کن موڑ پر پہنچایا جا سکے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اس ملاقات کے بعد ولیم کیسی نے ایک بیان میں کھلم کھلا مسئلہ افغانستان پر پاکستان کی امداد کا اعلان کیا اور آنے والے برسوں میں پاکستان کے بہت سے خفیہ دورے کئے۔ افغانستان کے معاملات میں ولیم کیسی نے سی آئی اے میں اپنا ایک نائب جون مائیک ہون مقرر کیا جس کی ذمہ داریوں میں جنرل اختر عبدالرحمٰن اور افغان جہادی قوتوں سے رابطہ رکھنا تھا تھوڑے عرصے بعد ہی جون مائیک ہون نے ایک رپورٹ تیار کر کے ولیم کیسی اور وائٹ ہاؤس کو بھجوادی اس کا تجزیہ تھا کہ افغان مجاہدین سوویت یونین کو افغانسان سے کبھی نہیں نکال سکیں گے۔ امریکہ میں جو گذشتہ چالیس برس سے سوویت یونین کے ساتھ سرد جنگ میں الجھا ہوا تھا' پہلی مرتبہ اسے افغانستان میں جنگ کو گرم کرنے کا موقعہ ملا تھا اور وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا تاہم امریکی وزارت خارجہ کے بعض عہدیداروں کا خیال تھا کہ ''افغان مجاہدین کی امریکی امداد سے سوویت یونین کسی وقت بھی بھڑک کر دنیا کے دوسرے حصوں میں امریکی مفادات کو نقصان پہنچا سکتا ہے مگر ولیم کیسی کا خیال تھا کہ ''سی آئی اے میں اتنی استعداد ہے کہ وہ سوویت یونین کو افغانستان سے نکال سکے'' ولیم کیسی نے مشرق وسطیٰ اور یورپ کے کئی خفیہ دورے کئے تا کہ مجاہدین کے لیے روسی ساخت کا اسلحہ خریدا جا سکے۔ افغان مجاہدین کے لیے روسی ساخت کا زیادہ تر اسلحہ مصر سے خریدا گیا۔ جاپان نے ولیم کیسی کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ ''ہمارا قانون ہمیں اسلحے سپلائی کی اجازت نہیں دیتا'' تاہم دوسری طرف جاپان نے افغان مہاجرین کی مالی و مادی امداد کا اعلان کر دیا۔

ولیم کیسی نے مجاہدین کے ساتھ قریبی روابط کے لیے اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے میں واشنگٹن کے بعد سی آئی اے کا سب سے بڑا مرکز تشکیل دیا تھا۔ افغانستان میں برسر پیکار عرب مجاہدین مکمل طور پر امریکی دائرہ اثر میں نہیں آتے تھے کیونکہ افغانستان میں امریکہ کے پہنچنے سے بہت پہلے جہادی کارروائیوں کے لیے مربوط نظام تشکیل دے چکے تھے۔ اس کے علاوہ امریکی کانگریس میں ولیم کیسی کو افغانستان کے معاملے میں زیادہ حمایت حاصل نہیں تھی سوائے کانگریس کے رکن چارلس ولسن کے جس کی کمیونزم سے نفرت ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ کانگریس میں اپنے ایک خطاب کے دوران اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ ''ہم افغانستان میں سوویت یونین کا وہ حشر کر سکتے ہیں جو اس نے ویت نام میں ہمارا کیا تھا۔''

Marfat.com

امریکی صدر کے مشیر برائے قومی امن روبرٹ ماکفرلین نے وائٹ ہاؤس میں ایک مربتہ افغان لیڈر محمود عبدالحق سے کابل کی صورت حال سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سوال کیا تھا کہ ''کیا آپ سوویت یونین پر غالب آنے کی قوت رکھتے ہیں؟ محمود عبدالحق نے جواب دیا ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ آپ تو صرف ہماری مالی امداد ہی کرتے ہیں۔ روبرٹ نے کہا کیا آپ کابل میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ محمو عبدالحق نے جواب دیا ہم افغانستان کے چپے چپے پر لڑیں گے۔ روبرٹ نے کہا کیا آپ کا مطلب دہشت گردی ہے؟ جس پر محمود عبدالحق غضب ناک ہو گیا اور جواب دیا ''سب سے بڑا دہشت گرد تو روس ہے جس نے ہمارے ملک پر قبضہ جمار کھا ہے'' اس گفتگو کے دوران ایک امریکی صحافی جس نے بعد میں ایک کتاب CIA's WAR IN AFGHANISTAN مکمل کی اس موقع پر موجود تھا..... اس نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو خاص تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ ولیم کیسی بہر حال سوویت یونین کے ساتھ مکمل پنجہ آزمائی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ سوویت یونین کے ساتھ امریکہ کو یہ جنگ بہت سستی پڑ رہی تھی مجاہدین اپنا وطن آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے تھے۔ امریکہ انہیں اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہ رہا تھا۔

افغانستان میں 1983-84 میں سب سے زیادہ تباہی سوویت یونین کے گن شپ ہیلی کاپٹروں نے پھیلائی تھی جس کا توڑ افغان مجاہدین کے پاس نہیں تھا۔ ایک سال کے دوران مجاہدین کا بہت سا جانی نقصان ہو چکا تھا۔ اس کا توڑ کرنے کے لیے اسامہ بن لادن نے فوراً سعودی عرب جانے کا ارادہ کیا جہاں بن لادن کمپنی کے بڑے بڑے بلڈوزر اور پہاڑ توڑنے کی مشینیں جو اس سے پہلے حرمین شریفین کی توسیع کے لیے پہاڑ توڑنے کا کام کر چکی تھیں، بحری جہازوں کے ذریعے کراچی کی بندرگاہ پر پہنچا دی گئیں اور وہاں سے ان کو سڑک کے ذریعے افغانستان پہنچایا گیا۔ اسامہ بن لادن جو ایک اچھا سول انجینئر ہے، نے پہاڑوں کے اندر بڑی بڑی غاریں بنانا اور مجاہدین کی نقل و حمل کے لیے راستوں کو ہموار کرنا شروع کر دیا اس کے علاوہ اسامہ کے ساتھی ایک عراقی انجینئر محمد سعد نے اس سلسلے میں اس کا بہت ہاتھ بٹایا اس کا سب سے بڑا کارنامہ کابل شہر کے نزدیک 15 کلومیٹر لمبی سرنگ کی تیاری ہے۔ اسامہ اور اس کے ساتھیوں کی کوششوں سے افغان مجاہدین بڑی حد تک جانی نقصان سے محفوظ ہو گئے۔ اسامہ اور دوسرے عرب رضا کار جنہیں ''افغان عرب'' کے نام سے پکارا جاتا تھا کا افغانستان میں سب سے بڑا مرکز

Marfat.com

جلال آباد تھا۔ روسی افواج کا آخر تک اس علاقے میں بڑا دباؤ رہا۔ یہاں عام روسی فوجی کی بجائے روسی کمانڈوز لڑائے گئے مگر عرب مجاہدین نے انہیں ہمیشہ ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

اسی دوران میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسی نے افغان مجاہدین کے لیے اسٹنگر میزائل مہیا کرنے کی قرارداد کانگریس سے پاس کروالی تو افغان مجاہدین کے لیے روسی طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کو نشانہ بنانہ اور بھی آسان ہو گیا۔

یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہ ہو سکی کہ اسامہ یا اس کے دوسرے عرب ساتھیوں کو سی آئی اے نے کوئی جنگی تربیت یا عسکری امداد دی ہو' ولیم کیسی کی طرف سے بھیجی جانے والی امداد کا بڑا حصہ ''حزب اسلامی'' جس کے سربراہ گلبدین حکمت یار ہیں کو مہیا کیا جاتا تھا یہ جماعت نظریاتی طور پر امریکہ کی دشمن جماعت تصور کی جاتی تھی مگر ولیم کیسی کو معلوم تھا کہ کمیونزم کے خلاف شدت کے ساتھ نبرد آزما اس جماعت کو آسانی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ عالم عرب میں بھی اس جماعت کا خاصا رسوخ تھا وہاں پر موجود اسلامی تنظیمیں اپنے اکثر ارکان کو اس جماعت کے پلیٹ فارم سے لڑنے کے لیے بھیجا کرتی تھیں عبداللہ عزام اور اسامہ کا اس جماعت سے بھی قریبی تعلق رہا۔ امریکہ کی جانب سے ارسال کی جانے والی فوجی امداد کا دوسرا بڑا حصہ احمد شاہ مسعود کو بھیجا جاتا تھا۔ ان کا تعلق افغانستان کی جمعیت اسلامی سے تھا جس کے سربراہ برہان الدین ربانی تھے۔ 1984ء کے وسط میں احمد شاہ مسعود کے فرانسیسی انٹیلی جنس سے گہرے روابط استوار ہو چکے تھے۔

احمد شاہ مسعود کا مسکن وادی پنجشیر انتہائی مضبوط تصور کیا جاتا تھا۔ سی آئی نے اس علاقے سے محفوظ اور موثر کارروائیاں کی تھیں ان تمام عناصر کو امریکہ کی جانب سے جو اسلحہ دیا تھا' دنیا میں اس کی خریداری کے لیے بی سی سی آئی بنک کا استعمال کیا گیا جس کے سربراہ آغا حسن عابدی تھے۔ اس بنک کے خلاف بعد میں رشوت' بدعنوانی امریکہ کے بنکنگ قوانین کی خلاف ورزی کی پاداش میں مقدمہ چلایا گیا اور بعد ازاں اسے دیوالیہ قرار دکر بند کر دیا گیا حالانکہ اسے عالمی بنکوں کے ساتھ لین دین میں افغانستان کے سلسلے میں سی آئی اے نے سب سے زیادہ استعمال کیا تھا۔ یہ بنک نہ صرف افغانستان کے لیے بلکہ نکاراگوا میں سی آئی اے آپریشن ''کونٹرا'' میں استعمال کیا گیا جب نکاراگوا کی اپوزیشن پارٹی کو بھاری رقوم مہیا کی گئی تھیں۔

Marfat.com

1988ء میں سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان افغانستان سے سوویت فوجوں کے انخلاء کے سلسلے میں ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے یہ سال رونالڈ ریگن کی صدارت کا آخری سال تھا۔ ویلیم کیسی اس معاہدے سے کچھ عرصہ پہلے انتقال کر چکا تھا.....! امریکی حکومت اور ایڈمنسٹریشن بدلتے ہی امریکی پالیسیاں بھی بدلنا شروع ہوئیں۔ امریکہ روسی فوجوں کو سلامتی کے ساتھ افغانستان سے نکلنے کی ضمانت دے چکا تھا درہ سالانگ جوروس کی جانب افغانستان کی طرف سے واحد راستہ تھا محفوظ بنانے کے لیے احمد شاہ مسعود کو بھاری رقم رشوت کے طور پر دی گئی تا کہ واپس جاتی ہوئی روسی فوج پر مجاہدین حملے نہ کر سکیں۔ احمد شاہ مسعود اس کام میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔ اس نے طاقت کے زور پر دیگر افغان تنظیموں کو اس درے کے قریب نہ آنے دیا۔

سوویت فوجوں کے انخلاء کے بعد افغانستان نئی صورتحال سے دوچار ہو گیا سوویت فوجیں کابل سے جاتے ہوئے افغان اقتدار سوویت نواز افغان جنرل نجیب اللہ کے سپرد کر گئیں دوسری طرف افغان مجاہدین کے گروپ آپس میں الجھ گئے۔ سب سے زیادہ نقصان حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے اختلافات نے پہنچایا۔ امریکہ افغانستان میں سابق ظاہر شاہ کا راستہ ہموار کرنا چاہتا تھا اس لیے افغانوں کا اقتدار کی رسہ کشی کے لیے آپس میں لڑنا امریکہ کے حق میں جاتا تھا اس صورتحال کا سب سے بڑا نقصان افغانستان میں لڑنے والے ان ہزاروں عرب مجاہدین کا ہوا جو افغانستان کو سوویت قبضے سے آزاد کرانے کے لیے اپنے وطن چھوڑ کر آئے تھے ان میں سے ہزاروں جہاد کے دوران شہید ہو چکے تھے اور اب ان کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کس کا ساتھ دیں اب حریف اور حلیف دونوں طرف مسلمان تھے۔ 17 اگست 1987ء کو صدر ضیاء الحق اپنے اہم جنرلوں کے ساتھ طیارے کے حادثے کا شکار ہو گئے۔ بے نظیر حکومت آ گئی اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کے موقف میں تبدیلی واقعہ ہونا شروع ہو گئی۔ 1989ء میں افغانستان میں عرب مجاہدین کے روح رواں عبداللہ عزام کو پشاور میں ایک سازش کے تحت بم دھماکے میں ہلاک کر دیا گیا۔ اس حادثے اور افغانستان کی داخلی صورتحال سے دل برداشتہ ہو کر اسامہ بن لادن نے سعودی عرب واپسی کا پروگرام ترتیب دیا تا کہ وہ وہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی معاونت کر سکے۔ دوران جہاد اس نے عبداللہ عزام کے ساتھ مل کر ''مکتب الخدمت'' کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا تھا اور اس ادارے کی شاخیں دنیا بھر میں قائم کی گئی تھیں اس کا مقصد مجاہدین کی بھرتی اور

Marfat.com

جہاد کے لیے مخیر مسلمانوں سے فنڈ اکٹھا کرتا تھا۔اس کی ایک شاخ امریکہ میں بروکلین شہر میں بھی قائم کی گئی تھی جیسے ریگن انتظامیہ کا تعاون حاصل تھا..... بروکلین کا مرکز مصر کے نابینا عالم دین شیخ عمر عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں کام کرتا تھا..... یہ وہی عمر عبدالرحمٰن ہیں جنہیں بعد میں امریکہ نے نیویارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکے کے الزام میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا تھا۔ اسامہ بن لادن نے اس ادارے کو بوسنیا' چیچنیا' صومالیہ اور فلپائن کے مسلمانوں کی امداد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔امریکہ اسامہ کے اس کردار سے بری طرح خائف تھا امریکہ اور مشق وسطیٰ کی امریکن نواز حکومتیں اچھی طرح جانتی تھیں کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہزاروں مجاہدین جو اسامہ کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں' مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ افغان جہاد کے طویل دور میں امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک کے خفیہ ادارے پشاور میں امدادی تنظیموں کے نام پر ادارے قائم کر کے افغانوں کی قوت حرب اور باہر سے آنے والے مسلمانوں خاص طر پر عرب رضا کاروں کے بارے میں کوائف جمع کرتے رہے تھے۔ یہ ادارے ان دنوں پشاور میں یونیورسٹی ٹاؤن کے علاقے میں کثرت سے دیکھے جا سکتے تھے' کینیڈا کے بہت سے رفاہی ادارے تو ایسے بھی ہیں جن میں اسرائیلی ماہرین بیٹھے ہوئے تھے۔

1990ء تک امریکہ نے اسامہ اور دوسرے عرب مجاہدین کے بارے میں کبھی زبان نہیں کھولی تھی' مگر جیسے ہی ان کا کردار افغانستان سے نکل کر بوسنیا' چیچنیا اور صومالیہ تک وسیع ہوا تو مغربی میڈیا نے انہیں دہشت گرد قرار دے کر ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ اگست 1990ء میں امریکہ کی طویل کوششوں اور سازشوں سے عراق نے تاریخ ساز حماقت کی جس کا خمیازہ تمام امت مسلمہ کو بھگتنا پڑا۔ امریکہ اور یورپ کو اچھی طرح علم تھا کہ افغان جنگ کے دوران خلیجی ممالک سے بیرونی سطح پر سب سے زیادہ افرادی اور مالی امداد مہیا کی گئی تھی۔ یہ سب کچھ تیل کی دولت کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ عالم اسلام کو اپنے تصرف میں لانے کا موقع امریکہ کو صدر صدام نے کویت پر قبضے کی شکل میں مہیا کر دیا تھا۔ عرب ذرائع کے مطابق ایک مرتبہ اسامہ اور اس کی ہم خیال اسلامی تنظیموں نے خلیجی ممالک کو پیشکش کر دی تھی کہ اگر انہیں عسکری امداد دی جائے تو وہ کویت سے عراقی فوجوں کو نکال باہر کریں گے مگر کسی کو اتنا سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا اور امریکی فوجیں خلیج میں اتار دی

Marfat.com

گئیں امریکہ کی اس جلد بازی سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ اسے خدشہ تھا کہ اگر اسلامی تنظیموں نے کویت کے محاذ پر عراق کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو دو مجاہد جنہوں نے افغانستان کے اندر سوویت فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے' عراقی فوج کو آسانی سے کویت خالی کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

امریکی فوجوں کی خلیج میں موجودگی کی اسامہ نے کھل کر مخالفت کر دی اب اس کے پاس دو راستے تھے ایک یمن دوسرا سوڈان اپریل 1991ء کو اسامہ نے سعودی عرب کو خیر باد کہا اور سوڈان میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اسامہ نے ایک بہت بڑا زرعی قطعہ اراضی سوڈان کے دارالحکومت خرطوم کے جنوب مشرقی حصے سوبا میں خریدا یہاں اپنے لیے گھر تعمیر کرایا اس کے بعد اسامہ نے خرطوم ایئرپورٹ کو جدید تقاضوں کے مطابق مرمت کروایا خرطوم سے بحیرہ احمر تک پورٹ سوڈان میں بہت بڑی ہائی وے تعمیر کی۔ اس کام میں وہی عراقی انجینئر محمد سعد جو اسامہ کا معاون تھا جس نے افغانستان جنگ کے دوران کابل کے قریب 15 کلومیٹر طویل سرنگ تعمیر کی تھی اسامہ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے 1996ء میں سوڈانی حکومت نے ''قومی تمغہ'' سے نوازا یہ تمغہ ایک سرکاری تقریب میں جس کی صدارت سوڈان کے صدر عمر البشیر نے کی' دیا گیا۔

اس وقت تک اسامہ بن لادن کو امریکہ نے خطرناک دہشت گرد قرار دے دیا تھا اور بڑی طاقتوں کی طرف سے سوڈان پر دباؤ تھا کہ وہ اسامہ کو ملک بدر کر دے۔ 1987ء میں امریکہ نے صومالیہ میں اپنی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ اسامہ کے ساتھ عرب مجاہدین کی ایک بڑی تعداد سوڈان میں مقیم تھی صومالیہ کے لیڈر فرخ عدید کے سوڈان میں اسامہ سے روابط استوار تھے جس کی بنا پر صومالیہ کے گوریلوں کے ساتھ اسامہ کے مجاہدین نے مل کر امریکہ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ یہ کارروائیاں اتنی منظم اور موثر تھیں کہ امریکہ کو دس ماہ کے اندر اندر صومالیہ خالی کرنا پڑ گیا۔ صومالیہ میں امریکہ کے خلاف اسامہ اور اس کے عرب مجاہدین کی کارروائیاں ایک الگ طویل داستان ہیں مگر اس کے بعد سے اسامہ امریکہ کو مطلوب ''دہشت گردوں'' میں سرفہرست آ گیا۔ اس کے فوراً بعد دہران کے امریکی اڈے کے دھماکے میں سینکڑوں امریکی فوجی ہلاک ہو گئے یہ کارروائی بھی حسب سابق اسامہ کے سر منڈھ دی گئی حالانکہ اسامہ کی طرف سے اس کی پرزور تردید کی گئی بعد میں سعودی وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز نے ایک بیان میں وضاحت کر دی

Marfat.com

تھی کہ اسامہ ہماری تحقیق کے مطابق ان دھماکوں میں ملوث نہیں ہے۔ مگر اس کے بعد مصر' سعودی عرب کویت اور دوسرے عرب ممالک میں ہونے والی بہت سی کارروائیاں اسامہ کے کھاتے میں ڈال دی گئیں مگر انہیں ثابت نہیں کیا جا سکا' افغانستان کی جنگ کے دوران سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے موساد کے ایک ایجنٹ نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ ''اسامہ اور اس کے ساتھی پاگل پن کی حد تک بہادر ہیں اگر یہ اعلان کر کے حملہ کریں تو اس میں شک نہیں اگر کسی حملے میں ملوث ہونے سے انکار کریں تو اس میں شبہ نہیں'' 1987ء کے شروع میں خرطوم حکومت پر اتنا دباؤ بڑھ چکا تھا کہ انہوں نے برملا اسامہ سے سوڈان چھوڑنے کی درخواست کر دی مصر میں موساد پوری طرح فعال ہو چکی تھی شہریوں اور غیر ملکی سیاحوں کو اندھی گولیوں سے قتل کر کے یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ اس میں اسامہ اور مصر میں اس کی ہم خیال جماعتیں ملوث ہیں۔

اسامہ بن لادن کبھی بھی اپنے وطن سعودی عرب کے خلاف نہیں رہا۔ مگر خلیج میں امریکی موجودگی کے ضمن میں اسے سعودی شہریت سے محروم ہونا پڑا یہاں تک اسامہ کے خاندان نے باقاعدہ طور پر حالت مجبوری میں ملکی اخبارات میں اس سے لاتعلقی کا اشتہار چھپوا دیا' یہ اشتہار اسامہ کے بڑے بھائی اور بن لادن کمپنی کے پریذیڈنٹ آف بورڈز بکر بن لادن کی طرف سے تھا'' کہ بن لادن خاندان کا اسامہ کی کسی سرگرمی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا اسامہ کے ساتھ کوئی مالی لین دین ہے'' اس وقت سے اسامہ اپنے وطن سعودی عرب واپس نہیں جا سکا بلکہ تھوڑے ہی عرصے بعد اسے افغانستان واپس آنا پڑا جس کی آزادی اور اسلامی تشخص کے احیاء کے جرم کی پاداش میں وہ دربدر ہو رہا تھا۔

اسامہ دوبارہ جب افغانستان پہنچا تو اس وقت تک افغانوں کی نئی تنظیم ''طالبان'' باقی جماعتوں سے نبرد آزمائی کے بعد افغانستان کے بڑے حصے پر قابض ہو چکی تھی اور افغانستان کے شمال میں روس کے ساتھ چیچنیا کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی تھی افغانستان کے طول و عرض میں اب بھی عرب مجاہدین کی بڑی تعداد باقی تھی جس کا بڑا حصہ مختلف راستوں سے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے چیچنیا پہنچ چکا تھا حالات عجیب و غریب پلٹا کھا چکے تھے وہ امریکہ جو کبھی روس کے خلاف افغانستان میں مجاہدین کی حمایت کرتا تھا چیچنیا میں مجاہدین کے خلاف روس کا مددگار بن چکا تھا مگر صرف چیچنیا کے خلاف جس کے صدر جوہر دودائف کی شہادت میں امریکہ

Marfat.com

پوری طرح ملوث تھا انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ طالبان کی افغانستان میں کامیابی نے علاقے میں امریکی منصوبہ بندی پر پانی پھیر دیا۔ رہی سہی کسر وہاں دوبارہ اسامہ کے آجانے سے پوری ہوگئی۔ امریکہ نیویارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر' اوکلے ھاما میں دھماکوں کا رونا رو رہا تھا کہ نیروبی اور دارالسلام کے امریکی سفارت خانوں میں دھماکوں کے ساتھ تباہی مچادی گئی۔ جس میں بڑی تعداد میں امریکی ہلاک اور ہزاروں شہری زخمی ہو گئے۔ امریکہ نے فوراً ان دھماکوں کی ذمہ داری اسامہ پر ڈال دی' مگر اسامہ نے اپنی تمام تر امریکہ دشمن اور اس کے ساتھ کھلے اعلان جنگ کے باوجود ان دھماکوں سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔ طالبان اور دوسرے ذرائع کے مطابق موساد میں دو طرح کے طبقے ہیں ایک امریکی نظریات کے حامل دوسرے کٹر یہودی بنیاد پرست چونکہ امریکن نواز طبقہ امریکی پالیسی کے مطابق اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں مصروف تھا جسے موساد کا متعصب گروپ ناپسند کرتا تھا اس ناراضگی کے اظہار کے لیے موساد کے متعصب طبقے نے نیروبی اور دارالسلام کے امریکی سفارت خانوں کو اس وقت دھماکے سے اڑا دیا جب سفارت خانے کے تہہ خانے میں موساد کے امریکہ نواز گروپ اور سی آئی اے کی خفیہ میٹنگ جاری تھی اس بات کو مزید تقویت اس طرح بھی ملتی ہے کہ دھماکے کے فوراً بعد موساد نے ہی سفارت خانے کے ملبے کو گھیرے میں لیا تھا اور مقامی انتظامیہ کو اس سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی۔

امریکیوں کی تحقیق کے مطابق 34 سالہ فلسطینی نژاد محمد صادق عودہ جو محمد صادق ہویدا کے نام سے مشہور تھا نے یہ دھماکے 800 کلوگرام ٹی این ٹی مادے کے ذریعے کئے وہ دھماکوں سے تین روز پیشتر نیروبی کے ہوٹل ''ہل ٹاپ'' کے کمرہ نمبر 102 میں مقیم تھا پاکستان جانے سے ایک روز پہلے یعنی 7 اگست کو اس نے اپنے چار دوستوں کو جن میں ایک یمنی نژاد محمد سعید الزبیدی بھی شامل تھا حوالے کیا تھا۔ محمد صادق عودہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اردن میں نوجوانی کے دن سے ہی پی ایل او سے وابستہ تھا اس نے الیکٹریکل انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی تھی 1990ء میں اس نے افغان مجاہدین کے ساتھ شمولیت اختیار کر لی تا کہ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں حصہ لے سکے! (حالانکہ سوویت فوجیں 1989ء میں ہی افغانستان سے نکل چکی تھی) افغانستان آنے کے بعد اس کا بہت سے مصری' سوڈانی اور یمنی مجاہدین کے ساتھ رابطہ ہوا ان میں سے کینیا کے ایک

Marfat.com

بزنس مین کا بیٹا بھی تھا جو ممباسا کے ساحلی علاقے میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کا کام کرتا تھا یہ علاقہ نیروبی سے 510 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ 1992ء میں یہاں آنے سے 3 ماہ پہلے عودہ سوڈان میں رہ چکا تھا جہاں اس کے تعلقات اسامہ بن لادن کے آدمیوں سے استوار ہو چکے تھے.....! کینیا میں عودہ کے بہت سے جاننے والوں کے مطابق انہوں نے طویل عرصے کے دوران کبھی بھی عودہ کی زبان سے ایسا کلمہ نہیں سنا جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ وہ ایسے فعل میں شریک ہوسکتا ہے۔ جس میں 247 افراد ہلاک اور 5 ہزار کے قریب زخمی ہو چکے ہوں۔ پاکستان میں گرفتاری کے بعد عودہ کی بیوی کا چچا حسن سیف پاکستان اس کی خیریت بھی معلوم کرنے آیا صادق عودہ کو پاکستان سے کینیا لے جایا گیا جہاں سے اسے امریکہ منتقل کر دیا گیا مگر اس حادثے کے تھوڑے عرصے ہی بعد یوگنڈا میں امریکی سفارت خانے اور ہمبرگ کے امریکی قونصل خانے کے خلاف بھی کارروائیاں سامنے آئیں جس نے عالمی رائے عامہ کے سامنے کئی قسم کے سوال اٹھا دیئے۔ عودہ کو کراچی کے ایئرپورٹ سے گرفتار کیا گیا تھا یعنی دھماکوں کے چند گھنٹے بعد سی آئی اے مجرم تک پہنچ گئی اس سے زیادہ عجیب بات آج تک ایجنسیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مگر بعد میں امریکہ نے بغیر کسی ثبوت کے سوڈان کے شہر خرطوم اور افغانستان میں خالد بن ولید کیمپ پر کروز میزائلوں سے حملہ کر دیا۔ یہ کیمپ حرکتہ المجاہدین کی تربیت گاہ تھے جہاں سے مجاہدین کی بڑی تعداد مقبوضہ کشمیر جاتی تھی۔ امریکہ کا خیال تھا کہ یہ کیمپ اسامہ بن لادن کی افغانستان میں پناہ گاہ ہے ان حملوں کی تفصیلات ملکی اور غیر ملکی اخبارات میں تفصیل سے آتی رہی ہے لندن کے ایک بین الاقوامی جریدے نے ان حملوں کے بعد آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر حمید گل کا ایک انٹرویو شائع کیا تھا جس نے امریکہ کی تازہ کارروائی سے کئی گوشے منکشف کر دیئے۔ اس انٹرویو میں جنرل گل حمید نے امریکہ کے اس دعوے کو مسترد کر دیا تھا کہ امریکی سفارت خانوں کی تباہی میں اسامہ کی جماعت ''القاعدہ'' کا ہاتھ ہے۔ جنرل حمید گل کے مطابق دھماکوں کے پیچھے اسرائیل کے خفیہ ہاتھ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جنرل حمید گل کے مطابق مشرقی افریقہ کو اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کا گڑھ کہا جاتا ہے یہاں اس کی کارروائیوں کا دائرہ کینیا کے ساحل سے لے کر جنوبی افریقہ تک پھیلا ہوا ہے جب کہ بن لادن کا دائرہ اثر خلیج عرب تک محدود ہے ان کے مطابق صادق عودہ اسرائیل کی اختراع ہوسکتا ہے یا پھر سی آئی اے کا گماشتہ جس سے امریکہ اپنے مقاصد

Marfat.com

حاصل کرنا چاہتا ہو صادق عودہ دھماکوں سے چند گھنٹے پہلے کینیا سے کراچی کے لیے روانہ ہوا دھماکوں کے آدھے گھنٹے بعد کینیا کے سی آئی اے مرکز کے پاس تمام معلومات پہنچ گئیں اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے اس کے علاوہ صادق عودہ دھماکوں کے بعد ایسے ملک یعنی پاکستان آیا جہاں امریکہ کو پہلے ہی یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ اپنے ''مجرموں'' کو یہاں سے پکڑ کر امریکہ لے جا سکتا ہے یوسف رمزی اور ایمل کانسی اس کی بڑی مثال ہیں۔ اس لیے عقل یہ کیسے مان لے کہ اسامہ کی جماعت سے تعلق رکھنے والا ایک اہم کارندہ اس حقیقت کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

امریکہ نے افغانستان اور یہاں کارفرما خارجی عناصر سے متعلق معلومات کے لیے 1988ء میں سی آئی اے کے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں ایک شعب قائم کیا تھا اس شعبے کا دائرہ کار بعد میں تمام دنیا میں پھیلا دیا گیا اس کے خفیہ بجٹ کے بارے میں کانگریس کے ارکان بھی لاعلم ہوتے ہیں بعض ذرائع کے مطابق صرف اس شعبے کا بجٹ 30 بلین ڈالر سالانہ ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔ ایف بی آئی کا شعبہ بھی اس شعبے کے تحت کام کرتا ہے جس کا تین سال پہلے تک بجٹ 100 ملین ڈالر تھا مگر آج یہ بڑھ کر 300 ملین ڈالر ہو چکا ہے۔ اس شعبے نے سب سے پہلے دعویٰ کیا تھا کہ نیروبی کے دھماکوں میں اسامہ کا ہاتھ ہے اس کے علاوہ امریکہ کی نیشنل سکیورٹی (NSC) کا مرکزی دفتر بھی ریاست میری لینڈ واشنگٹن میں ہے۔ ان اداروں کا تمام زور ''دہشت گردی'' کے خاتمے پر صرف ہو رہا ہے۔

امریکہ کی اس فہرست کے بعد اسامہ کے بارے میں ان کی تازہ تحقیق بھی غور طلب ہے۔ امریکیوں کے مطابق اسامہ کی عالمی اقتصادی صورتحال پر گہری نظر ہوتی ہے وہ آج بھی کئی ملین ڈالر ایک حساب سے دوسرے حساب میں منتقل کرتا رہتا ہے۔ سی آئی اے کے شعبہ دہشت گردی کے سابق ڈائریکٹر سٹینلے بیلنکٹن کے مطابق اسامہ کا سب سے بڑا ہتھیار اس کی دولت ہے افغانستان میں اس کے 600 محافظ جدید ترین سہولتوں کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں جس پر سالانہ لاکھوں ڈالر کے اخراجات آتے ہیں۔ اسامہ کے یورپ میں کئی ٹھکانے ہیں ہر ٹھکانے کا سالانہ خرچہ 25 ہزار ڈالر کے برابر ہے۔ یورپ جو بلیک مارکیٹوں سے بھرا پڑا ہے کئی قسم کی چیزیں مہیا کرنے کا سبب ہے مثلاً امریکہ کا پاسپورٹ یہاں سے ایک ہزار ڈالر میں مل جاتا ہے

Marfat.com

اس کے علاوہ ایمسٹرڈیم کی بلیک مارکیٹ جو بل میئر کے علاقے میں قائم ہے یہاں کلاشنکوف 200AK-47 ڈالر۔ اسٹنگر میزائل 50 ہزار ڈالر میں آسانی سے مل سکتا ہے۔ امریکیوں کا دعویٰ ہے کہ اس علاقے میں بھی بن لادن کا دفتر موجود تھا جہاں سے اس کے کارندے کارروائیوں کے لیے اسلحہ خریدتے تھے۔

حالانکہ خود امریکی اور یورپی ممالک کے حکومتی ارکان اس مافیا سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

اسامہ نے اپنے کاروبار کو ترقی دینے کے سلسلے میں کئی اقدامات بھی کئے ہیں 1990ء میں اسے ملنے والی وراثت کا تخمینہ 300 ملین ڈالر سے کہیں زیادہ لگایا گیا تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق دنیا بھر میں اس کی 70 سے 80 تک کمپنیاں کام کرتی ہیں۔ 1991ء میں اسامہ نے سوڈان میں ''بنک الشمال الاسلامی'' 50 ملین ڈالر سے قائم کیا تھا اس کے علاوہ ''العقیق'' کے نام سے کمپنی بھی قائم کی تھی جو سوڈان کی قیمتی معدنیات سپلائی سے متعلق تھی۔ امریکیوں کے مطابق اسامہ نے مختلف ناموں سے، پاکستان، افغانستان اور یمن میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے.....

Marfat.com

# القاعدہ کا نیٹ ورک

القاعدہ کا نام اسلامی تحریکوں میں نیا ضرور ہے مگر اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ دوسری اسلامی تحریکوں کی۔ القاعدہ کے لغوی معنی بنیاد اور بیس کیمپ کے ہیں۔ اصطلاحی معنی ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں بہت سی جماعتیں یا تحریکیں اکٹھی ہو جائیں۔ القاعدہ کے بارے میں امریکی ایف بی آئی کا دعویٰ ہے کہ یہ 1990ء کے بعد قائم کی گئی تھی اور اس کے بانی اسامہ بن لادن ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس بات سے امریکی بھی اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کا قیام 1980ء کے اوائل میں عمل میں لایا گیا تھا اور اس کے موسس اول ڈاکٹر عبداللہ عزام شہیدؒ ہیں' اسامہ کے دوست اور جہادی استاد' فلسطینی نژاد مجاہد عبداللہ عزام نے اس ادارے کا نام ''مکتب الخدمت'' رکھا تھا جو پشاور میں فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کا کام افغانستان سے آئے ہوئے مہاجرین کی مدد کرنا' مجاہدین کے رشتے داروں کی مہاجر کیمپوں میں آبادکاری کا انتظام کرنا' سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد کے دوران اپاہج اور زخمی ہونے والے مجاہدین کی امداد کے لیے فنڈز اکٹھا کرنا اور عرب سے آئے ہوئے مجاہدین کو افغانستان کے اندر تک ان کی منزل تک پہنچانا تھا۔ مکتب الخدمت سے القاعدہ تک کا فاصلہ زمانی لحاظ سے بہت مختصر ہے مگر اس کا پس منظر بیسویں صدی کے آغاز سے

Marfat.com

شروع ہونے والی اسلامی تحریکوں کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ یہ اس پرانی کتاب کا جدید ایڈیشن ہے' دور استعمار میں جس کے ناشر اول سید جمال الدین افغانیؒ تھے جن کی کتابت میں سیاہی کی جگہ ''اخوان المسلمون'' کا خون استعمال ہوا' القاعدہ اسی فکر کا منطقی ثمر ہے جس کی بارآوری کے لیے حسین البناؒ اور سید قطب شہیدؒ نے شہادت کا راستہ اختیار کیا' سید مودودیؒ نے بے خوف ہو کر پھانسی کا پھندا تھام لیا' شاہ فیصلؒ نے شہادت کا تاج سر پر سجایا' لاکھوں مجاہدین نے گمنامی کی موت قبول کر کے اللہ کے نزدیک نام پیدا کیا۔ یہ اس تحریک کا زاویۃ الراس ہے جس کی تشریح کے لیے حضرت علامہ اقبالؒ، علامہ رشید رضا اور ریران کے مفکر اعظم ڈاکٹر علی شریعتی نے زندگیاں وقف کیئے رکھیں۔

القاعدہ ایک ایسی تحریک یا فوج کا نام ہے جس کے سپاہی تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اس کا دشمن تو ایک ہے مگر جنگ کے میدان تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر آج اسامہ یا ان کے قریبی رفقا کار کو شہید کر دیا جائے تو بھی شاید اس کے تنظیمی ڈھانچے میں کوئی فرق نہ پڑ سکے کیونکہ اس کے قائم کرنے والے نے آئندہ تین نسلوں تک کی قیادت سنبھال رکھی ہے جو مختلف علاقوں میں اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوگی۔ 1991ء کے بعد جب امریکہ واحد سپر طاقت کے زعم باطل میں مبتلا ہو کر اسلامی دنیا کے متعلق اپنے اصل مقاصد کے ساتھ سامنے آیا اور مجاہدین کے انہی کاندھوں کو توڑنے کے درپے ہو گیا جن پر چڑھ کر اس نے گورباچوف سے سوویت یونین کے خاتمے کے معاہدے پر دستخط کرائے تھے تو جنگی اسٹریٹجی یکسر تبدیل ہو گئی مجاہد رہنماؤں کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ سوویت یونین کی شکل میں وہ آگ کا ایک دریا تو پار کر آئے ہیں مگر اس کے پار آگ کا ایک نیا سمندر امریکہ اور یورپ کی شکل میں نمودار ہو گیا ہے جس کے قبضے میں اسلامی ممالک کی اقتصادیات سے لے کر چھوٹی چھوٹی سیاسی جزئیات تک ہیں۔ اب وہ مسلمان حکومتوں کے ہاتھوں ہی اسلامی تحریکوں کا گلا کاٹنے پر اتر آیا تھا۔ یوں ان تحریکوں نے ایک پلیٹ فارم (القاعدہ) کا انتخاب کیا اور زیر زمین جہاد شروع ہوا۔ یقینی بات تھی کہ دشمن نے اسے نفرت انگیز نام سے موسوم کرنا تھا۔ اپنی قوم کے سامنے اس جنگ کو لڑنے کے لیے آخر اسے بھی کوئی اخلاقی جواز درکار تھا سو پہلے ''اسلامی بنیاد پرستی'' پھر ''دہشت گردی'' کے ناموں کا انتخاب ہوا۔

القاعدہ کیا ہے؟ اس کا طرز جنگ کس نوعیت کا ہے؟ اس کے اصل کارناموں کی تفصیل کیا

Marfat.com

ہے؟ امریکہ اور اسکے حواریوں نے اس میں کس حد تک رنگ آمیزی کی ہے؟ دنیا کے کس کس حصے سے اور کن کن تحریکوں سے لوگ اس میں شامل ہوئے؟ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے ہمیں مختصراً اس کے تاریخی پس منظر کی جانب لوٹنا ہے جو اس کے قیام کا اصل موجب ہے۔

بیسویں صدی کا آغاز اسلامی تحریکوں کو ایک نئے موڑ پر لا رہا تھا اسلامی دنیا کا بڑا حصہ استعماریت کے خلاف جنگ آزادی لڑنے کی بدولت آزاد ہو رہا تھا جس کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں میں نئے اہداف بھی متعین ہو رہے تھے جہاں اسلامی ممالک آزاد ہو چکے تھے وہاں اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی استعمار جاتے جاتے حکومتی نظام ایسے عناصر کے سپرد کر گیا تھا جو نام کے تو مسلمان تھے مگر ان کی سیاسی فکر مغربی فکر سے ہم آہنگ تھی۔

عالم عرب کا بڑا حصہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود نام نہاد ترقی پسند استعماری ترکے' جو مقامی حکومتوں کی شکل میں سامنے آیا تھا کے نرغے میں آ چکا تھا' فلسطین پر یہودیوں کو مسلط کرنے کی وجہ سے تمام عالم عرب کی اسلامی تحریکوں میں بے چینی پھیل چکی تھی اس کا سب سے زیادہ اثر مصر کی اسلامی تحریک ''اخوان المسلمون'' نے لیا تھا کیوں کہ جغرافیائی طور پر مصر صحرائے سینا کے راستے فلسطین سے منسلک تھا۔ اخوان المسلمون نے 1948ء میں ہی مقبوضہ فلسطین میں جہاد کی خاطر مجاہدین داخل کر دیئے تھے جنہیں تمام عالم عرب کی اسلامی تحریکوں اور بعض حکومتوں کی حمایت حاصل تھی۔ مگر بین الاقوامی سازشوں اور داخلی خیانتوں کی وجہ سے اس کے جو نتائج سامنے آئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ صدر ناصر کی عرب ازم کی فکر نے اس تحریک کو مصر میں زبردست نقصان سے دوچار کیا' حالانکہ مصر میں شاہ فاروق کے خلاف انقلاب لانے میں ناصر نے اخوان المسلمون کے کاندھے استعمال کئے تھے مگر اب اس نے اس تحریک پر ظلم کے ناقابل یقین پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے تھے۔ ان پر سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی ممانعت تھی۔ یہ سلسلہ صدر سادات اور اب کسی حد تک حسنی مبارک کے دور میں بھی جاری ہے۔ مقامی حکومتوں کی اس روش سے تنگ آ کر اس کے بہت سے قائدین نے نام بدل کر جماعتیں منظم کیں اور مقاصد کے حصول کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کیا ان ہی جماعتوں میں ''الجماعۃ الاسلامیہ'' اور ''اسلامی جہاد'' نامی تحریکیں شامل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی فلسطین میں لڑنے والی اسلامی تحریکیں اپنے اوائل دور سے ہی ایک پلیٹ

Marfat.com

فارم کی تلاش میں تھیں انہیں یہ سہولت ''تنظیم آزادی فلسطین'' پی ایل او کی شکل میں میسر آئی۔ مگر 1978ء کے بعد ان تنظیموں نے یورپ میں اپنا اچھا خاصا نیٹ ورک قائم کر لیا تھا' یہی وجہ ہے کہ 1993ء میں ہونے والے اوسلو معاہدے کے بعد جب ان اسلامی تحریکوں نے پی ایل او سے باقاعدہ علیحدگی اختیار کی تو انہیں کسی قسم کی تنظیمی پریشانی سے واسطہ نہیں پڑا۔ ایک اندازے کے مطابق پی ایل او کی سترہ تنظیموں میں نو اسلامی تحریکیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ الاخوان المسلمون کی کئی شاخیں شام' اردن' اور سوڈان میں بھی کام کر رہی تھیں۔ الجزائر کا اسلامی فرنٹ فرانس سے میدان جہاد میں طویل پنجہ آزمائی کر چکا تھا مگر آزادی کے بعد اسلامی تحریکوں کا جغرافیائی انداز میں گلا دبایا جا رہا تھا ایسے ہی دور میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے ایک نئے جہادی میدان کا انتخاب کیا..... یہ افغانستان تھا۔

اپریل 1978ء کو نور محمد ترہ کئی نے سردار داؤد کے خلاف سرخ انقلاب کی منصوبہ بندی مکمل کی۔ یہ ہی وہ دور تھا جب ایران میں علامہ خمینی کی قیادت میں انقلابی اسلامی تحریک تیزی کے ساتھ مضبوط ہو رہی تھی۔ 26 اور 27 اپریل کی درمیان شب کو افغان فوج کے انقلابی دستوں نے کابل میں صدارتی محل کو گھیر کر اقتدار پر اپنا قبضہ جما لیا تھا افغانستان سرخ انقلاب کی لپیٹ میں آ چکا تھا' نور محمد ترہ کئی افغانستان کے صدر بن چکے تھے لیکن اس انقلاب کے ٹھیک دس روز بعد ہی اسلامی تحریک نے سر اٹھایا اور انتہائی کم عرصے میں افغانستان کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ جہاد کا غلغلہ تمام عالم میں پھیل گیا جس پر افغان اور پاکستانیوں کے بعد لبیک کہنے والے عرب تھے۔ یہ وہ دور تھا جب تمام عالم عرب مسئلہ فلسطین میں الجھا ہوا تھا۔ اسامہ بن لادن جدہ میں اپنے دیگر بھائیوں کے ساتھ کاروباری مشاغل میں مصروف رہا اسکے ساتھ ساتھ اس کی دیگر فلاحی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ یورپ میں بن لادن کمپنی کے دفاتر فلسطینیوں کی فنڈنگ میں مصروف تھے الفتح اور دیگر فلسطینی اسلامی تحریکیں بن لادن کے علاوہ خلیجی ممالک کی متمول اسلامی تنظیموں اور شخصیات کی مدد سے اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھیں مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جلد ہی ان کی جدوجہد کا رخ کہیں اور منتقل ہونے والا ہے۔ اسی جدوجہد کے دور میں اسلامی یونیورسٹی میں ایک فلسطینی نژاد نوجوان طالب علم عبداللہ عزام بھی اپنی تعلیم کے آخری مراحل میں تھا' عبداللہ عزام نے جسے بعد میں افغانستان میں عرب مجاہدین کا امیر ہونے کا شرف حاصل ہوا' اسامہ کو افغانستان

Marfat.com

لانے میں کلیدی کردار ادا کیا' ہزاروں عرب مجاہدین کو جنگی تربیت دے کر انہیں سوویت یونین جیسی ہولناک جنگی طاقت کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑا کر دیا۔ مگر اس وقت تک عبداللہ عزام کی جدوجہد کا سب سے بڑا مرکز آزادی فلسطین تھا جس کے لئے اس نے اور اس کی طرح ہزاروں فلسطینی نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں یہ تمام نوجوان اپنے اپنے محاذوں پر جدوجہد میں مشغول تھے۔ عبداللہ عزام اس وقت تک اسامہ سے اس کی کمپنی کے حوالے سے واقف تھا شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں اس کی تعلیم کا دورانیہ بھی تقریباً وہی ہے جب اسامہ یہاں زیر تعلیم تھا۔ ذرائع کے مطابق 1980ء کے آخر میں عرب مجاہدین کا سب سے پہلا قافلہ افغانستان جانے کے لیے پشاور میں وارد ہوا تھا یہ تقریباً 40 کے قریب افراد پر مشتمل قافلہ تھا جن میں خلیج کے ساتھ ساتھ شمالی افریقہ کے عرب ممالک کے نوجوان بھی شامل تھے۔ عبداللہ عزام نے پشاور پہنچ کر سب سے پہلے ان عرب مجاہدین کو منظم انداز میں جہاد کی ترغیب دی اور پشاور میں ان کے اولین مراکز قائم کیے جہاں مہاجرین کی آبادکاری ہوئی۔ مجاہدین اور دیگر افغان عوام کی مدد کے لیے ادارے قائم کیے گئے۔ اسی دور میں اسلامی دنیا کے متمول حصوں سے مجاہدین کی اعانت اور مہاجرین کی بحالی کے لیے مالی امداد آنا شروع ہوگئی۔ فلسطینی اس سلسلے میں بن لادن خاندان کی خدمات کو فراموش نہیں کر سکے تھے' جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بن لادن کا مسئلہ فلسطین سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اس مسئلے کو ہائی جیک کرنا چاہتا ہے تو یہ ان کی نا علمی ہے لادن خاندان کی اعانت محمد بن عوض کے زمانے سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اس پس منظر کے حوالے سے عبداللہ عزام نے اسامہ سے رابطہ کیا اور اس سے افغانیوں کی امداد کے لیے درخواست کی۔ عبداللہ عزام کو علم تھا کہ بن لادن خاندان نہ صرف خود اس مسئلے میں امداد کرے گا بلکہ خلیج کی دیگر متمول شخصیات کو بھی اس کام پر آمادہ کر لے گا ذرائع کے مطابق اسامہ نے اس کام کے لیے 1981ء کے اوائل میں افغانستان کا دورہ کیا اور عبداللہ عزام سے مجاہدین کی امداد کے معاملات پر تبادلہ خیال کیا عبداللہ عزام اس کام کو منظم انداز میں کرنے کے لیے "مکتب الخدمت" نامی ادارہ تشکیل دے رہے تھے جس کے پلیٹ فارم کو دیگر اسلامی و عرب رفاہی تنظیمیں استعمال کر کے مجاہدین کی مدد کر سکتی تھی اور فی الواقع ایسا ہوا بھی' یہ وسائل اس قدر وافر ہو گئے کہ ایک مرتبہ 1983 میں مکتب الخدمت نے امریکی امداد کو ٹھکرا دیا تھا اس بات کا اعتراف سی آئی اے کے ایک سابق آفیسر نے بھی کیا کہ مکتب الخدمت نے کبھی بھی

Marfat.com

امریکی امداد قبول نہیں کی بلکہ ان کا سارا انحصار عالم عرب سے آنے والی امداد پر تھا۔ تھوڑے عرصے بعد ایسا وقت آیا جب عرب مجاہدین کا سب سے بڑا پلیٹ فارم یہی ادارہ بن گیا۔ اس ادارے کے قائم کرنے والے ان مجاہدین کے کمانڈر بن گئے۔ عبداللہ عزام خود عملی طور پر جہاد میں شریک ہو چکے تھے انہیں افغانستان میں لڑنے والے عرب مجاہدین کا امیر کہا جاتا تھا اسامہ ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہو چکے تھے۔ ان مجاہدین کے بڑے مراکز جلال آباد، قندھار، خوست، پکتیا اور لوگر میں تھے۔ جب تک افغانستان سے روسی فوجیں واپس گئیں اس وقت تک یہ پلیٹ فارم عرب اور دیگر غیر افغان مجاہدین کی سرگرمیوں کا طاقتور مرکز بن چکا تھا ان میں سے زیادہ تعداد فلسطینیوں اور مصریوں کی تھی اس کے بعد شامی، اردنی، الجزائری، ترک، انڈونیشین، فلپائنی، خلیجی اور سعودی مجاہدین کی تھی۔ مجاہدین کی امداد کے لیے یورپ اور امریکہ کے متمول مسلمان ادارے اور شخصیات بھی امداد بھیج رہی تھیں اس سلسلے میں مکتب الخدمت نے بروکلین امریکہ میں بھی ایک دفتر قائم کرنے فیصلہ کیا جس کے نگران اعلیٰ مصر کے شیخ عمر عبدالرحمٰن تھے یہ مرکز جو اسلامی مرکز کی طرز پر قائم کیا گیا تھا ریگن انتظامیہ کی منظوری سے فنڈز اکٹھا کرتا تھا۔ اسی طرح کے کئی ادارے یورپ میں بھی کام کر رہے تھے۔ مگر سوویت یونین کے افغانستان سے شکست کھانے کے بعد ان اداروں پر بھی کڑی نگاہ رکھی جانے لگی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس پلیٹ فارم پر دنیا کی متعدد اسلامی تحریکوں کے افراد افغانستان میں جہاد کے لیے آ گئے تھے ان میں مصر کی اخوان المسلمون، اسلامی جہاد، الجماعۃ الاسلامیہ، فلسطین کی حماس، الجہاد، الجزائر کا اسلامک فرنٹ وغیرہ شامل تھیں۔ یہاں ان اسلامی تحریکوں کو کھل کر کام کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہت سی تحریکوں پر باقاعدہ سرگرمیاں جاری رکھنے پر پابندی لگی ہوئی تھی ایسی صورت میں ان جماعتوں کے بعض رہنماؤں نے مکتب الخدمت کو ہی اپنا پلیٹ فارم قرار دے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض عرب مجاہدین کو افغانستان سے واپس جاتے ہی حراست میں لے لیا گیا اور ان پر انتہا پسندی کے الزامات عائد کیے جانے لگے۔ یہ تحریکیں افغانستان کے ساتھ ساتھ ان ممالک میں بھی اسلامی نظام نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ امریکہ نے افغانستان میں اس وقت بھی وسیع البنیاد حکومت قائم کرنے کا فتنہ کھڑا کیا تھا جس پر سب سے زیادہ شہید صدر جنرل ضیاء الحق نے امریکی عزائم کی مزاحمت کی یہ بات کھلا راز ہے کہ اس وقت امریکہ کو سب سے زیادہ ضیاء الحق شہید ہی اپنے راستے کی رکاوٹ نظر آئے اور

Marfat.com

پھر انہیں ہٹانے کی کامیاب کوشش کی گئی..... ضیاء الحق کی شہادت سے وقتی طور افغانستان میں کام کرنے والی اسلامی تحریکوں کی کمر ٹوٹ گئی مگر جلد ہی انہوں نے دوبارہ اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کر دیا جس پر امریکہ کا رخ افغانستان کی عرب اسلامی تحریکوں کی جانب ہوا۔ امریکہ اور اس کے حواریوں کو علم تھا کہ مکتب الخدمت اور اس پلیٹ فارم پر کام کرنے والی اسلامی تحریکیں کبھی افغانستان میں امریکہ نواز حکومت تشکیل نہیں پانے دیں گی۔ عبداللہ عزام اس صورتحال کو بھانپ چکے تھے انہوں نے افغانستان کی مجاہد قیادت میں خاصا رسوخ حاصل کر لیا تھا امریکہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ عبداللہ عزام کی موجودگی میں افغانستان کی دیگر افغان قیادت کو قابو کرنا آسان نہیں ہوگا اس لیے ایک سازش کے تحت 1989ء میں عبداللہ عزام کو سازش کے تحت کار بم دھماکے میں شہید کر دیا گیا جب وہ پشاور میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف آ رہے تھے۔ اس سازش میں ان کے دو کم سن بیٹے بھی شہید ہو گئے عرب مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کو وقت کی بڑی جنگی قوت بنانے میں عبداللہ عزام کا کلیدی کردار تھا مگر ان کی شہادت کے بعد اسلامی تحریکوں کو ضیاء الحق شہید کے بعد دوسرا بڑا دھچکا لگا۔ بعض ذرائع کے مطابق عبداللہ عزام کی شہادت کی کڑیاں برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود سے جا ملتی ہیں..... جن پر امریکہ نے شروع سے خصوصی عنایات کر رکھی تھیں۔ مگر امریکی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے افغانستان کو سیاسی طور پر منتشر کرنے کی اہم ضرورت تھی اور اس کا واحد راستہ خانہ جنگی تھا اسامہ نے اس پر آشوب دور میں جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی فریق کا ساتھ نہ دیا تھا بلکہ وہ خاموشی کے ساتھ مسئلے کے حل کے لیے کام کرتے رہے مگر ان کی اس معاملے میں ایک نہ چلی آخر کار انہوں نے افغانستان کو خیر باد کہا اور واپس سعودی عرب آ گئے اپنی کاروباری سرگرمیاں جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کا دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں سے رابطہ بھی برقرار تھا۔ وہ افغان جنگ میں سوویت یونین کی شکست کے بعد اسلامی دنیا میں بدلی ہوئی صورتحال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے امریکی ان سے اور امریکیوں سے اچھی طرح واقف تھے اسلامی تحریکوں کے لیڈران سے رابطوں میں تھے یہ صورتحال ابھی جاری تھی کہ امریکہ نے افغان جنگ کے بعد اپنے کھیل کا دوسرا حصہ شروع کیا یہ خلیج میں عراق کے ذریعے کویت پر قبضہ کرنا تھا۔ سی آئی اے کو اندازہ تھا کہ افغان جہاد کے دوران خلیج سے بے بہا مالی امداد مجاہدین کو دی گئی ہے اور ان کا سلسلہ ابھی تک کسی نہ کسی صورت جاری ہے۔

Marfat.com

افغان جنگ نے سوویت یونین کی شکست سے مجاہدین کے حوصلے بڑھا دیئے تھے وہ کسی طور بھی امریکی حاکمیت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے امریکہ نے عراق کے کویت پر قبضے سے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ایک طرف اس نے خلیج میں کام کرنے والی رفاہی تنظیموں کی مجاہدین تنظیموں کے لئے قائم کردہ پائپ لائن کو منقطع کرنا تھا تو دوسری جانب تیل سے مالا مال اس علاقے کو عملاً اپنی گرفت میں لینا تھا۔ عراق کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کویت پر حملہ آور کرا دیا گیا' جان بوجھ کر مغربی میڈیا میں صدام حسین کی تصویر کچھ سے کچھ بنا دی گئی اسے ایک ایسے مقام پر کھڑا کیا گیا جہاں سے واپسی ممکن نہیں تھی۔ اسلامی تنظیموں نے اسامہ کو ایک پلیٹ فارم بنانے کا مشورہ دیا اسی دور میں مصر کی تنظیم اسلامی جہاد کے رہنما ایمن الظواہری کا نام پہلی مرتبہ مغربی میڈیا میں سامنے آیا۔

اسلامی تحریکوں کا خیال تھا کہ مقامی حکومتوں کی اجازت سے اگر عراق کو کویت سے نکالا جائے تو وہ یہ کام آسانی سے سرانجام دے سکتی ہیں۔ امریکہ نے جلد بازی میں اپنی فوجیں خلیج میں اتار دیں اب کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا ایک عالمی غنڈہ علی الاعلان غنڈہ گردی پر اتر آیا تھا امریکہ کویت کو عراق سے آزاد کرنے کے بعد خود استعماری کی شکل میں وہاں بیٹھ گیا صدام حسین کو بغداد میں باقی رکھنا علاقے میں اس کی موجودگی کا جواز تھا..... ایک طرف اسرائیل مسلسل فلسطینیوں پر ظلم ڈھا رہا تھا تو دوسری جانب عالمی استعمار امریکہ علاقے میں قدم جما چکا تھا' یہی وہ لمحہ تھا جب اسلامی تحریکوں کے بعض رہنماؤں نے سیاسی اور اقتصادی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر امریکی دہشت گردی کے آگے بند باندھنے کا ارادہ کیا۔ یوں مکتب الخدمت سے شروع ہونے والا سلسلہ ''القاعدہ'' کی شکل اختیار کر گیا جس کے روح رواں اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری تھے۔ اس سلسلے میں اسامہ نے کئی ممالک کے دورے کئے ذرائع کے مطابق 1992ء میں اسامہ بن لادن نے منیلا (فلپائن) کا دورہ کیا یہاں ان کا استقبال ایک سعودی سرمایہ کار کے طور پر کیا گیا تھا مگر یہاں انہیں کاروبار سے زیادہ آزادی کی طویل ترین جنگ لڑنے والے مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ سی آئی اے کا دعویٰ ہے کہ اس دوران ان کا رابطہ فلپائنی حریت پسندوں سے بھی ہوا اور انہوں نے القاعدہ کے امور پر ان سے بات چیت کی۔ فلپائنی مسلمانوں جنہیں مورو مسلمان کہا جاتا ہے جدید دور کی طویل ترین جنگ لڑ رہے ہیں جب تک فلپائن میں باقاعدہ امریکی فوجی اڈے

Marfat.com

موجود تھے اس وقت تک امریکی فوج ان حریت پسندوں کے خلاف فلپائنی فوج کے ہمراہ مصروف عمل رہی مگر انہیں مکمل طور پر دبایا نہیں جا سکا تھا امریکی فوج کے جاتے ہی ان مجاہدین کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور انہوں نے کھل کر فلپائنی زیادتیوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں جس پر ان کو ''بیرونی'' امداد لینے کا مجرم قرار دیا گیا۔ امریکی میڈیا اور سی آئی اے کھل کر اسامہ کے خلاف ہو چکے تھے انہیں علم تھا کہ اسامہ اور ان کے رفقاء کار اب مصلحتوں سے آزاد ہو کر امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہیں۔

ذرائع کے مطابق اسامہ نے اپنی شہریت کی منسوخی کی خبر ویمبلے (لندن) میں سنی جس کے فوراً بعد انہوں نے سوڈان منتقل ہونے کا فیصلہ کیا یہاں ان کا استقبال ڈاکٹر حسن الترابی اور سوڈانی حکومت کے بڑے عہدیداروں نے کیا۔ حسن الترابی کے ساتھ اسامہ کے روابط افغان جہاد کے دوران ہی استوار ہو چکے تھے کیونکہ عرب مجاہدین کے ساتھ سوڈان کی اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے والے بے شمار مجاہدین افغانستان آئے اور مکتب الخدمت کے پلیٹ فارم سے انہوں نے افغانستان کے اندر سوویت یونین کے خلاف طویل جنگ لڑی تھی اور اب سوڈان میں اسلامی فکر کی حامل حکومت قائم ہو چکی تھی' اسی دوران امریکہ نے سازش کے تحت سوڈان اور ایتھوپیا کے جنوب مشرق میں واقع اسلامی ملک صومالیہ کو غیر مستحکم بنانے کا منصوبہ ترتیب دیا۔

جب سے سوڈان میں اسلامی فکر کی حامل حکومت آئی امریکہ اور برطانیہ نے اسے غیر مستحکم کرنے کے لیے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا تھا اس کے لیے سب سے پہلے جنوبی سوڈان کے عیسائی قبائل کو برطانیہ نے خفیہ طور پر اسلحہ سپلائی کرنا شروع کیا اور اس طرح سوڈان اور باغی عیسائی قبائل کے درمیان خونریز جنگ کا آغاز ہوا۔ ذرائع کے مطابق سی آئی اے اور برطانوی ایم آئی 6 نے جنوبی سوڈان میں باقاعدہ ٹریننگ کیمپ قائم کیے تھے تاکہ اسلامی ملک سوڈان کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے مگر ایسا اس لیے ممکن نہیں ہو سکا کیونکہ جنوبی سوڈان کے قریب اسلامی ملک صومالیہ کی سرحدیں تھیں۔ سوڈان واپس آنے والے مجاہدین نے صومالیہ کی مدد سے جنوبی سوڈان کے عیسائی قبائل کی کئی کوششیں ناکام بنا دیں۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے امریکہ نے سوڈان کے بجائے سب سے پہلے صومالیہ کا حساب چکانے کا فیصلہ کیا کیونکہ برطانیہ کی جانب سے مہیا کردہ رپورٹوں میں صاف اس بات کا اظہار کیا

Marfat.com

گیا تھا کہ صومالیہ کی طاقتور حمایت کی وجہ سے خرطوم میں اسلامی تحریک کو حکومت سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ اس رپورٹ کے ساتھ ہی امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے صومالیہ پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ سوڈان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لے۔ اس کے ساتھ ساتھ صومالیہ کی اپوزیشن نے حکومت کے خلاف اچانک تحریک شروع کر دی جو اس بات کی جانب اشارہ تھا کہ امریکہ اور برطانیہ سوڈان کو تباہ کرنے پر تل گئے تھے۔ تب اسامہ اور اس کے ساتھی ایمن الظواہری نے القاعدہ کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے جنرل فرح عدید سے رابطہ کیا اور انہیں ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا۔ اپوزیشن کی شورش سے صومالیہ میں انتشار کی حالت پیدا ہوئی اور امریکہ کو امن کے نام پر مداخلت کا موقع مل گیا مگر یہ انتہائی عاقبت نا اندیشانہ فیصلہ تھا جنرل فرح عدید کی فوجوں نے القاعدہ کے مجاہدین کے ساتھ مل کر ایسی گوریلا جنگ کا آغاز کیا جس نے امریکیوں کو چکرا کر رکھ دیا اس جنگ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ جنرل عدید کا کوئی بڑا کمانڈر امریکیوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ ذرائع کے مطابق اس جنگ میں جنرل عدید اور القاعدہ کے ارکان نے قطعاً الیکٹرانک مواصلاتی آلات استعمال نہیں کئے تا کہ انہیں اسکین نہ کیا جا سکے رابطے کے لیے افریقہ کا قدیم سلسلہ مواصلات استعمال کیا گیا یہ جانوروں کی بولیاں اور ناریل کے خالی خول سے نکالی جانے والی آوازیں تھیں۔ ان ''ذرائع مواصلات'' نے امریکیوں کی تمام جدید ٹیکنالوجی کو عاجز اور ناکارہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ امریکیوں کو آخری وقت تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ان پر حملہ کہاں سے کیا جاتا ہے اس جنگ میں تین سو امریکی فوجی جہنم واصل ہوئے بہت سے فوجیوں کی لاشیں مغدیشو کی سڑکوں پر گھسیٹی گئیں سی این این یہ مناظر زیادہ دیر تک اپنے عوام کو نہیں دکھا سکا۔ جیسے ہی لاشیں امریکہ پہنچنا شروع ہوئیں امریکہ پر فوج واپس لانے کے لیے داخلی دباؤ بڑھ گیا اور ذلت کے ساتھ اسے صومالیہ چھوڑنا پڑا اس کے پیچھے بہت سے امریکی گن شپ ہیلی کاپٹروں کا ملبہ رہ گیا تھا..... امریکہ کے خلاف یہ القاعدہ کی بہترین حکمت عملی تھی جو جنرل فرح عدید کے فوجیوں کی مدد سے پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی تھی۔ امریکیوں کو القاعدہ کے بازوؤں کا اندازہ ہو چکا تھا۔

امریکی صحافی یوسف بودانسکی کے مطابق ''اسامہ کے ٹھکانے کا اندازہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے ریت میں سوئی تلاش کرنا' وہ طالبان کی سخت حفاظت میں ہے جو قبائلی روایت کے مطابق اپنی جان سے زیادہ اپنے مہمان کی حفاظت کرتے ہیں۔ تاہم شہادت ہر مجاہد کی خواہش ہوتی ہے۔ واشنگٹن

Marfat.com

پوسٹ کا دعویٰ ہے کہ اسامہ کا غار کسی گھر سے کم نہیں یہ پہاڑ میں تین کمروں پر مشتمل ہے ایک کمرہ الیکٹرانک آلات سے لیس ہے جس میں کمپیوٹر، فیکس سیٹلائٹ فون سے متعلق اشیاء ہیں، دوسرے کمرے میں محافظ دستہ ان کا جدید اسلحے کا ذخیرہ جبکہ تیسرا کمرہ کتابوں اور اوراق سے بھرا ہوا ہے جہاں اسامہ مطالعہ کرتے ہیں۔ اسامہ کے غار کے قریب ہی ان کے تین رفقاء کار کے غار بھی ہیں جن میں ایمن الظواہری، مصطفیٰ حمزہ اور احمد اسلامبولی شامل ہیں''۔ واشنگٹن پوسٹ کی یہ رپورٹ صرف جلال آباد تک محدود ہے جبکہ ذرائع کے مطابق ایسے سینکڑوں غار افغانستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں القاعدہ کے دیگر مجاہدین رہنما مختلف وقتوں میں رہائش اختیار کرتے ہیں ایمرجنسی کی حالت میں اسامہ کبھی ایک جگہ مستقل قیام نہیں کرتے۔

اسامہ کے معتمد خاص ایمن الظواہری کا تعلق پہلے مصر کی اسلامی تحریک اخوان المسلمون کے ساتھ تھا مگر امریکی اور اسرائیلی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے ''الجہاد الاسلامی'' نامی مجاہد تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی شروع شروع میں اس جماعت نے مصر میں اپنا وجود منوایا مگر اس کی بنیادی وجہ جہاد افغانستان تھی اور اسی جہاد سے حوصلہ پا کر مصر جیسے امریکہ نواز ملک میں اسے قائم کیا گیا تھا۔ جس پر ایمن الظواہری کی گرفتاری کے لیے مصر کے طول وعرض میں چھاپے مارے جانے لگے مگر ایمن الظواہری جو پیشے کے لحاظ سے مصر کے اعلیٰ ترین فزیشن ڈاکٹر شمار ہوتے تھے فرار ہو کر سوئٹزرلینڈ آ گئے، یہاں آ کر انہوں نے مجاہدین کی امداد کے لیے یورپ اور امریکہ کا سیکٹر سنبھال لیا تھا۔ صومالیہ میں امریکی فوجی موجودگی کے دوران ایمن الظواہری، اسامہ بن لادن اور جنرل محمد فرح عدید کے درمیانی رابطے کا بڑا ذریعہ تھا۔ انہی رابطوں نے امریکہ کو جانی نقصانات سے دوچار کیا اور اسے بدحواسی میں صومالیہ چھوڑنا پڑا۔ ایمن الظواہری کے قریبی تعلقات سوڈان کی اسلامی شخصیت ڈاکٹر حسن الترابی سے بھی رہے۔ 1995ء میں ایمن الظواہری نے مصر میں اسلامی انقلاب کے لیے ایک کوشش بھی کی مگر داخلی اختلافات کی وجہ سے یہ کوشش بارآور ثابت نہ ہو سکی ذرائع کے مطابق ایمن الظواہری اور مصر کی اسلامی عسکری شخصیت محمد مکاوی سے حکمت عملی کے معاملے میں اختلافات پیدا ہو گئے، محمد مکاوی اسے صرف مصری تنظیموں تک محدود رکھنا چاہتے تھے جبکہ ایمن الظواہری کے نزدیک غیر مصری اسلامی تحریکوں کا تعاون ان کے لیے ضروری تھا۔ سی آئی اے کا دعویٰ ہے کہ ایمن الظواہری نے ہی 1995ء میں ''افریقن

Marfat.com

کانفرنس'' کے دوران ادیس ابابا میں حسنی مبارک کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سوئٹزرلینڈ میں مصری سفارتکار اور قائم مقام سفیر علاء الدین نظمی کو قتل کرایا۔ سی آئی اے کے مطابق ایمن الظواہری کو ایران سے بھی مدد ملتی ہے جس نے انور سادات کے قاتل خالد اسلامبولی کے نام سے تہران کی ایک شارع منسوب کر رکھی ہے۔

ایمن الظواہری نے بلقان میں ہونے والی جنگ میں بھی اہم کردار ادا کیا بوسنیا میں جس وقت سربوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا تو دیگر عرب مجاہدین کے ساتھ ساتھ القاعدہ سے تعلق رکھنے والے عرب مجاہدین بھی بوسنیا میں داخل ہوئے' بوسنیا میں داخل کرنے کے لیے یورپ میں القاعدہ کے نیٹ ورک جو زیادہ تر مشرقی یورپ میں رہائش پذیر فلسطینی مہاجرین پر مشتمل تھا اس کے ساتھ ساتھ شیخ عمر عبدالرحمن کی عمر قید کے بعد جو امریکہ کے مسلمانوں کے نزدیک روحانی رہنما بن چکے تھے۔ ایمن الظواہری یورپ میں جانشین مقرر ہو گئے۔

مصطفیٰ حمزہ کا شمار بھی اسامہ بن لادن کے مشیروں میں ہوتا ہے ان کا تعلق مصر کی ''الجماعۃ الاسلامیہ'' سے ہے ان کا سب سے پہلا مرکز خرطوم میں تھا جہاں یہ مسلمان مجاہدین کی جہادی تربیت کرتے تھے' سی آئی اے اور ایف بی آئی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے وہ نوجوان بھی تیار کئے جو مصری صدر حسنی مبارک کے قتل کی کوشش میں ملوث تھے اور ان کے پاس سوڈان کا پاسپورٹ ہے جو کسی اور نام سے حاصل کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے افغان جہاد کے دوران الجزائری مسلمانوں کی اچھی بھلی تعداد جہاد کے لیے افغانستان روانہ کی۔ فرانسیسی حکام کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے 1995ء میں پیرس کی میٹرو ٹرین میں بم رکھوایا۔ مصری صدر پر قاتلانہ حملے میں ناکامی کے بعد انہیں سوڈان سے افغانستان منتقل ہونا پڑا' ایف بی آئی کے مطابق سوڈان کے رہنما ڈاکٹر حسن الترابی نے انہیں کہا کہ سوڈان پر بین الاقوامی دباؤ زیادہ ہے اس لیے وہ افغانستان منتقل ہو جائیں جہاں جہادی سرگرمیاں جاری رکھنے کی زیادہ گنجائش ہے۔

احمد اسلامبولی خالد اسلامبولی کے بھائی ہیں جنہوں نے فوجی پریڈ کے دوران 1981ء میں صدر سادات کو قتل کر دیا تھا ان کا شمار اولین عرب مجاہدین میں ہوتا ہے جنہوں نے افغان جہاد کے لیے افغانستان آنے کا قصد کیا تھا۔ اسلامبولی کا پہلا مرکز افغانستان جہاد کے دوران پشاور میں قائم کیا گیا۔ یہ مرکز افغانستان جہاد کے لیے آنے والے عرب مجاہدین کو تربیت دیتا تھا ذرائع کے

Marfat.com

مطابق اس وقت بھی ان کا یہ مرکز بعض اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ یورپی ممالک میں بھی پھیلا ہوا تھا جہاں سوئٹزرلینڈ میں ایمن الظواہری نے ان کے شعبے کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی۔ بعد میں صومالیہ میں امریکی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامبولی نے عرب مجاہدین کو خصوصی تربیت دی۔ صومالیہ کے حزب الاسلامی کے ساتھ اسلامبولی نے باقاعدہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ افغانستان میں ان کے کیمپوں کو صومالیہ منتقل کیا جائے اس کے جواب میں وہ صومالیہ کے مجاہدین تربیت دیں گے۔

یمن ایک ایسا اسلامی ملک ہے جہاں زبان کے سواء باقی تمام عوامل افغانستان سے خاصے مماثلت رکھتے ہیں جن لوگوں کو یمن دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے انہیں اچھی طرح علم ہے کہ جغرافیائی اور تمدنی لحاظ سے اسے افغانستان کا جڑواں ملک کہا جا سکتا ہے۔ ذرائع کے مطابق القاعدہ سے تعلق رکھنے والے مجاہدین نے 1994ء میں یمن میں تربیت کے لیے اپنے کچھ کیمپ قائم کئے تھے۔ عدن اور زنجبار کے درمیانی علاقے میں جو عدن سے 170 کلومیٹر فاصلے پر ہے ''جبال المراقشہ'' میں کیمپوں کے آثار ملے ہیں یہ علاقہ انتہائی بنجر اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا ہے یہاں کوئی درخت بھی نہیں اگتا لوگوں کی اقتصادی حالت ایسی ہے کہ وہ یہاں پانی کے لیے کنواں بھی نہیں کھود سکتے۔ یہ وادی آتش فشاں پہاڑوں کے لاوا اگلنے سے سیاہ ہو چکی ہے اور اسی وادی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ علاقے میں امریکہ کو سب سے زیادہ خوفزدہ اس وادی نے کیا کیونکہ یہاں القاعدہ کے ٹریننگ کیمپ رہے ہیں۔ انقلاب سے پہلے اس علاقے میں جس سلطان کی حکمرانی تھی اس کا بیٹا محمد سالم بھی اسامہ کا دوست کہا جاتا تھا۔ کسی زمانے میں کمیونزم کے خلاف الشیخ طارق الفضلی نے جہاد کے لیے یہاں کیمپ قائم کیئے تھے۔

بعض ذرائع کے مطابق جن کی معلومات کا انحصار ایف بی آئی پر ہے یمن کی ''جماعۃ الجہاد'' نے 1998ء میں اپنا نام تبدیل کر کے ''جیش عدن'' رکھ لیا تھا جو اسامہ کی خواہش پر کیا گیا تھا تا کہ افغانستان کے بعد یمن کے پہاڑوں کو جدوجہد کا حصہ بنایا جائے۔ یہ جماعت علاقے میں امریکی مفادات کے خلاف جنگ کے لیے تیار کی گئی تا کہ یہاں سے دباؤ ڈال کر علاقے میں موجود امریکی فوج کو نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ 1998ء میں اس جماعت کے بعض رہنماؤں جن میں زین العابدین بن علی ابوبکر المحضار شامل تھے نے اعلان کیا تھا کہ ان کی جماعت میں پچاس ہزار سے زیادہ لڑاکا مجاہدین ہیں جن کے پاس ایسا اسلحہ ہے جو یمنی فوج کے استعمال میں ہے۔ ان کا دعویٰ

Marfat.com

تھا کہ یمن کے صدر علی عبداللہ صالح ''جیش عدن'' کے خلاف نہیں ہیں مگر ان کی حکومت میں شامل بعض امریکہ نواز افراد اس کی جاسوسی کر کے امریکہ کہ خبریں ارسال کرتے ہیں۔

یمن میں جزیرہ سقوطرٰ عدن شہر اور حدیدہ شہر میں امریکی فوجی اڈے قائم ہیں۔ جہاں سے امریکہ یمنی عوام پر استعمار کی شکل میں مسلط ہے۔ جدید دور کی اس لعنت کو نکالنے کے لیے یمنی عوام میں تیزی کے ساتھ رد عمل پیدا ہوا اور لوگ جوق در جوق امریکہ کے مخالف عسکری تنظیموں میں شامل ہو گئے۔ القاعدہ کا اس میں بہت تھوڑا حصہ ہے جبکہ زیادہ تعداد مقامی اسلامی جماعتوں میں شامل ہے مگر امریکہ اسے پورا کا پورا القاعدہ کے ذمے ڈالتا ہے۔

القاعدہ کے انٹرنیٹ کے ذریعے طریقہ مواصلات کے بارے میں بھی امریکی اور یورپی ذرائع میں اختلافات ہیں۔ ایف بی آئی کے مطابق القاعدہ کی میل یا ٹیلی فون کال پندرہ سے پچیس واسطوں کے بعد منزل تک پہنچائی جاتی ہے جس میں زبان تو عام استعمال ہوتی ہے مگر اس کے معنی پہلے سے ہی مرتب کر لیے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ امریکی NASA آج تک ان پیغامات کا پتا نہیں چلا سکی ہے۔ یورپین ذرائع کا اصرار ہے کہ القاعدہ بڑے آپریشن کے لیے کبھی الیکٹرانک آلات استعمال نہیں کرتی بلکہ ان کا آدمی خود سفر کر کے بالمشافہ پیغام پہنچاتا ہے۔

القاعدہ کا مالیاتی نظام امریکہ کے لیے سب سے زیادہ دردسری کا باعث بنا خود امریکی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ اس نیٹ ورک کو الیکٹرانک اور کمپیوٹرائزڈ بنکاری نے خاصا تحفظ مہیا کیا ہے۔ اس کی سرمایہ کاری دنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں میں مختلف ناموں سے ہے اگر آج اسامہ اور القاعدہ کے اثاثوں کا پتا چلا کر صرف یورپ میں انہیں منجمد کر دیا جائے تو تقریباً یورپ کی 25 فیصد مالیاتی کمپنیاں دیوالیہ ہو جائیں گی۔

اس وقت کہا جا رہا ہے کہ القاعدہ دہشت گردی کر رہی ہے مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ جنگی کلچر تبدیل ہو چکا ہے۔ کیا امریکہ جنگ کے پرانے قواعد کے مطابق جنگ کرتا ہے؟ ایک ایسا دشمن جس کی جنگی قوت بے پناہ ہو، مقامی حکومتیں اس کے خلاف زبان کھولنے سے قاصر ہوں اس کی خاطر افکار کے نام بدل دیئے جائیں اس کی دہشت گردی کو انصاف اور اس کے خلاف رد عمل کو دہشت گردی کہا جانے لگے تو یقیناً جنگی اصول خود بخود بدل جاتے ہیں، القاعدہ نے انہی بدلتے ہوئے حالات میں جنگی حکمت عملی کو تبدیل کیا امریکہ جیسے تنومند دہشت گرد کو بھگا کر تھکا کر ہی زیر کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

القاعدہ کے سپاہی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا ہیڈ کوارٹر بھی ''متحرک'' ہے۔ ذرائع کے مطابق 1999ء میں ہی افغانستان کے علاوہ اس کے متبادل ہیڈ کوارٹر منتخب کر لیے گئے تھے۔ افغانستان پر امریکی جارحیت کے ساتھ ساتھ طالبان کی حمایت جس انداز میں دیگر ممالک میں بڑھی ہے اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اب امریکہ کو میدان جنگ سے بھاگنے کا موقع بھی شاید نہ مل سکے۔ یہ دو جوہری فرق افریقہ اور وسطی ایشیا میں ہیں۔ افریقہ میں حملہ آور کو مارنے کے ساتھ ساتھ بھاگنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے مگر وسطی ایشیا میں حملہ آور کو فاتح بن کر اندر آنے دیا جاتا ہے اس کے بعد وہ اپنے سالم وجود کے ساتھ یہاں سے نکل نہیں سکتا.....

Marfat.com

# مولانا فضل الرحمٰن نے سازش کیسے ناکام بنائی

اگر آپ مذاکرات کی بات کریں گے تو ہم مذاکرات کے لیے تیار ہیں اگر آپ سفارت کاری کی بات کریں گے ہم سفارت کاری کے لیے تیار ہیں' اگر آپ گولی سے بات کریں گے تو جواب گولی سے دیا جائے گا' اس کے علاوہ آپ کو امریکی شہریوں کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا..... دھمکی آمیز لہجے سے گفتگو کا آغاز کرنے والی امریکی خاتون سفارت کار خوف زدہ چہرے کے ساتھ اٹھ کر چلی گئیں۔

جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور امریکی سفارت خانے کی خاتون نمائندہ جی ایس ویلز کے درمیان 3 اگست 99ء کو اسلام آباد میں مولانا کی رہائش گاہ پر ہونے والی اس ملاقات کے یہ آخری الفاظ تھے جو 3 اگست کی رات بین الاقوامی الیکٹرانک میڈیا اور 4 اگست کی صبح پرنٹ میڈیا کی اہم ترین خبر تھی اس مختصر سی خبر کے پس پردہ حقائق کہیں زیادہ انکشاف انگیز ہیں۔

افغانستان' طالبان اور اسامہ سے وابستہ یا عقیدت رکھنے والی تقریباً ہر شخصیت ایسا بیان اور فتوے دے چکی ہے اگر امریکہ نے افغانستان اور اسامہ پر حملہ کیا تو پھر کوئی امریکی شہری محفوظ نہیں

Marfat.com

رہے گا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ایک امریکی سفیر کو نہ صرف مولانا فضل الرحمٰن کے گھر جانا پڑا بلکہ دھمکی آمیز لہجے میں ان سے بات کرنا پڑی! حقیقت یہ ہے کہ یکم جنوری 99ء سے 20 جون 99ء تک کے عرصے میں امریکہ' بھارت اور احمد شاہ مسعود کا ایک بہت بڑا منصوبہ بعض قوتوں نے مولانا فضل الرحمٰن کے ذریعے ناکام بنا دیا تھا۔ 21 جون 99ء کو مولانا فضل الرحمٰن کا افغانستان کا دورہ بڑی اہمیت کا حامل تھا جس کے ذریعے امریکہ اور امریکی ایجنسیوں کو دو برسوں میں تیسری بڑی ناکامی ہوئی۔ پہلی ناکامی ایف بی آئی کے کمانڈوز کو اسامہ کی فورس کے ذریعے ہوئی تھی جس میں 12 امریکی کمانڈوز ہلاک ہوئے تھے' دوسری ناکامی جنرل رالسٹن کروز میزائل آپریشن کی ہوئی جسے پاکستانی ایجنسی نے ناکام بنا دیا اور پھر تیسری ناکامی مولانا فضل الرحمٰن کے ذریعے ہوئی جس سے امریکی حکومت سٹپٹا کر رہ گئی!

7 جون 99ء کو برطانیہ میں بھارتی سفارت خانے میں اسامہ اور طالبان کے خلاف آپریشن کے لیے ایک اہم اجلاس ہوا جس میں احمد شاہ مسعود کے بھائی ولی مسعود' بھارتی ایجنسی را کے اعلیٰ افسران وکرم سنگھ اور اجیت رائے کے علاوہ امریکی دفاع کے دو افسران نے شرکت کی۔ وہاں پر بھارت اور روس کی طرف سے احمد شاہ مسعود کو پہنچائی جانے والی دفاعی امداد کا جائزہ لیا گیا اور احمد شاہ مسعود کے کزن مسعود خلیلی کی خفیہ رپورٹوں کا جائزہ لیا گیا' جو بھارت میں بیٹھ کر را کی زیر نگرانی افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف کام کر رہا تھا اور باغیوں کو اسلحہ پہنچایا جا رہا تھا۔ روس کے راستے بھی امریکی کمانڈوز اور بھارتی ایجنسی کے اہلکار افغانستان میں احمد شاہ مسعود کے زیر قبضہ علاقوں میں پہنچ چکے تھے جبکہ ٹینک' بکتر بند گاڑیاں' راکٹ لانچر' میزائل اور بھاری سامان پہلے ہی احمد شاہ مسعود کو پہنچا دیا گیا تھا۔ دوسری طرف پاکستان میں افغانستان اور ایران کی سرحد کے ساتھ ساتھ امریکہ اور مختلف ممالک کی مشترکہ ٹیمیں جدید مواصلاتی ساز و سامان کے ساتھ جنوری سے وہاں ڈیرے جما کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبکہ امریکی کمانڈوز پاک افغان سرحد پر پشاور کے راستے قبائلی علاقوں میں افغان سرحد میں داخل ہونے کے لیے گزشتہ تین ماہ سے تیار تھے جولائی کے پہلے ہفتہ سے اگست کے پہلے ہفتہ کے دوران احمد شاہ مسعود کی فوج کے ذریعے طالبان پر بڑے حملے کی تیاری ہو چکی تھی جس کے فوری بعد پاکستان کے قبائلی علاقوں کی طرف سے امریکی کمانڈوز نے جبکہ روس کے راستے آنے والے وہ کمانڈوز جو احمد شاہ مسعود کے علاقہ میں موجود تھے نے قندھار

Marfat.com

کی طرف پیش قدمی کرنا تھی اور پاک افغان سرحد اور ایران سرحد کے ساتھ ساتھ درجنوں ٹیمیں ان تمام سرگرمیوں کو واچ کر رہی تھیں۔ لیکن اس دوران میں پاکستان کے اہم خفیہ ادارے نے طالبان اور اسامہ کے خلاف متوقع آپریشن کا سارا بلیو پرنٹ حاصل کر لیا تھا چنانچہ جیسے ہی 7 جون 99ء کو برطانیہ میں بھارتی سفارت خانے میں ہونے والے اجلاس میں آپریشن کی منظوری دی گئی تو ایک طرف طالبان کو ریڈ الرٹ کر دیا گیا تو دوسری طرف احمد شاہ مسعود کے ان تمام ٹھکانوں کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا جہاں پر بھارتی امدادی سامان اور روسی ٹینک اور جدید بکتر بند گاڑیاں پہنچائی گئی تھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کو احمد شاہ مسعود کے پاس موجود امریکی کمانڈوز' پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود امریکی کمانڈوز اور دیگر غیر ملکی ٹیموں کو مار بھگانے اور اسامہ کے خلاف ایک بڑے آپریشن کو ناکام بنانے کی حکمت عملی سے بھی کسی حد تک آگاہ کر دیا گیا' دریں اثناء مولانا فضل الرحمٰن کو طالبان تحریک کے امیر ملا محمد عمر مجاہد کی طرف سے افغانستان کے باضابطہ دورے کی دعوت بھی موصول ہو گئی۔ مولانا فضل الرحمٰن کو 15 سے 21 جون تک اسلام آباد اور کوئٹہ میں اہم اجلاسوں میں سارے منصوبے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

21 جون کو مولانا فضل الرحمٰن اور ان کے ساتھی ایک قافلے کی شکل میں جیسے ہی چمن پہنچے غیر ملکی ٹیمیں' امریکی نمائندے اور سی آئی اے کا پورا نیٹ ورک الرٹ ہو گیا۔ اگلے روز صبح کی نماز چمن میں ادا کی گئی اور جیسے ہی مولانا فضل الرحمٰن کے قدم افغانستان بارڈر کی طرف بڑھے اسامہ کے خلاف کام کرنے والا پورا امریکی مواصلاتی سسٹم حرکت میں آ گیا امریکیوں کو اس وقت اپنے تمام منصوبے خاک میں ملتے ہوئے نظر آئے جب پاک افغان سرحد پر افغانستان میں داخل ہونے سے قبل پاکستانی حکام اور خفیہ اداروں کے اہل کاروں نے انہیں باقاعدہ پروٹوکول کے ساتھ رخصت کیا جبکہ افغانستان میں تو مولانا کے استقبال کے لیے ایک سربراہ مملکت کے برابر پروٹوکول کی تیاریاں ہو چکی تھیں اور یہ باقاعدہ پروٹوکول انہیں قندھار میں ملنا تھا۔ مولانا نے جیسے ہی افغان سرحد کے اندر قدم رکھا سرمی پل کے گورنر نے سرکاری گارڈز کے ساتھ ان کا استقبال کیا ان کا پہلا قیام جو کہ مختصر وقت کے لیے تھا وہ اسپن بولدک کے مقام پر تھا وہاں پر اس علاقہ کے طالبان کمانڈروں نے مولانا سے ملاقات کی اور انہیں افغانستان میں حکومت کے اقدامات اور باغیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کیا۔ اسپن بولدک کے ڈپٹی کمشنر مولانا مخدوم عبدالحق نے بھی ان

Marfat.com

سے ملاقات کی۔ طالبان حکومت کے قیام کے بعد مولانا فضل الرحمٰن کا افغانستان کا یہ پہلا باضابطہ دورہ تھا اسپین بولدک وہی مقام ہے جہاں سے طالبان تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ پاکستانی مہمانوں کی اگلی منزل تختہ پل کا ہیڈ کوارٹر تھا جہاں طالبان کے اہم کمانڈروں نے مولانا کو ائر پورٹ پہنچایا جہاں سے وہ قندھار کی سرزمین پر اترے۔

قندھار میں مولانا کی پہلی ملاقات نائب وزیر خارجہ ملا عبدالجلیل سے ہوئی جنہوں نے مولانا کو احمد شاہ مسعود اور باغیوں کی سرگرمیوں کے بارے تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔ باغیوں کی طرف سرکاری فوجوں کی پیش قدمی کرنے کی تیاریوں کی صورت حال بتائی مولانا نے افغان نائب وزیر خارجہ کو امریکہ کے متوقع حملے اور کمانڈو آپریشن کے بارے میں مختصر طور پر آگاہ کیا کیونکہ تفصیلی گفتگو طالبان اسلامی تحریک کے امیر سے ہونا تھی۔

ظہرانے کے بعد تین بجے پاکستانی مہمان کی ملاقات طالبان کے امیر ملا محمد عمر مجاہد سے ہوئی جس میں قندھار کے گورنر' طالبان کے اہم کمانڈوز' افغان خفیہ ایجنسی کے سینئر افسران شریک تھے اس عام ملاقات کے بعد مولانا کی افغانستان کی تین اہم شخصیات کے ساتھ علیحدگی میں دو گھنٹے تک ملاقات ہوئی مولانا نے افغان حکام کو برطانیہ میں احمد شاہ مسعود کے بھائی اور بھارت میں ان کے کزن کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ جولائی اور اگست میں امریکی متوقع حملے کی تفصیلات سے آگاہ کیا احمد شاہ مسعود کے منصوبے کی ساری تفصیلات سے افغان حکام کو آگاہ کرنے کے بعد انہیں باور کرایا گیا کہ احمد شاہ مسعود پر حملے اس لیے ناگزیر ہیں تاکہ ان کے خفیہ ٹھکانوں سے روسی اور بھارتی اسلحہ اور مشینری برآمد ہو سکے اور احمد شاہ مسعود کے علاقے میں موجود امریکی اور بھارتی کمانڈوز اور خفیہ اداروں کے اہلکار فی الوقت روس کے راستے واپس چلے جائیں نیز باغیوں کو دفاعی پوزیشن میں لاکر اسامہ کو کچھ عرصے کے لیے دوسرے محفوظ مقام پر منتقل کر دیا جائے۔

مولانا فضل الرحمٰن پاکستان سے تیاری کر کے گئے تھے اس کے پہلے حصے کو انہوں نے ملا عمر سے ملاقات کے ساتھ ہی عملی جامہ پہنا دیا' پروگرام کا اگلا حصہ ان دھمکیوں اور فتوؤں کا تھا جو امریکہ کے خلاف دیئے جانے تھے۔ اس کام کے لیے سب سے بڑا اجتماع ارغنداب کے مقام پر ہوا وہاں پر مولانا نے اہم خطاب کیا۔ جلسے میں افغانستان کی اہم شخصیات طالبان کے کمانڈوز' طالبان اور اسامہ کی ذاتی فورس کے لوگ بھی شریک تھے جبکہ وہاں باغیوں کے نمائندے بھی موجود

Marfat.com

تھے جو اپنے آقاؤں کو پل پل کی رپورٹ پہنچا رہے تھے۔ وہاں پر مولانا نے پہلی بار باقاعدہ طور پر امریکہ کے خلاف جہاد کا اعلان کیا' مولانا کے خطاب کے بعد طالبان اور افغان باشندوں نے اجتماعی طور پر عہد کیا کہ افغانستان پر حملہ کرنے کی صورت میں یا حملہ کی تیاری کرتے ہوئے نظر آنے والے غیر ملکیوں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور یہیں پر ایک مقرر کی ہاں میں ہاں ملائی گئی کہ اگر اسامہ کو نقصان پہنچایا گیا تو پہلی فرصت میں اس کے بدلے ایک لاکھ امریکیوں کو ہلاک کیا جائے گا۔ یہی وہ پیغام تھا جس نے امریکی حکام کو ہلا کر رکھ دیا ابھی مولانا فضل الرحمٰن پاکستان واپس پہنچے بھی نہیں تھے کہ امریکیوں نے افغانستان کی سرحد کے چاروں طرف منڈلانے والی ٹیموں کو دفاعی پوزیشن میں آنے اور محفوظ مقامات پر چلے جانے کی ہدایت کر دی اور اگلے حکم کا انتظار کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔

امریکی سفارت کاروں نے مولانا سے ملاقات کی کوشش شروع کر دی لیکن مولانا نے ان کو وقت دینے کی بجائے پاکستان کے مختلف علاقوں میں امریکہ کے خلاف جہاد کی تحریک شروع کر دی..... اس دوران امریکہ نے یہ پالیسی اختیار کی کہ ایک طرف ملاقات کی کوشش شروع کی اور دوسری طرف خود افغانستان اور اسامہ پر حملے کا اعلان کرنے لگے جس سے پاکستانی اخبارات میں شہ سرخیوں سے یہ شائع ہونے لگا کہ امریکہ افغانستان پر حملہ کرنے والا ہے حالانکہ کسی کو علم نہیں تھا کہ امریکہ کا تمام منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ افغان سرحد سے جیسے ہی امریکی اور غیر ملکی ٹیمیں واپس ہوئیں طالبان نے احمد شاہ مسعود کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

مولانا فضل الرحمٰن کی فراہم کی ہوئی اطلاعات درست نکلیں' بلگرام کے علاقے سے طالبان نے بی ایم میزائل لانچرز قلعہ مراد بیگ سے ٹینک شکن میزائل برآمد کئے۔ پنجشیر کے قریب پہاڑی علاقہ میں امریکی امداد سے تعمیر شدہ ہسپتال جو احمد شاہ مسعود کی خفیہ سرگرمیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا وہاں سے غیر ملکی ایجنٹوں کو فرار پر مجبور کر دیا طالبان نے احمد شاہ مسعود کے ٹھکانوں سے ایسے جدید ترین بکتر بند ٹینک برآمد کئے جو روس نے طالبان پر حملے کے لیے فراہم کئے تھے۔ ان پر فضا میں پانچ کلومیٹر جبکہ زمین پر سات کلومیٹر تک مار کرنے والی گنیں فٹ تھیں جبکہ اس بکتر بند کے پیچھے ایسے طاقتور پنکھے بھی لگے ہوئے تھے جس سے یہ ٹینک پانی میں بھی چل سکتا تھا۔ اس آپریشن کے دوران جبل السراج سے طالبان نے ساز و سامان کا ایک بھاری ذخیرہ قبضہ میں لیا جس میں

Marfat.com

بھارتی امداد شامل تھی ادویات' بارود اور ضروریات زندگی کا سامان احمد شاہ مسعود کے علاقوں کے لیے بھارت سے آتا رہا ہے۔ یہ سارا سامان طالبان نے قبضہ میں لے لیا بلگرام ائر پورٹ کے راستے بارودی سرنگوں کی بھاری تعداد بھارت سے پہنچ رہی تھی جو طالبان نے قبضہ میں لے لیں۔ احمد شاہ نے یہ تمام تیاری گزشتہ چھ ماہ میں کی تھی..... طالبان احمد شاہ مسعود کو دوبارہ چھ ماہ پہلے والی پوزیشن میں لے آئے جبکہ مولانا فضل الرحمٰن کی دھمکیوں کے باعث چھ ماہ سے موجود امریکی ٹیمیں وہاں سے محفوظ مقامات پر چلی گئیں یوں ایک بار پھر اسامہ کے خلاف آپریشن کا منصوبہ مکمل ناکام ہو گیا تھا.....!

اس سے قبل امریکہ کو صرف پاکستانی ایجنسی سے خطرہ تھا اب اس کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن پر بھی نظر رکھنا پڑی چنانچہ تیسرے آپریشن کی ناکامی اور چوتھا آپریشن شروع کرنے سے قبل امریکی سفیر کو مولانا کے گھر بھجوایا گیا تاکہ انہیں دھمکی دے کر باور کرایا جائے کہ وہ اسامہ کے خلاف امریکی آپریشن میں رکاوٹ نہ بنیں۔

Marfat.com

# طالبان مولانا سمیع الحق کی نظر میں

س:۔آپ یہ بتائیں طالبان سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟

ج:۔طابان سے ہمارا رشتہ دنیاوی رشتوں سے بھی زیادہ قوی رشتہ ہے۔اساتذہ اور شاگردوں کا رشتہ ہے۔دارالعلوم حقانیہ اور اس کے اساتذہ طالبان کے لیے مادر علمی کی حیثیت رکھتے ہیں۔علمی اور روحانی ماں کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے وہ جسمانی اور نسلی ماں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔طالبان زیادہ تر ہمارے دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہیں۔وہاں اب بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔افغانستان میں جو جہاد ہوا۔وہ صرف ہمارا فرض نہیں تھا۔پورے عالم اسلام نے اس میں حصہ لیا۔الحمدللہ پاکستان نے اس جہاد میں وہ اہم کردار ادا کیا اور اس جہاد کو بچانے والے بھی چونکہ طالبان ہیں اگر طالبان میدان میں نہ کودتے تو جہاد کی قربانیاں ضائع ہو جاتیں۔ تاریخ کی سب سے بڑی قربانی' جس میں 15 لاکھ افراد شہید اور پچاس ساٹھ لاکھ افراد در بدر ہو گئے۔معذور ہو گئے۔یتیم ہو گئے اور کئی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ان قربانیوں کے جو ثمرات حاصل کرنا تھے انہیں بچانا ہم اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔لیڈروں کی خانہ جنگی کی وجہ سے دشمن خوش تھا۔وہ یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ اب افغانستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا

Marfat.com

اور صیہونی طاقتیں اس مرکز پر قبضہ کر کے سات آٹھ اسلامی ریاستوں پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ ہم کہتے ہیں کہ پوری ملت کو طالبان کی پشت پر کھڑا ہونا چاہئے۔

س:۔ ابتداء میں عالمی میڈیا نے یہ تاثر دیا کہ طالبان تحریک کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ طالبان جنرل نصیراللہ بابر کا آئیڈیا ہے اور ان کی کھڑی کی ہوئی فورس ہے۔ آپ اس بار میں کیا فرمائیں گے؟

ج:۔ طالبان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایسی فورس ہے جو جہاد کو بچانے کے لیے سامنے آئی اس کے پیچھے کسی ملک یا طاقت کی کوئی منصوبہ سازی شامل نہیں ہے۔ طالبان کے پیچھے نہ امریکہ کا ہاتھ ہے اور نہ نصیراللہ بابر کا' ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ افغانستان لیڈروں کے ہاتھوں تباہ ہو رہا تھا۔ امن وامان نہیں تھا۔ ہر میل کے فاصلے پر علیحدہ قانون چلتا تھا۔ لوگوں کو' قافلوں کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ کسی کی جان اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ منکرات اور برائیوں کا اتنا عروج تھا کہ طالبان ایک چھوٹے سے علاقے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے خود بھی کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ میرے خیال میں ان کے خواب میں بھی نہیں تھا کہ وہ پورے افغانستان پر کنٹرول حاصل کر لیں گے اور ایک حکومت اور اسلامی نظام قائم کریں گے۔ انہوں نے قندھار شہر تک محدود رہ کر کچھ اقدامات کئے۔ اس میں اللہ نے ان کو مدد سے نوازا۔

س:۔ ابتدائی تحریک میں کون لوگ شامل تھے؟

ج:۔ ابتدائی طور پر ملا عمر اور ان کے ہمراتیں پینتیس ساتھی تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ جہاد میں پیش پیش تھے۔ کسی کی ٹانگ ضائع ہو گئی تھی۔ کسی کی ایک آنکھ نہیں ہے کسی کا ہاتھ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر چکے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہے اس لیے وہ منکرات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے ان کو تعاون سے نوازا۔ وہاں سے چمن تک پورا علاقہ ان کے کنٹرول میں آ گیا اور پھر وہ سپین بولدک تک آ گئے۔ اس سے ان کو حوصلہ ملا اور ان کے دل میں خیال آیا کہ اللہ ان سے کام لینا چاہتا ہے۔

س:۔ اس تحریک کے ساتھ نصیراللہ بابر کا نام کیوں آتا تھا؟

ج:۔ ایک قافلہ روسی ریاستوں کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں لٹیروں نے اس قافلے کو روکا۔ طالبان نے ان کی مدد کی چونکہ نصیراللہ بابر وزیر داخلہ تھے۔ انہوں نے اس قافلے کے لیے مداخلت

Marfat.com

کی۔اس حد تک اس کا نام اس میں آیا ہے ورنہ پیپلز پارٹی کے کسی لیڈر سے' امریکہ سے یا صیہونی طاقت سے یہ امید بھی نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ ایسے راسخ العقیدہ لوگوں کو قدم جمانے دیں گے۔ یہ بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔امریکہ تو لبرل اور ماڈرن قسم کے دیندار لوگوں کو برداشت نہیں کرتا وہ طالبان جیسے راسخ العقیدہ لوگوں کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔طالبان تو پختہ ایمان والے کٹر ملا ہیں اور ہم ان پر فخر کرتے ہیں۔یہ سارا پراپیگنڈہ تھا اور بعض لوگ اسے نہیں سمجھ رہے ہیں۔

س:۔ پاکستان کی موجودہ حکومت کی طالبان کے بارے میں جو پالیسی ہے کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟

ج:۔امریکہ کے کہنے پر حکومت اس طاقت کو نہ گنوائے جو اللہ نے طالبان کی شکل میں ہمیں دی ہے۔طالبان' پاکستان کے لیے آہنی دیوار کی طرح ہیں پورے عالم اسلام میں ہم اکیلے ہیں اور ہماری پشت پر کوئی نہیں ہے۔ بھارت روس اور امریکہ ہمیں برداشت نہیں کرتے۔امریکہ کی خاطر ہم چین کی دوستی بھی گنوا رہے ہیں۔ پڑوس میں کوئی تو ایسی قوت ہو جو مخلصانہ ایمان کے ساتھ ہمارے ساتھ ہو۔اگر ہم نے طالبان سے بھی بے وفائی کی تو یہ بہت بڑا المیہ ہوگا۔نواز شریف کی حکومت بھی ہاتھ دھو کر طالبان کے پیچھے پڑ گئی تھی۔کلنٹن کے کہنے پر نواز شریف سب کچھ کئے کرائے پر پانی پھیرنا چاہتے تھے۔ پاکستان اور طالبان کے درمیان بدگمانی پیدا کرنا۔کشمیر کے جہاد کو نقصان پہنچانا۔دینی مدارس کے تشخص کو تباہ کرنا۔یہ سب کچھ نواز حکومت کے دور میں ہو رہا تھا اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں کلنٹن کے ساتھ ان تمام امور پر سودا کر چکے تھے کیونکہ جس طرح آخری دنوں میں انہوں نے طالبان پر جارحانہ الزامات لگائے۔دہشت گردی خود کرا رہے تھے اور الزام لگا رہے تھے کہ انہیں طالبان تربیت دیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کلنٹن کے ایجنڈے پر عمل درآمد کر چکے تھے۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا نے انہیں اسی لئے فوراً گرفت میں لے لیا۔اس طرح کشمیر اور افغانستان کے پندرہ سولہ لاکھ شہداء سے غداری ہو جاتی۔ ہم بہت بڑے سانحوں سے گزرتے' ہم نے اس لیے فوج کے آنے پر سکھ کا سانس لیا تھا کہ شاید وہ پالیسیاں رک جائیں گی۔لیکن موجودہ حکومت نے بے حد مایوس کیا۔ طالبان دہشت گردوں کو کوئی تربیت نہیں دیتے اگر کچھ جہادی تنظیمیں کشمیر میں جہاد کر رہی ہیں تو وہ اس کو اپنا ایمان سمجھتی ہیں تو کیا ہم ان پر بھی دہشت گردی کا الزام لگائیں گے۔اگر ایسی تنظیمیں

Marfat.com

افغانستان میں بھی کام کر رہی ہیں تو وہ جہاد کے تحفظ کے لیے کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے افغان جہاد میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان کو دہشت گرد کہنا تو خود جنرل مشرف کے خیالات کی نفی ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے۔ انہیں جہاد اور دہشت گردی میں فرق کرنا چاہیے۔

س:۔ آپ کا تعلق بھی ایک معروف درسگاہ سے ہے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے امریکہ اور مغربی طاقتیں یہ تاثر دے رہی ہیں کہ افغان اور پاکستان میں دینی مدرسے دہشت گردی اور فرقہ واریت کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسے دینی مدرسے اسلحہ کے گڑھ بن چکے ہیں۔ سابقہ حکومتوں نے ایسے مدرسوں کے خلاف آپریشن بھی کئے۔ آپ اس بارے میں کیا تبصرہ کریں گے۔

ج:۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ دینی مدرسوں کو بدنام کرنے کے لیے یہ ایک بڑی سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ دہشت گردی، بنیاد پرستی اور فرقہ واریت کے الزامات لگا کر ایسے مقدس اداروں کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اصل اسلامی تشخص، شعائر اور قوت یہ دینی مدارس ہیں۔ امریکہ یہ سمجھ چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور جہاد کے مراکز یہ دینی مدارس ہیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ براہ راست ایسے دینی اداروں کے خلاف آپریشن کریں چنانچہ وہ عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ساری دنیا میں یہ شور مچ جاتا ہے کہ یہاں دہشت گردی ہو رہی ہے ایسے اداروں میں کسی طرح سے بھی دہشت گردی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے بے نظیر کو اور بعد میں چودھری شجاعت سے بھی کہا تھا کہ آئیں دیکھیں اور ہمیں بتائیں کہ دہشت گردی کہاں ہو رہی ہے۔ اسلحہ تو کیا ایسے دینی مدارس میں چاقو رکھنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ ہمارے مدرسوں کی تو چار دیواریاں بھی نہیں ہیں۔ کھلے میدانوں میں ہمارے مدرسے ہیں۔ کیا حکومت اندھی ہے۔ اسے معلوم نہیں ہے کہ دہشت گردی ایسے مدرسوں میں نہیں ہو رہی۔

س:۔ کیا غیر ملکی وفود آپ کے مدرسے کو دیکھنے کے لیے نہیں آتے؟

ج:۔ بے شمار غیر ملکی وفود اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے ہمارے مدرسے دیکھنے کے لیے اکوڑہ خٹک آتے ہیں۔ گذشتہ اڑھائی برسوں سے اکوڑہ خٹک تو غیر ملکیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ میں انہیں خود ہی خوش آمدید کہتا ہوں کہ آئیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ طالبان مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ مغرب والے سمجھتے ہیں کہ طالبان کوئی ریڈ انڈین کی طرح جانور قسم کی مخلوق ہیں۔ وحشی ہیں

Marfat.com

اوران کے سر پر سینگ نکلے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ بی بی سی کی ایک بڑی ٹیم وہاں آئی۔ ٹیم کی قیادت ایک خاتون کر رہی تھیں۔ بی بی سی کا ہندوستان کا بیورو بھی ہمراہ تھا۔ وہ دو دن وہاں رہے۔ انہوں نے دارالعلوم دیکھا' طالب علموں کا رہن سہن دیکھا۔ وہ طالب علموں کے کھانے پینے' نماز پڑھنے' وضو کرنے اور مطالعہ کرنے کے معمولات کو دیکھتے رہے۔ وہ خاتون بڑی حیرت سے مجھے کہنے لگی۔ مولانا میں حیران ہوں' ان کے تو نام بھی ہیں۔ عبداللہ' عبدالرحمٰن' عبدالعزیز وغیرہ۔ وہ سمجھتے تھے کہ طالبان کوئی جانوروں کی طرح جنگلی مخلوق ہے۔ جن کے بڑے بڑے سینگ ہوتے ہیں اوران کے نام نہیں ہوتے۔ میں نے کہا اس سے اندازہ لگالو کہ آپ سنی سنائی باتوں پر طالبان کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہو۔

س:۔ اسامہ کے بارے میں امریکہ کا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کو ان کے حوالے کیا جائے۔ امریکہ کے اس رویے پر آپ کا تبصرہ کیا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ اسامہ بن لادن کی جدوجہد کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج:۔ سارے عالم اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ مجاہدین کی ہر جگہ مدد کریں۔ امریکہ بے جا شور مچا رہا ہے۔ طالبان کی نظر میں اسامہ ایک معزز مہمان ہے۔ اسامہ نے افغانستان کی بہت مدد کی ہے۔ جہاد میں سب کچھ قربان کیا ہے۔ اگر اسامہ مجرم ہے تو امریکہ کوئی ثبوت پیش کرے۔ طالبان نے کہا تھا کہ وہ علماء کا ایک مشترکہ کورٹ بنانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس میں عالم اسلام کے جید علماء شامل ہوں۔ ان کے سامنے مقدمہ رکھیں امریکہ ویسے ہی اسامہ کو ہوا بنا رہا ہے۔ ہنگامہ آرائی امریکہ کی سیاست کا حصہ ہے وہ کسی نہ کسی ملک میں مداخلت کا بہانہ ڈھونڈتا رہتا ہے۔ امریکہ کی اصل دشمنی طالبان سے ہے۔ خدانہ کرے اگر طالبان اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر بھی دیں تو کیا امریکہ طالبان کو تسلیم کر لے گا۔ کیا وہ طالبان کے اسلامی نظام کو برداشت کر لے گا۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔ وہ پھر بھی طالبان پر حملے کرے گا۔ ہماری تمام ہمدردیاں اسامہ کے ساتھ ہیں۔ وہ ایک عظیم مجاہد ہے اس نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ سپر طاقت کو شکست دی۔ اس وقت امریکہ بھی اسامہ کا مداح تھا امریکہ خود اسامہ کہ ہیرو کہتا تھا جس نے روس کے خلاف اربوں ڈالر خرچ کئے۔ امریکہ کی قدریں یکدم بدل جاتی ہیں۔ اب وہ جہاد' جہاد نہیں رہا۔ اب امریکہ اسے دہشت گردی کہتا ہے۔ اسامہ کہتا ہے میرا دہرا معیار نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب امریکہ افغانستان میں

Marfat.com

آیا تو ہم پر جہاد فرض تھا۔ روس کو نکالنے کے لیے ہماری کوششوں کو امریکہ جہاد کہتا تھا۔ اسامہ کہتا ہے کہ اسی طرح اب امریکہ میرے ملک سعودی عرب میں داخل ہو گیا ہے۔ تمام وسائل پر قابض ہے۔ وہ پندرہ بیس منٹ میں ارض مقدس پر قبضہ کر سکتا ہے اس لیے امریکہ کے خلاف جدوجہد کو بھی ہم جہاد سمجھتے ہیں۔ خدا نے اسامہ کی شکل میں عالم اسلام کو ایک ہیرو عنایت کیا ہے۔ اسامہ نے یہ مثال قائم کی ہے کہ جب اللہ کا ڈر دل میں ہو تو پھر کسی اور کا ڈر دل میں نہیں رہتا۔ وہ شخص افغانستان کی غاروں میں بیٹھا ہوا ہے اور امریکہ اس سے لرز رہا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ عالم اسلام کو اسامہ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

س:۔ طالبان تحریک کو آپ اسلامی انقلاب قرار دیتے ہیں۔ کیا پاکستان میں بھی طالبان طرز کی کسی تحریک کا امکان ہے اور کیا آپ ایسی کسی کوشش میں مصروف ہیں؟

ج:۔ پاکستان کے مسائل اور مشکلات کا حل ہی طالبان ہیں۔ طالبان سے مراد یہ ہے کہ نوجوان قوت یہاں سے اٹھے۔ سکولوں، کالجوں، مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کو چاہئے کہ وہ طالبان کی طرح اٹھیں اور اس سارے نظام کے خلاف بغاوت کر دیں۔ جو سیاستدان باون سال تک اس نظام پر قابض تھے۔ اب وقت ہے کہ ہم اس نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ ہم نے پیپلز پارٹی، مسلم لیگ اور تمام جماعتوں کو بھی آزما لیا، فوج کو بھی آزما لیا۔ کسی کے ذریعے بھی ملک کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ اقتصادی شکنجے امریکہ اور زیادہ کس رہا ہے۔ عملاً ہم ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے اقتصادی غلام ہیں۔ ان سارے مسائل سے پاکستان کو طالبان کی شکل میں نوجوان قیادت ہی نکال سکتی ہے اور یہی آخری حل ہے۔ پارلیمنٹ اور چہروں کی بار بار تبدیلی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ الحمد للہ یہاں عام سوچ یہی ہے کہ طالبان جیسی کوئی قوت آئے اور ہمیں اس سے نجات دلائے۔

س:۔ اس کا بیڑہ کون اٹھائے گا۔ کیا آپ ایسی کوئی تحریک شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

ج:۔ ہم اب تک پارلیمانی جمہوریت کے لیے پر امن جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے مفتی محمود صاحب نے اور میں نے بھی بیس پچیس سال تک یہ جنگ لڑی ہے۔ شریعت بل کے لیے جدوجہد کی۔ بارہ برس تک سینٹ میں رہے لیکن اس کا کچھ حاصل نہیں ہے اس سے ساری محنت رائیگاں جاتی ہے۔ اس نظام پر قابض چند افراد کی اجارہ اداری ہے۔ چالیس چوروں

Marfat.com

کا ٹولہ ہے۔ 21 لوگ ایک طرف ہو جاتے ہیں اور 19 ایک طرف' اب عملاً فضا بن رہی ہے۔
اب ہمارا ارادہ ہے کہ ایسی تحریک کی طرف لوگوں کو لایا جائے۔ دینی قوتوں کو بھی تیار کریں گے۔
انہیں سمجھائیں گے کہ وقت ضائع نہ کرو۔

Marfat.com

# اسامہ بن لادن اور مولانا سمیع الحق کے درمیان آخری ملاقات

اسامہ بن لادن نے اپنی روپوشی کے دوران خفیہ مقامات پر مختلف اوقات میں جس پاکستانی شخصیت کے ساتھ سب سے زیادہ ملاقاتیں کی ہیں' وہ مولانا سمیع الحق ہیں۔ اگر کبھی دونوں شخصیات کی براہ راست ملاقات نہ ہوسکتی تو پیغام رسانی کا سلسلہ جاری رہتا۔ 11 ستمبر سے اسامہ بن لادن سے آخری ملاقات میں اسامہ بن لادن نے مولانا سمیع الحق کو نہ صرف اپنی پریشانیوں سے آگاہ کیا بلکہ بعض امور پر مشورے بھی مانگے۔ مولانا نے بھی اسامہ بن لادن کو ان حالات سے آگاہ کیا جو مستقبل میں ان کے لیے اور طالبان کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتے تھے۔ واضح رہے کہ دونوں رہنماؤں کے درمیان تمام گفتگو عربی میں ہوئی تھی۔ یہاں مولانا کی زبانی اردو میں شائع کی جارہی ہے۔

سمیع الحق:۔ آپ کو حالات سے کچھ آگاہی ہے یا نہیں۔

اسامہ:۔ اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ لوگ آکر بتاتے ہیں یا ریڈیو پر عالمی خبریں سن لیتا ہوں۔

سمیع الحق:۔ آپ گوشہ نشینی ترک کردیں اور دنیا کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کریں۔ امریکہ آپ

Marfat.com

کو دہشت گرد کے طور پر پوری دنیا میں متعارف کرا رہا ہے' آپ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے دنیا پر واضح ہو کہ آپ دہشت گرد نہیں ہیں۔

اسامہ:۔ میں نے اپنا مؤقف پیش کرنے کے لیے سی این این جیسے اداروں کے نمائندوں کو یہاں بلانے کا خطرہ مول لیا لیکن وہ میرے انٹرویو کا متن کانٹ چھانٹ کر اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے میں دہشت گرد ہوں۔

سمیع الحق:۔ صرف آپ کی خاطر طالبان کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اقوام متحدہ ان پر پابندیاں سخت کرتا جا رہا ہے۔

اسامہ:۔ میں نے طالبان کو کئی مرتبہ پیشکش کی ہے کہ میں کسی اور جگہ منتقل ہو جاتا ہوں لیکن ملا عمر کا موقف ہے کہ آپ یہاں سے چلے بھی گئے تو امریکہ طالبان کی دشمنی ختم نہیں کرے گا۔ میں نے ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ میں نے انہیں یقین دلایا ہے کہ میں کوئی ایسی کارروائی نہیں کروں گا جو ان کے علم میں نہ ہو لیکن مجھے یہ پریشانی ضرور ہے کہ طالبان نے مجھے محدود کر دیا ہے۔ میری جہادی سرگرمیاں بھی روک دی گئی ہیں میں فلسطین' چیچنیا اور خلیج کے مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں میں جہاد کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جہاد کی خاطر میں اپنا ملک اور سب کچھ چھوڑ چکا ہوں آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والے میرے بیوی بچے کس طرح سادہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سمیع الحق:۔ امریکہ نے آپ کے بیانات اور خطبات کی کاپیاں اور کیسٹیں پیش کی ہیں جس میں آپ نے امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے۔

اسامہ:۔ میں نے کب انکار کیا ہے کہ میں نے امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان نہیں کیا۔ میں جارحیت کا نہیں جہاد کا قائل ہوں۔ میں نے کبھی کسی ایسی کارروائی میں حصہ نہیں لیا اور نہ اس کی حمایت کی ہے جس میں جان بوجھ کر عام شہریوں کو نشانہ بنایا گیا ہو۔

سمیع الحق:۔ آپ یہی موقف واضح طور پر عالمی برادری کے سامنے بیان کیوں نہیں کرتے۔

اسامہ:۔ آپ کس بات کے دوست ہیں۔ آپ میری طرف سے پیغام دیں کہ روس کے خلاف جب میں سب کچھ کر رہا تھا تو وہ جہاد تھا' اب وہی کام امریکہ سعودی عرب میں' کویت میں' عرب امارات میں رہ کر' کر رہا تھا تو اس کے خلاف میں آواز اٹھا رہا ہوں تو یہ دہشت گردی کیسے ہو گیا۔

سمیع الحق:۔ خدارا آرام سے بیٹھو! امریکہ آپ کو ایشو بنا کر طالبان کو نشانہ بنانا چاہتا ہے۔

Marfat.com

اسامہ:۔ اگر امریکہ مقدس مقامات سے فوجیں نکال لے اور طالبان حکومت کو تسلیم کر لے اور اسرائیل بیت المقدس سے دور ہو جائے تو میں اپنے آپ کو کسی بھی غیر جانبدار عدالت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مولانا سمیع الحق نے بتایا کہ اسامہ بن لادن کے پاس عالمی حالات سے باخبر رہنے کا واحد ذریعہ ریڈیو ہے، جس پر وہ عربی اور انگریزی زبان میں عالمی خبریں سنتے ہیں۔ طالبان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص ان سے ملاقات نہیں کر سکتا، پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی عالمی نیٹ ورک سے دن رات رابطے میں رہے۔

Marfat.com

# افغانوں کے خلاف این جی اوز کی پُراسرار سرگرمیاں

طالبان نے ''شیلٹر انٹرنیشنل'' نامی عیسائی تنظیم کے جن 24 غیر ملکیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ ان کے بارے میں طالبان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس دس ہزار ثبوت موجود ہیں' اس میں لٹریچر' تصاویر' آڈیو اور وڈیو کیسٹیں شامل ہیں۔ فلاحی تنظیموں اور این جی اوز کی آڑ میں بین الاقوامی تنظیموں نے افغانوں کو عیسائی بنانے کے کام کا نیٹ ورک پاکستان میں موجود افغان کیمپوں سے لے کر افغانستان کے اندر تک کس انداز میں کیا' اس بارے میں مستند ذرائع سے معلومات حاصل ہوئی ہیں اس سے ایک وسیع نیٹ ورک کا انکشاف ہوا ہے۔ ان این جی اوز کے پیچھے کون سے بین الاقوامی ادارے کام کر رہے ہیں ان کے نام بھی سامنے آئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق پاکستان میں افغان مہاجرین کے کیمپوں میں افغان مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے مشن پر 1986ء میں کام شروع ہو گیا تھا' این جی اوز نے جن بین الاقوامی اداروں کے تعاون سے یہ کام شروع کیا ان میں نمایاں نام IMI, GRI اور FEBA کے ہیں' GRI عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ریکارڈنگ کا کام کرنے والی "GOSPEL RECORDING WORLD FELLOW- SHIP" کا مختصر نام ہے جو دنیا کی 100 زبانوں میں عیسائیت کے فروغ کے لیے آڈیو اور وڈیو

Marfat.com

کیمپوں میں فلاحی اداروں کے ذریعے لاکھوں کی تعداد GRI نے افغان کیسٹیں تیار کرتی ہے۔
میں نہ صرف کیسٹیں تقسیم کیں بلکہ ٹیپ ریکارڈ' وی سی آر اور ٹی وی بھی فراہم کئے۔ GRI کے دفاتر
دنیا کے کئی ممالک میں ہیں لیکن افغان مہاجر کیمپوں کو امریکہ' برطانیہ اور بھارت سے مانیٹر کیا جاتا
ہے۔ GRI کے اہم دفاتر 122, GLENDLE, LOS ANGELES امریکہ'
EASTWOOD, NSW, 2122 برطانیہ' GLOUCESTER, GL, 5SE
آسٹریلیا اور GR-CAPE TOWN ساؤتھ افریقہ میں ہیں۔ ذرائع کے مطابق افغان
کیمپوں کے لیے GRI کے بھارت آفس نے سب سے زیادہ کام کیا اور بھارت میں اس تنظیم کا
آفس 'جی آر ایسوسی ایشن' کمشنریٹ روڈ' بنگلور 560025 میں واقع ہے۔ ذرائع کے مطابق
پاکستان میں افغان مہاجر کیمپوں میں دوسری بین الاقوامی تنظیم IMI نے بھی بھرپور کام کیا ہے جو
عیسائی تنظیم 'INTERNATIONAL MISSION INC' کا مختصر نام ہے جس کا
مرکزی دفتر 323, WAYNE, NJ, 07470 امریکہ میں واقع ہے۔ ذرائع نے یہ انکشاف بھی
کیا ہے کہ GRI کے ساتھ ساتھ عیسائی تنظیم 'INDIAN EVANGELICAL
MISSION' آئی ای ایم بھی معاون کے طور پر کام کرتی رہی ہے۔ بھارت میں اس کا مرکزی
دفتر بنگلور میں ہے اور اس کی خفیہ ڈاک کے لیے پوسٹ بکس نمبر 2557 بنگلور استعمال ہوتا رہا ہے۔
ذرائع کے مطابق افغانستان کے کیمپوں اور افغانستان کے اندر ریڈیو پر مخصوص فریکونسی کے ذریعے
صبح 6 بجے اور رات 8 بجے پشتو' فارسی اور دری زبان میں FEBA ریڈیو کی سروس نشر کی جاتی تھی
اور کیمپوں میں کام کرنے والی این جی اوز افغانوں کو اس فریکونسی سے آگاہ کرتی تھیں۔ واضح رہے
کہ FEBA ریڈیو عیسائیت کے فروغ کے لیے سب سے زیادہ سروس دیتا ہے۔ یہ ریڈیو سروس فار
ایسٹ براڈ کاسٹنگ ایسوسی ایشن کے تحت جاری ہوتی ہے برطانیہ میں اس کا مرکزی دفتر

IVY ARCH RD, WORTHING, W. SUSSEX BN14 8BLI

میں واقع ہے اس کمپنی کے دوسرے دفاتر امریکہ کی ریاست 'MIRADA' آسٹریلیا میں
CARNINGBAH اور نیوزی لینڈ میں HAMILTON میں واقع ہے۔ افغانستان کے
لیے کام کرنے والی تمام عیسائی تنظیمیں GEM کے زیر کنٹرول ہیں اور یہ 'گریٹر یورپ مشن' کا مختصر
نام ہے اس کا مرکزی دفتر WHEATON امریکہ میں ہے۔ شیلٹر تنظیم کے بارے میں ذرائع کا

Marfat.com

دعویٰ ہے کہ یہ ABC نامی تنظیم کے زیر انتظام کام کرتی ہے اور واضح رہے کہ ABC جس مشن سے وابستہ ہے اس کا نام بھی افغانستان کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ ABC کا پورا نام

**AFGHANISTAN BORDER CRUSADE**

ہے، بعض ذرائع کا دعویٰ ہے کہ یہ تنظیم امریکی سی آئی اے کے لیے بھی خدمات سرانجام دیتی رہی ہے۔ ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 1986 سے 1999ء تک افغان مہاجر کیمپوں میں 3 لاکھ سے زائد افغان عیسائی بنائے جا چکے ہیں اور ان میں سے اکثریت کو پاسپورٹ دے کر یورپ اور امریکہ میں آباد کیا جا چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ ABC کے اہم دفاتر

**12, HORSE BROOK PARK CLANE WILTS, ENGLAND**

**1107, MAYETTE AVENUE, SAN JOSE, USA**

اور

**25, A-HAULTAIN ST. HAMILTON, NEW ZEALAND**

میں واقع ہیں۔ افغانیوں کو عیسائی بنانے کا کام EFI نامی تنظیم بھی کرتی رہی ہے جس کا دفتر بھارت میں ہے اور اس کا ایڈریس 92/803، دیپالی، ہندو پیلس، نیو دہلی ہے۔ ذرائع کے مطابق، افغان آؤٹ سائیڈ دی کنٹری، کے عنوان سے ایک دستاویز بھی ملی ہے جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ علاج اور تعلیم کی غرض سے یورپ جانے والے ہزاروں نوجوانوں کو بھی عیسائی بنایا جا چکا ہے۔

Marfat.com

# طالبان کا مقدمہ

سید رحمت اللہ ہاشمی امارت اسلامی افغانستان کے گشتی سفیر ہیں' افغانستان کی تازہ ترین صورتحال اور طالبان کے مختلف اقدامات پر مغرب کے پراپیگنڈے کے جواب میں ان کی مدلل اور فکر انگیز گفتگو زیرِ نظر موضوع پر ایک بہترین مقدمہ ہے۔ انکی گفتگو من وعن پیش کی جارہی ہے تا کہ طالبان کی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

افغانستان کو ''ایشیا کی شاہراہوں کا سنگھم'' کہا جاتا ہے' چنانچہ اپنی زمینی وحربی پوزیشن کی وجہ سے ہم آلام ومصائب کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے انیسویں اور بیسویں صدی میں دکھ اٹھائے اور موجودہ صدی میں بھی دکھ سہہ رہے ہیں۔ ہم نے برطانویوں پر کبھی حملہ نہ کیا تھا۔ اور نہ ہم کبھی روس پر حملہ آور ہوئے تھے مگر یہ دونوں ممالک ہم پر بار بار چڑھائی کرتے رہے۔ انگریزوں نے برصغیر پر استعماری قبضے کے دوران تین بار 40-1839ء' 78-1877ء اور 21-1920ء میں افغانستان پر چڑھائی کی اور ہر بار منہ کی کھائی۔ 1839ء میں تو حریت پسند افغانیوں نے انگریز لشکر کا اس طرح صفایا کیا تھا کہ صرف ایک انگریز جان بچا کر پشاور پہنچ سکا تھا' لیکن روسیوں نے برطانوی استعمار کی رسوائی سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ اپریل 1978ء میں اپنے آلہ کار فوجی اڈے کے

Marfat.com

ذریعے کابل میں خونریز انقلاب برپا کیا اور اگلے سال خود سوویت فوج افغانستان پر چڑھ دوڑی لیکن افغانیوں کے جذبہ حریت پر آفرین ہے کہ انہوں نے دس برس تک پندرہ لاکھ جانوں کی قربانی دے کر اپنی آزادی کا تحفظ کیا اور آخر کار 15 فروری 1989ء کو روسی افواج خائب وخاسر ہو کر افغانستان سے نکل گئیں۔ اگرچہ مغرب کے ایجنٹ ابھی تک اس خطے میں امن کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اس تناظر میں ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مسائل جو دنیا کو نظر آ رہے ہیں وہ ہمارے پیدا کردہ نہیں۔ یہ مسائل عالمی طاقتوں کو امن کا اصل چہرہ دکھاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اگر آپ کو آئینے میں دکھائی دینے والا عکس پسند نہیں تو آئینہ تو نہ توڑیئے۔ بلکہ اپنا چہرہ بہتر بنا لیجئے۔

مسئلہ افغانستان کا آغاز 1979ء میں ہوا۔ افغانستان ایک پرامن ملک تھا اور افغانی اپنے حال میں مست تھے۔ روسیوں کی ایک لاکھ چالیس ہزار فوج نے اچانک دسمبر 1979ء میں حملہ کر دیا۔ انہوں نے ایک دہائی کے دوران 15 لاکھ افغان شہید کر دیئے۔ مزید دس لاکھ اپاہج بنا دیئے اور ایک کروڑ اسی لاکھ کی آبادی میں سے ساٹھ لاکھ افغانوں کو ہمسایہ ممالک میں پناہ لینی پڑی۔ اسی دوران روسیوں نے افغان عوام پر وحشیانہ مظالم توڑے۔ آج بھی ہمارے بچے روسیوں کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں اور کوئی ان کی خبر نہیں لیتا۔ اس کے برعکس ہوا یہ کہ جب روسی افغانستان سے نکل گئے تو امریکی، برطانوی، فرانسیسی، چینی سب انقلاب دشمنوں کی حمایت کرنے لگے جو ان دنوں مجاہدین کہلاتے تھے۔ سات جماعتیں پاکستان میں مستقر رکھتی تھیں اور ان کے آٹھ مراکز ایران میں تھے۔ انہوں نے روسی قبضے کے خلاف جنگ کی تھی۔ روسی فوجیں نکل گئیں تو ان پندرہ جماعتوں کے قائدین افغانستان میں داخل ہوئے۔ ان کے نظریات مختلف تھے مگر سب جدید ترین اسلحے سے لیس تھے۔ اب افغانستان میں ایک واحد انتظامیہ تشکیل دینے کے بجائے وہ باہم لڑنے لگے۔ ستم یہ کہ ان نام نہاد مجاہدین کے ہاتھوں افغانستان میں جو تباہی مچی وہ روسیوں کی لائی ہوئی تباہی سے زیادہ تھی۔ صرف دارالحکومت کابل پر قبضے کی مہم کے دوران 63000 افراد مارے گئے اور مزید دس لاکھ افراد ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

اس تباہی اور لاقانونیت کے پیشِ نظر طالبان کا ایک گروہ اصلاح احوال کے لئے اٹھا۔ مدارس کے ان طالبعلموں نے افغانستان کے جنوبی صوبے کے ایک گاؤں سے تحریک کا آغاز کیا۔ ہوا یوں کہ ایک جنگجو کمانڈر نے دو لڑکیاں اغوا کر کے ان کی آبروریزی کی۔ ان لڑکیوں کے

Marfat.com

والدین ایک مدرسے میں گئے اور استاد سے التجا کی کہ ان کی مدد کی جائے۔ استاد نے اپنے 53 شاگردوں کو ساتھ لیا' 16 بندوقیں فراہم کیں اور اس ظالم کمانڈر کے ٹھکانے پر ہلہ بول دیا۔ دونوں' بچیوں کو رہائی دلا کر انہوں نے کمانڈر اور اس کے کئی مجرم ساتھیوں کو پھانسی دے دی۔ طالبان کا یہ دہشتناک قصہ پھیلتا چلا گیا اور بی بی سی نے بھی اپنی نشریات میں اس کا ذکر کیا۔ جرأت کے اس مظاہرے سے متاثر ہو کر بہت سے اور طالبان تحریک میں شامل ہو گئے اور دوسرے جنگی کمانڈروں کو غیر مسلح کرنے لگے جو افغان معاشرے کے لئے کلنک کا ٹیکہ تھے۔ اور آج وہی طالبان تحریک ملک کے 95 فیصد علاقے کا نظام چلا رہی ہے۔ چار بڑے شہروں سمیت دارالحکومت کابل ان کے کنٹرول میں ہے۔ افغانستان کی صرف شمال مشرقی پٹی میں چند جنگجو کمانڈر رہ گئے ہیں۔ گزشتہ پانچ سو برسوں سے ہم برسرِ اقتدار ہیں اور ہم نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں دنیا ان سے بہت کم آگاہ ہے۔

پہلا کام جو ہم نے کیا وہ ملکی شیرازے کو دوبارہ متحدہ کرنا تھا۔ اس وقت افغانستان پانچ ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اقوام متحدہ' ریاستہائے متحدہ امریکہ اور ہر کوئی پریشان تھا کہ اسے اتحاد کی لڑی میں کیسے پرویا جائے۔ کوئی اور اندرونی یا بیرونی طاقت ایسا نہ کر سکی مگر ہم نے یہ مشکل کام کر دکھایا۔

دوسرا کام جو کوئی اور نہ کر سکا تھا وہ یہ ہے کہ ہم نے ملکی آبادی کو غیر مسلح کر دیا۔ روسیوں اور امریکیوں کی جنگ میں شریک رہ کر ہر افغان کے ہاتھ میں کلاشنکوف آ گئی تھی بلکہ ان کے پاس سٹنگر میزائل جیسے جدید ہتھیار بھی تھے۔ بعض کی دسترس میں لڑاکا طیارے یا ہیلی کاپٹر بھی تھے۔ یوں ان لوگوں کو غیر مسلح کرنا کم و بیش ناممکن تھا۔ اقوام متحدہ نے 1992ء میں 3 ارب ڈالر فراہم کرنے کی اپیل کی تاکہ افغانوں سے ہتھیار واپس خریدنے کا عمل شروع کیا جائے۔ لیکن پھر یو این او نے اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا اور ہر کوئی افغانستان کو بھول گیا مگر ہم نے برسر اقتدار آ کر تھوڑے ہی عرصے میں ملک کا پچانوے فیصد علاقہ اسلحے سے پاک کر دیا۔

ہمارا تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ ہم نے اس افغانستان میں جس کا دس برسوں سے عملاً کوئی وجود نہ تھا' ملا عمر کی قیادت میں ایک واحد نظامِ حکومت قائم کر دکھایا۔ اور ہمارا چوتھا کارنامہ دنیا بھر کے لئے حیرت انگیز ہے۔ افغانستان دنیا بھر کی افیون کی پیداوار کا 75 فیصد فراہم کرتا تھا۔ ہم نے اپنے

Marfat.com

زیرِ قبضہ افغانستان سے افیون کا صفایا کر دیا۔ گزشتہ سال ہم نے ایک حکمنامے کے ذریعے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ پوست کی کاشت چھوڑ دیں' اور اس سال اقوام متحدہ کے ڈرگ کنٹرول پروگرام (UNDCP) کے سربراہ مسٹر برنارڈ ایف نے فخر سے اعلان کیا کہ افغانستان میں پوست کی کاشت صفر فیصد تک آ گئی ہے۔ گویا ہمارے زیرِ حکومت علاقوں میں اب کہیں پوست کاشت نہیں ہوتا۔ لیکن یہ خود اقوام متحدہ کے لئے کوئی اچھی خبر نہ تھی کیونکہ ان کے بہت سے افراد کی ملازمتیں جاتی رہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یو این ڈی سی پی کے تحت 700 نام نہاد ماہرین افغانستان میں تعینات تھے۔ ان سب نے تنخواہیں لیں اور پھر لوٹ کر نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اس انقلابی اقدام سے ان لوگوں کو ہرگز خوشی نہ ہوئی ہوگی۔

ہمارا پانچواں کارنامہ جسے قدرے متنازعہ بنا دیا گیا ہے' ہمارے ہاں انسانی حقوق کی بحالی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے مگر ہمارے نقطہ نظر سے یہ انسانی حقوق کی بحالی ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق میں سے اہم ترین حق زندہ رہنا ہے۔ ہم سے پہلے افغانستان میں کوئی امن سے نہیں رہ سکتا تھا۔ ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں کو محفوظ اور پرامن زندگی کی ضمانت دی۔

ہم نے اہل وطن کو آزادانہ عدل فراہم کیا ہے۔ اب انہیں عدل خریدنا نہیں پڑتا اور دیگر اقوام کی روش کے برعکس ہے۔ اہلِ مغرب ہم پر نسوانی حقوق کی خلاف ورزی کا الزام دھرتے ہیں مگر حقیقت حال کچھ اور ہے۔ ہم سے پہلے کچھ خواتین کو بعض اسکولوں اور وزارتوں میں علامتی عہدے دیئے جاتے تھے اور اسے عورتوں کے حقوق کی بحالی کا نام دیا جاتا تھا۔ دیہاتی علاقوں میں تو عورتوں سے جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ انہیں عملاً فروخت کیا جاتا تھا۔ ہم نے اقتدار سنبھالتے ہی عورتوں کو حق خودارادیت دے دیا' اور افغانستان کی تاریخ میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ نام نہاد مہذب افغان بادشاہوں کے عہد میں بھی عورتوں کو یہ حق نہ دیا گیا۔ انہیں اپنا خاوند منتخب یا مسترد کرنے کی آزادی حاصل نہ تھی۔ ہم نے یہ حق انہیں لوٹا دیا ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ جنوبی ایشیا میں عزت کے نام پر عورتوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ دیکھ لیا جائے تو یہ جانے بغیر کہ ان میں جنسی تعلق تھا یا نہیں' دونوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ لیکن اب ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوتا۔ (صرف شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت کو اسلامی شرع کے مطابق اس

Marfat.com

وقت سزائے موت دی جاتی ہے جب چار ثقہ گواہوں کے ذریعے زنا ثابت ہو جائے لیکن محض شک کی بنا پر حد جاری نہیں کی جاتی۔)

انسانی حقوق کے حوالے سے ایک بڑی تبدیلی صرف افغانستان میں رونما ہوئی ہے۔ یہاں تحائف کے طور پر عورتوں کا تبادلہ کیا جاتا تھا۔ اس کی کوئی مذہبی بنیاد نہیں تھی بلکہ یہ صرف رواج تھا۔ جب دو قبیلے باہم لڑ پڑتے تو قبائل تنازعہ نپٹاتے وقت وہ عورتوں کے تبادلے کا اعلان کرتے اور اس کے بعد ہی صلح ہو پاتی۔ یہ مذموم رواج ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اگر ہمیں عورتوں کو بنیادی انسانی حقوق دینے تھے تو اس کے لے صفر سے آغاز کرنا تھا۔ ہم یہ مسئلہ بیچ سے نہیں نپٹا سکتے تھے۔ مغرب والے افغانستان میں عورتوں کی تعلیم اور بیرون خانہ کام کرنے کے حقوق کی بات کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ 1996ء میں کابل میں برسرِ اقتدار آ کر ہم نے عورتوں سے گھروں میں ٹھہرنے کو کہا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے گھروں میں رہیں۔ ہم نے کہا کہ ملک میں امن و امان اور قانون کی حکمرانی عنقا ہے اس لئے ایسا اہتمام کرنا پڑتا ہے مگر کسی نے ہماری بات پر کان نہ دھرے۔ ہم سے پہلے روزانہ عورتوں کی آبروریزی ہوتی تھی، چنانچہ ہم نے لوگوں کو غیر مسلح کر دیا اور امن و امان بھی قائم کر دکھایا تو اب عورتیں ملازمتیں بھی کر رہی ہیں۔ یہ بجا ہے کہ یہاں عورتیں وزارتِ دفاع میں کام نہیں کر رہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری خواتین لڑاکا طیاروں کی پائلٹ بنیں یا انہیں اشتہارات میں آرائش و زیبائش کی اشیاء کے طور پر استعمال کیا جائے۔ لیکن وہ ملازمتیں ضرور کرتی ہیں۔ وہ صحت، داخلہ اور تعلیم کی وزارتوں میں کام کرتی ہیں۔ ہمیں عورتوں سمیت سب کی تعلیم درکار ہے جو ہمارے عقیدے کا حصہ ہے، ہم پر فرض ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ سکول ہونے چاہئیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو تعلیم دینا نہیں چاہتے۔ یہ درست ہے کہ ہم مخلوط تعلیم کے خلاف ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ ہم عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اس وقت بھی ہمارے ہاں اسکول کھلے ہیں لیکن اصل مسئلہ وسائل کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہم تعلیمی پروگرام کو وسعت نہیں دے سکتے۔ ہماری حکومت سے پہلے کئی طرح کے نصاب اسکولوں اور کالجوں میں رائج تھے۔ ان میں تلقین کی جاتی تھی کہ بادشاہت بادشاہوں کے لئے ہے اور کمیونسٹوں کے دور میں تعلیمی نصاب میں کمیونزم کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ پھر برسرِ اقتدار آنے والی سات ''جہادی'' جماعتوں نے اپنے اپنے علاقوں میں الگ

Marfat.com

الگ نصاب متعارف کرائے۔ اس صورتِ حال میں طلبہ پریشان تھے کہ کیا پڑھیں۔ ہم نے پہلی فرصت میں پورے ملک میں ایک نصاب رائج کیا جو اس وقت پڑھایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود ہم پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ ہم اپنے ناقدین سے کہتے ہیں کہ نکتہ چینی کرنے کے بجائے اگر ہماری عملی مدد کریں تو ایک تبدیلی آئے گی۔ محض تنقید کرنے سے تو تبدیلی نہیں آ سکتی۔ ہم ہزاروں میل دور نیو یارک میں بیٹھ کر نکتہ چینی کرنے والوں کی پروا نہیں کرتے۔ اگر وہ افغانستان جا کر ستم زدگان کی مدد کریں تو بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہماری میڈیکل فیکلٹی میں لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا' اقوام متحدہ کے ذمے دار لوگوں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ حال ہی میں ہم نے افغانستان کے تمام بڑے شہروں میں طبی علوم کے ادارے دوبارہ کھول دیئے ہیں اور قندھار میں لڑکوں سے زیادہ طالبات تعلیم پا رہی ہیں لیکن انہیں الگ الگ تعلیم دی جاتی ہے۔ سویڈش امدادی ادارے نے بھی لڑکیوں کے لئے اسکول قائم کئے ہیں مگر وہ کافی نہیں۔ میں مانتا ہوں ہم میں کوتاہیاں ہیں اور ہمیں اپنی پالیسیوں میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہم ایک رات میں سب کچھ نہیں کر سکتے۔

اور چھٹا مسئلہ جس پر ہمیں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے' افغانستان میں دہشت گردی یا دہشت گردوں کا وجود ہے۔ اور امریکیوں کے نزدیک دہشت گردی یا دہشت گردوں کا مطلب صرف اسامہ بن لادن ہے۔ لوگوں کو پتہ نہیں کہ اسامہ تو سترہ سال پہلے بھی افغانستان میں تھا جب طالبان ابھی لڑکپن میں تھے۔ وہ روسیوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا اور اس وقت کے امریکی صدر ریگن اور وزیر دفاع ڈک چینی ایسے لوگوں کو مجاہدین آزادی کہتے تھے کیونکہ وہ اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ امریکیوں کے کاز کے لئے بھی لڑ رہے تھے۔ افغانستان میں روسی مظالم کے بارے میں مغربی ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں سے اسامہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ روسیوں کے خلاف لڑنے کے لئے افغانستان جا پہنچا۔ اور جب سوویت روس کے حصے بخرے ہو چکے' مغرب والوں کو ان مجاہدین کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ ان کے ہیرو نہیں بلکہ دہشت گرد قرار پائے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یاسر عرفات اب ایک دہشت گرد کے بجائے مغرب کا ہیرو ہے۔ میں پوچھتا ہوں آخر دہشت گردی کی کوئی تعریف بھی ہے؟ ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ نیروبی اور دارالسلام

Marfat.com

میں دہشت گردی کے اقدامات خوفناک تھے اور وہ دہشت گردی ہی تھی۔ لیکن کیا دہشت گردی کے ان اقدامات اور 1998ء میں افغانستان پر داغے گئے امریکی کروز میزائلوں کی دہشت گردی کے مابین کوئی فرق ہے؟ دونوں اقدامات غیر اعلانیہ تھے اور دونوں میں بیگناہ شہری مارے گئے۔ اور پریشان کن بات پھر وہی ہے کہ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے۔ اگر اس کا مطلب اندھا دھند شہریوں کو ہلاک کرنا ہے تو مذکورہ بالا دونوں واقعات میں شہری اندھا دھند مار دیئے گئے۔ اگر امریکہ یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنے دفاع کے لئے کروز میزائل داغے تھے تو اس کے اس موقف کی صداقت جانچنا ضروری ہے۔ امریکی حکومت نے ایک شخص کو منصفانہ مقدمے کا موقع فراہم کیے بغیر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بس کروز میزائل داغ دیئے اور اعلان کیا کہ وہ اسامہ بن لادن کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس وقت ہم اسامہ کو نہیں جانتے تھے۔ کم از کم میں تو نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ ہمیں اس امریکی کارروائی پر صدمہ ہوا۔ میں رات کو اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ فوری طور پر وزارتی کونسل کا اجلاس بلایا گیا جس میں یہ خبر سنائی گئی کہ امریکہ نے ایک شخص کو ہلاک کرنے کی کوشش میں افغانستان پر 75 کروز میزائلوں سے حملہ کیا ہے۔ لیکن وہ مطلوب آدمی کو نشانہ نہ بنا سکے۔ اس کے بجائے انہوں نے 19 طالبان ہلاک کر دیئے اور ان ہلاکتوں پر کبھی معافی نہیں مانگی۔ اگر امریکی ہماری جگہ ہوتے تو وہ کیا کرتے؟ اگر ہم امریکہ پر 75 میزائل داغ کر یہ کہتے کہ ہم ایک شخص کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے سفارتخانے میں تباہی کا ذمے دار ہے مگر اسے نشانہ نہیں بنایا جا سکا اور اس کے بجائے 19 دیگر امریکی مارے گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو امریکہ کیا کرتا؟ وہ فوراً اعلان جنگ کر دیتا۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا کہ ہم مہذب لوگ ہیں۔ ہم نے اعلان جنگ نہیں کیا۔ ہم اپنے ہاں پہلے ہی بہت سے مسائل سے دو چار ہیں اور ہم مسائل کو بڑھانا نہیں چاہتے۔

ہم اسامہ کے معاملے میں بہت کھلا ذہن رکھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ شخص کینیا اور تنزانیہ کے خوفناک واقعات میں ملوث ہے اور کوئی ہمیں اس کے ملوث ہونے کے ثبوت یا شہادتیں فراہم کر دے تو ہم اسے سزا دیں گے۔ ہم نے اس پر 45 روز مقدمہ چلایا مگر کسی نے کوئی گواہی پیش نہیں کی۔ درحقیقت امریکیوں نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارے عدالتی نظام پر یقین نہیں رکھتے۔ ہم حیران ہیں کہ آخر ان کا عدالتی نظام کیسا ہے۔ انہوں نے اپنے نظام عدل کی ایک جھلک ہمیں دکھا

Marfat.com

دی۔ انہوں نے ایک شخص پر منصفانہ مقدمہ چلائے بغیر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اگر ہمارے ہاں کوئی مجرم ہوتو پولیس اس کے گھر کو بارود سے نہیں اڑا دیتی۔ اس کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے عدالت میں جائے۔ امریکیوں نے ہماری تجویز یہ کہہ کر مسترد کردی کہ وہ ہمارے نظامِ عدل پر یقین نہیں رکھتے اور یہ کہ ہم بس اسامہ کو نیویارک بھیج دیں۔

ہم نے دوسری تجویز دی کہ ایک بین الاقوامی مانیٹرنگ گروپ افغانستان آ کر اسامہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر رہا اور اس کے کوئی جدید مواصلاتی رابطے نہیں۔ امریکیوں نے یہ تجویز بھی مسترد کردی۔ اور چھ ماہ پہلے ہم نے تیسری تجویز دی کہ ہم کسی تیسرے اسلامی ملک کا فیصلہ قبول کرنے یا سعودی عرب اور افغانستان کی منظوری سے کسی تیسرے اسلامی ملک میں اسامہ پر مقدمہ چلانے کی اجازت دینے کو تیار ہیں مگر امریکیوں نے یہ تجویز بھی ٹھکرا دی۔

اب اگر امریکیوں کا مسئلہ اسامہ ہی ہے تو میں یہاں' کشادہ ذہن کے ساتھ' چوتھی بار اپنی حکومت کی طرف سے امریکی وزارتِ خارجہ سے کہتا ہوں کہ وہ مسئلے کا کوئی منصفانہ حل پیش کریں۔ لیکن میرا خیال نہیں کہ وہ کوئی منصفانہ حل چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ ہمیشہ کوئی ہوا تلاش کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ یاد کیجئے گورباچوف نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا کہ امریکہ سے بدترین معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ سننے والوں نے سمجھا کہ وہ امریکہ کو ایٹم بموں سے اڑا دینے والا ہے۔ لیکن اس نے کہا۔ ''میں امریکیوں کے دشمن کو منظر سے ہٹانے والا ہوں۔'' اور پھر اس نے سوویت روس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد پینٹا گون (امریکی وزارتِ دفاع)' سی آئی اے اور ایف بی آئی میں بہت سے لوگوں کی ملازمتیں جاتی رہیں کیونکہ ان کی مزید ضرورت نہیں رہی تھی۔ اب امریکی کسی اور کو ہوا بنانے کے چکر میں ہیں۔ شاید وہ اپنے سالانہ بجٹ کا جواز فراہم کرنا چاہتے ہوں اور اپنے شہریوں کو یقین دلانے کے خواہاں ہوں کہ ان کے دفاع کے لئے ان لوگوں کی ابھی ضرورت ہے۔

افغانستان کوئی دہشت گرد ملک نہیں۔ ہم ایک سوئی تک نہیں بنا سکتے۔ پھر ہم ایک دہشت گرد مملکت کیسے بن سکتے ہیں؟ دنیا کے لئے خطرہ کیونکر بن سکتے ہیں؟ اگر ''دہشت گردی'' کی اصطلاح حقیقتاً لفظ ''دہشت'' سے نکلی ہے تو ایسے ممالک موجود ہیں جو وسیع پیمانے پر تباہی کے

Marfat.com

ہتھیار بنا رہے ہیں' ایسے ممالک بھی ہیں جو ایٹمی اسلحہ تیار کر رہے ہیں' جنگلات کا صفایا کر رہے ہیں اور زمین' ہوا اور پانی کو آلودہ کر رہے ہیں' وہ دہشت گرد ممالک ہیں ہم ہرگز نہیں ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا افغانستان کی صورتِ حال ہماری پیدا کردہ نہیں' یہ تو دنیا کے چہرے کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن اپنا چہرہ سنوارنے کے بجائے یو این او نے ہمارے خلاف پابندیاں عائد کر دی ہیں جنہوں نے ہمارے لئے مزید مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ ہمارے تو پہلے مسائل ہی حل نہیں ہوئے۔ 23 سال سے افغانستان میں جنگ جاری ہے۔ ہمارا انفراسٹرکچر مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ مہاجرین کا مسئلہ ہے اور ہمارے زرعی کھیتوں میں بارودی سرنگیں بچھی ہیں۔ اور اب اچانک اقوام متحدہ نے ہمارے خلاف پابندیاں لگا دی ہیں' اور روس کی اشتعال انگیزیاں اس پر مستزاد ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ میں کئی سو افغان بچے غذائی قلت اور شدید سردی سے ہلاک ہو چکے ہیں اور مغرب میں کوئی ان کی بات نہیں کرتا۔

ہم حیران ہیں کہ دنیا اقتصادی پابندیوں سے ہمارا مستقبل تباہ کر رہی ہے' پھر اسے ہمارے ماضی کی اتنی فکر کیوں ہے؟ ہر کوئی کہہ رہا کہ افغانی اپنا ثقافتی ورثہ تباہ کر رہے ہیں۔ انہیں ایسی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جب وہ ہمارے بچوں کا مستقبل تباہ کر رہے ہیں تو پھر انہیں پتھر کے بتوں کی فکر کیوں؟ میں جانتا ہوں کہ اقتصادی پابندیوں کے ردِعمل میں ایسی باتیں کرنا منطقی بات نہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے' پابندیوں کے اعلان کے بعد میں نے قندھار رابطہ کیا تو میں پریشان ہو گیا۔ میں نے کہا کہ طالبان بودھ کے مجسمے کیوں اڑا رہے ہیں۔ میں نے عوام کی مجلس علماء کے سربراہ سے بات کی جنہوں نے مجسمے توڑنے کا فیصلہ صادر کیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یونیسکو اور ناروے یا سویڈن کی کسی این جی او کے آدمی آئے تھے۔ ان کے پاس مجسموں کے چہروں کی تعمیرِ نو کا منصوبہ تھا جو بارش سے بگڑ گئے تھے۔ مجلس علماء نے ان سے کہا کہ وہ بتوں کے چہرے بحال کرنے پر سرمایہ صرف کرنے کے بجائے اسے افغانی بچوں کی جانیں بچانے کے لئے خرچ کریں۔ ان کا جواب تھا: ''نہیں' یہ رقوم صرف مجسموں کے لئے ہیں۔'' ان کے اس رویے سے افغانیوں کو بڑا صدمہ ہوا' چنانچہ انہوں نے صاف کہہ دیا: ''اگر تمہیں ہمارے بچوں کی فکر نہیں تو ہم ان بتوں ہی کو اڑا دیتے ہیں۔''

میں نہیں کہتا کہ طالبان کا یہ اقدام درست ہے یا غلط' مگر ان کا فیصلہ آپ ہی کے غیر انسانی

Marfat.com

رویے کا ردِ عمل ہے۔ اگر آپ امریکیوں کو ہمارے ایسا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ کیا کرتے؟ اگر آپ کے بچے آپ کی آنکھوں کے سامنے مر رہے ہوں اور آپ کے خلاف عالمی پابندیاں بھی عائد ہوں' اور پابندیاں لگانے والے ہی آپ کے پاس آ کر بتوں کے چہرے مرمت کرنے کی بات کریں تو آپ کیا کریں گے؟ آج ہی میں نے اپنے ہیڈ کوارٹر سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ ابھی مجسمے نہیں توڑے گئے لیکن لوگ اہلِ مغرب کے رویے پر بہت ناراض ہیں اور وہ بتوں کو اڑا دینا چاہتے ہیں۔ اب کوفی عنان' اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل' کی سن لیجئے۔ وہ پاکستان گئے اور انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سفارتی نمائندے سے ملنے والے ہیں۔ اب ان ذات شریف نے ہمارے ستم رسیدہ بچوں سے ملنے کے لئے افغانستان میں داخل ہونے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔ انہوں نے ساٹھ لاکھ افغانی مہاجرین کے دل کی بات سنی نہ افغانستان کی غربت کے بارے میں بات کی۔ وہ صرف مہاتما بودھ کے مجسموں کی خاطر پاکستان گئے۔ تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) نے ان مجسموں کی بات کرنے کیلئے ایک وفد بھیجا۔ ہمیں حقیقی پریشانی ہے کہ دنیا مجسموں کی سلامتی کے متعلق تو بہت فکرمند ہے مگر اسے انسانوں کی سلامتی کی کوئی پروا نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہم بتوں کو اڑا کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ اگر بتوں کو توڑنا ہمارا مقصود ہوتا تو ہم تین سال پہلے ایسا کر گزرتے جب ہم نے اس علاقے پر قبضہ کیا تھا۔ ہم انہیں اڑانا نہیں چاہتے تھے۔ اور اب جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے' یہ ہمارا نہیں بلکہ علماء اور عوام کا فیصلہ ہے جس کی توثیق عدالت عظمیٰ نے کی ہے۔ اس فیصلے کو ہم مسترد نہیں کر سکتے۔ اور یہ جو اہل مغرب کو بودھ کے بتوں کی فکر کھائے جا رہی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انہیں تفریح کا مقام بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں ہمارے ورثے کی کوئی خاص فکر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ہمارا مستقبل تباہ نہ کرتے۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہماری حکومت پر جو پابندیاں مسلط کی گئی ہیں وہ ہمارے موقف میں تبدیلی نہیں لا سکیں گی کیونکہ ہمارے لئے ہمارا عقیدہ ہی سب کچھ ہے۔ اقتصادی پابندیوں سے ہمارا عقیدہ بدلنے کی کوشش بارور نہ ہوگی۔ ایسی کوشش صرف امریکہ میں کامیاب ہو سکتی ہے جہاں معیشت ہی سب کچھ ہے۔ اس کے برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خالی ہاتھ زندہ رہنے کے بجائے عقیدے کی سلامتی کے ساتھ جان دینا کہیں بہتر ہے۔

ہم کھلے دل و دماغ کے لوگ ہیں۔ ہمارے دروازے مذاکرات کے لئے آج بھی کھلے ہیں

Marfat.com

لیکن ہمارے دفاتر ہر کہیں بند کر دیئے گئے ہیں۔ ایک ہفتہ پہلے نیو یارک میں ہمارا دفتر بند کر دیا گیا۔ وہ دوسرے ملکوں میں ہمارے دفاتر بند کر کے ہمیں تنہا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' اور وہ نہیں جانتے کہ تنہا کرنے کی کاوش سعی لا حاصل ہے۔ ان کے پاس ماہرین نہیں۔ ان کے ماہرین صرف انگریزی بول سکتے ہیں۔ انہیں افغانستان کی زبان نہیں آتی۔ جو ماہرین انہیں پابندیاں لگانے کا مشورہ دیتے ہیں یا پابندیاں لگانے والی کمیٹیوں کے مشیر ہیں وہ کبھی افغانستان نہیں گئے۔ اور اس طرح وہ ہماری کامیابیوں کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

داخلی جنگ کے بارے میں بھی واضح کر دینا بہت ضروری ہے۔ روس کی شکست کے بعد نام نہاد مجاہدین کے گروہوں نے خانہ جنگی میں ان گنت آدمی ہلاک کئے اور بہت سے مسائل پیدا کئے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے طالبان تحریک شروع کی۔ ان لوگوں کی جنگ نہ شریعت کے لئے تھی' نہ افغانستان کے لئے' وہ صرف مستقبل کے اقتدار میں اہم عہدوں کے لئے لڑتے تھے۔ ہم نے اس قتل و غارت اور لاقانونیت کا خاتمہ کر دیا۔ اب ہماری مخالفت صرف ایک گروہ کر رہا ہے جس کی قیادت احمد شاہ مسعود کے پاس ہے۔ ہمیں اس سے بات چیت میں بھی کوئی عار نہیں۔ ہم نے عشق آباد میں اس کے نمائندوں سے مذاکرات کئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ اگرچہ وہ پہاڑوں میں صرف پانچ فیصد علاقے پر قابض ہے۔ ہم نے کشادہ دلی سے ان کی بات سنی۔ ہم اس سے متفق ہیں کہ اسے عہدہ ملنا چاہیے کیونکہ وہ سوویت روس سے لڑتا رہا ہے۔ 1998ء میں ہم نے ایک مشترکہ حکومت کے قیام پر اتفاق کیا۔ میں اس بات چیت میں موجود تھا۔ ہم انہیں تین وزارتیں دینے' ان کے نظام عدل کو اپنے نظام میں مدغم کرنے اور انہیں تین چار ضلعی یا صوبائی حکومتیں دینے پر بھی رضامند ہو گئے اور انہوں نے بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ اب ہم نے ان سے کہا کہ اپنے ہتھیار ہمارے حوالے کر دیں کیونکہ افغانستان کا مسئلہ سیاسی اختلافات نہیں' آتشیں ہتھیار اور ان کی فراوانی ہے۔ ہر کسی کے پاس اسلحہ ہے اور یہ جو شمالی اتحاد والے ہم سے لڑ رہے ہیں اس کی وجہ ہمارے آپس کے نظریاتی اختلافات نہیں' اس کا واحد سبب ہتھیار ہیں۔ ہم سے پہلے پورے افغانستان میں آتشیں ہتھیاروں کی فراوانی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ افغانیوں نے بارہا ایک حکومت بنانے کی کوشش کی مگر ایک آدھ ہفتے کے بعد ہی ان میں لڑائی شروع ہو گئی کیونکہ سب کے پاس مختلف قسم کے ہتھیار تھے چنانچہ وہ لڑ پڑتے تھے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ افغانستان کا مسئلہ

Marfat.com

سیاسی اختلافات نہیں بلکہ اصل مسئلہ ہتھیاروں کی موجودگی ہے۔ اگر وہ لوگ اپنے ہتھیار ہماری وزارتِ دفاع کے حوالے کر دیں تو ہم انہیں اپنی حکومت میں قبول کر لیں گے۔

ہم پر ایرانی افسروں کی ہلاکت کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔ سات یا نو ایرانیوں کے بارے میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے۔ ان میں ایک صحافی اور باقی سفارتکار تھے۔ یہ واقعہ 1998ء میں پیش آیا۔ جب ہم نے شمالی افغانستان میں مزار شریف پر قبضہ کیا۔ ہم نے اس شہر کو آزاد کرانے کی مہم سے پہلے اعلان کیا کہ اقوامِ متحدہ سمیت تمام تنظیموں' سفارتی مشنوں اور این جی اوز کو شہر خالی کر دینا چاہیے کیونکہ شہر کے اندر لڑائی کا امکان ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ اور این جی اوز سب شہر سے نکل گئے حتیٰ کہ وہ بھی جنہوں نے بالفعل ان پر گولہ باری کی اور پیچھے صرف سات آٹھ ایرانی رہ گئے' جو دراصل سفارتکار نہیں تھے۔ وہ درحقیقت افغانستان میں ایرانی کٹھ پتلیوں کے فوجی مشیر تھے۔ ڈپلومیٹک مشن کے اندر انہیں ہم نے قتل نہیں کیا' وہ بامیان جاتے ہوئے راستے میں مارے گئے جو وسطی افغانستان کا شہر ہے۔ ہم انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ گولہ باری کے دوران اتفاقاً مارے گئے۔ ہم نے اعلان کیا کہ یہ جو کچھ ہوا ہمیں اس پر افسوس ہے اور اب حکومت ایران نے اپنا سفارتی مشن بھی بھیج دیا ہے۔ انہوں نے تو نصل خانہ دوبارہ کھول لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب انہوں نے اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کی ہے اور ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ ان کی دوستی کا نیا باب سامنے آئے۔

مجھ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی افغانستان میں داخل ہو کر اپنی داڑھی مونڈھنے کی کوشش کرے یا اگر کوئی خاتون اسلامی معیار کے مطابق حجاب پہنے مگر برقعہ نہ اوڑھے تو کیا اسے بھی خطرات کا سامنا کرنا ہو گا؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ ہماری ترجیحات کچھ اور ہیں۔ ہماری ترجیح بچوں کو بچانا ہے۔ ہماری ترجیح ملک کو بارودی سرنگوں سے پاک کرنا ہے۔ ہماری ترجیح اپنے ملک کو دوبارہ متحد کرنا ہے۔ ہماری ترجیح غیر ملکی مداخلت کو روکنا ہے۔ ہماری ترجیح دشمن سے لڑنا ہے جو پہلے ہی ہمارے ملک میں موجود ہے۔ اگر مغرب والے اس صورتحال میں ہوتے تو کیا کرتے؟ پھر تعلقات عامہ استوار کرنا بھی آسان بات نہیں۔ آپ کو بہت سا سرمایہ صرف کرنا پڑتا ہے۔

1998ء میں سی این این والے اسامہ بن لادن کا انٹرویو کرنے افغانستان آئے ہوئے تھے۔ میں وہاں موجود تھا۔ انہوں نے اسامہ سے پوچھا کہ عراق میں شہریوں کی ہلاکتوں کے بارے میں ان

Marfat.com

کا خیال کیا ہے۔ اس دوران کیمرہ چل رہا تھا۔ اسامہ نے کہا کہ اگر تمام امریکی شہری اور تمام برطانوی شہری تمام عراقی شہریوں کو قتل کرنے پر آمادہ یا اس میں معاون ہوں تو تمام امریکی شہری اور تمام برطانوی شہری بھی مستحق ہیں کہ انہیں ہلاک کیا جائے۔ سی این این نے ان کی ساری باتیں کاٹ دیں۔ تین گھنٹے کی گفتگو غائب کر دی اور ایک بات جو پیش کی وہ ایک نامکمل جملہ تھا کہ۔ ''تمام امریکی اور برطانوی شہری ہلاک کر دیئے جانے چاہئیں۔'' سی این این والوں نے ایسا کر کے اپنے لوگوں کو یہ سکھایا کہ بن لادن یہ کہہ رہا ہے کہ تمام امریکی شہری قتل کر دیئے جانے چاہئیں۔ یہ ہے مغربی میڈیا کا کچا چٹھا جو بہت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ مغربی میڈیا کاروباری حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اشتہارات بیچنے کے لئے کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ جہاں تک داڑھی اور پردے کا تعلق ہے' یہ اصول سارے افغانیوں پر لاگو نہیں۔ بہت سے غیر افغانی وہاں کام کر رہے ہیں۔ دراصل وہاں امریکی بھی مقیم ہیں جو اقوام متحدہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے بہت سے لوگ ہیں' وہ جو چاہیں سو کرتے ہیں۔ انہیں کوئی فکر نہیں۔ ہم نے بھی ان کے لئے کوئی خاص قانون نہیں بنایا لیکن افغانستان ایک ایسا ملک ہے جو 23 برسوں کی جنگ سے گزرا ہے اور ہنوز وہاں جنگ جاری ہے۔ ان حالات میں افغانستان میں امن اور سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے کسی نوع کے سخت قانون کی ضرورت ہے۔ پس غیر ملکیوں کے لئے تو یہ بات مضحکہ خیز ہو سکتی ہے کہ ہم عوام سے داڑھیاں بڑھانے کو کہتے ہیں لیکن افغانستان میں ہر کوئی داڑھی رکھتا ہے خواہ آپ ان سے کہیں یا نہیں کہیں۔ وہاں داڑھی رکھنا ایک فطری بات ہے' اور وہ جو پردہ' برقع یا اسلامی ضابطہ لباس ہے۔ یہ افغانستان میں صدیوں سے رائج ہے۔ یہ ایران میں موجود ہے۔ سعودی عرب اور دیگر کئی اسلامی ممالک میں موجود ہے۔ یہ محض افغانستان کا مسئلہ نہیں۔ یہاں پردے کا رواج ہے' لہٰذا آپ لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ برقعہ نہ پہنیں اور ہم نے آئین میں لکھا ہے کہ اس وقت عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک ترجیح یہ ہے کہ وہ محفوظ رہیں۔

Marfat.com

# طالبان کی نرسری

دارالعلوم اکوڑہ خٹک کو دنیا بھر میں طالبان کی نرسری کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ طالبان کا یہ روحانی مرکز سال بھر بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کا مرکز بنا رہتا ہے۔ نیویارک ٹائمز' واشنگٹن پوسٹ اور گارڈین جیسے اخبارات میں تواتر کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔سی این این' بی بی سی اور دنیا کے دیگر معروف ٹی وی چینلز جب بھی طالبان کے بارے میں دستاویزی فلمیں دکھاتے ہیں ان میں دارالعلوم حقانیہ کا ذکر ضرور شامل ہوتا ہے۔مغربی میڈیا کی رپورٹوں اور فلموں تمام تر حقائق کو جھٹلا کر علم وامن کے ان گہواروں کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور جہاد کو دہشت گردی کی شکل میں پینٹ کر کے سکرین پر پیش کیا جاتا ہے۔ طالبان پر پابندیوں سے کچھ عرصہ قبل اس دارالعلوم کے بارے میں سی این این نے متعدد فلمیں دکھائیں۔دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق کا کہنا تھا کہ یہ تمام سلسلہ اس پراپیگنڈہ کا حصہ ہے جو ایک منصوبہ بندی کے تحت اسلامی مدارس' جہاد اور طالبانائزیشن کے خلاف شروع کیا گیا ہے لیکن اس کے توڑ کے لئے اسلامی میڈیا اس سطح کی کوششیں نہیں کر رہا جس سطح پر مغربی میڈیا پراپیگنڈہ کر رہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل نیویارک ٹائمز کے یہودی صحافی جیفری گولڈ برگ نے ایک

Marfat.com

ڈرامہ رچایا' اکوڑہ خٹک پہنچ کر اس نے بطور مسلمان اپنا تعارف کرایا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ وہاں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات پر عبور رکھتا تھا۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی مولانا سمیع الحق نے خود ہی اس کا راز افشا کر دیا' جس پر وہ شرمندہ ہو گیا۔ اس کے باوجود مولانا نے اسے اجازت دی کہ وہ جتنے دن چاہے دارالعلوم حقانیہ قیام کرے اور آزاد گھوم پھر کر جائزہ لے۔ مولانا سمیع الحق نے اس کی میزبانی میں کوئی کسر نہ اٹھائی لیکن اس نے امریکہ جا کر جو رپورٹ فائل کی' اس کے کئی حصوں کو پڑھ کر مولانا صاحب کو رنج پہنچا' ایک روز مولانا صاحب لاہور تشریف لائے تو انہوں نے اس کا ذکر مجھ سے کیا اور مجھے دعوت دی کہ میں بھی اکوڑہ خٹک آ کر دیکھوں کہ وہاں دین کی تعلیم دی جاتی ہے یا دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ میرے لئے یہ اعزاز تھا' اس لئے میں نے مولانا سمیع الحق کی یہ دعوت قبول کر لی۔

ایک روز صبح ساڑھے پانچ بجے میں اکوڑہ خٹک کے دارالعلوم حقانیہ پہنچا۔ جی ٹی روڈ کے کنارے واقع اس قدیم درسگاہ کو عام نظر سے دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے عام سا مدرسہ ہے جس کے اندر پچاس ساٹھ طلباء قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں گے لیکن دارالعلوم کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تو ایک نئی دنیا آباد ہے۔ پانچ سال سے لے کر پچاس سال تک کے افراد علوم اسلامیہ کے حصول میں مصروف ہیں۔ یہاں اسلام کی آفاقی اور روحانی تعلیم کے روح پرور منظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بوریہ نشین' سادہ اور درویش نوجوان قرآن و تفسیر اور دورۂ حدیث کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں۔ وہاں افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے طلباء بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ میں لاہور سے رات کا سفر طے کر کے اکوڑہ خٹک پہنچا تھا۔ میں جس وقت کیمپس کے احاطے میں داخل ہوا تو گیٹ کے قریب ایک دس برس کے لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ہاتھ ملاتے ہوئے اس سے مولانا سمیع الحق کے بارے میں پوچھا۔ وہ بچہ صرف پشتو زبان جانتا تھا۔ اس نے اپنی اور میری مشکل سمجھتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑا۔ تھوڑی دور برآمدے میں بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کے پاس لے گیا جو اردو جانتا تھا۔ اس کا نام عبدالحفیظ تھا' میں نے اپنا تعارف کرایا اور مدعا بیان کہ مجھے مولانا صاحب تک پہنچنا ہے۔ عبدالحفیظ نے کہا کہ میں آپ کو مولانا صاحب کے سیکرٹری کے دفتر پہنچا دوں گا لیکن پہلے آپ چائے پئیں گے۔ وہ نوجوان ہاسٹل کے کمرے کے باہر اینٹوں کے چولہے پر کیتلی میں چائے بنا رہا تھا' میں

Marfat.com

قریب ہی چٹائی پر بیٹھ گیا۔اس کے قریب ایک اور نوجوان کھڑا تھا' میں پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا' اور میرے کندھے سے کیمرہ اور چھوٹا بیگ لٹک رہا تھا۔دوسرا نوجوان مجھ سے پوچھنے لگا' آپ بھی اسامہ کی تلاش میں نکلے ہیں؟ مجھے اس کی بات پر بڑا تعجب ہوا' میں ابھی اس کی بات کا جواب دینے ہی لگا تھا کہ عبدالحفیظ نے اسے روکتے ہوئے کہا' نہیں! یہ لاہور سے آئے ہیں اور پاکستانی صحافیوں سے ایسا نہیں پوچھا جاتا۔ میں نے اس نوجوان سے پوچھا' کیا اس سے پہلے بھی یہاں اسامہ کی تلاش میں کوئی آیا تھا۔عبدالحفیظ نے چائے کا کپ میرے سامنے رکھتے ہوئے بتایا کہ یہاں ہر ہفتے غیر ملکی صحافی آتے ہیں۔ وہ مدرسے کے طلباء سے اسامہ بن لادن کے بارے میں الٹے سیدھے سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔اس لئے اب یہاں کوئی بھی صحافی آتا ہے تو یہ نوجوان پہلے ہی اس سے پوچھنا شروع کر دیتے ہیں کہ کیا وہ اسامہ کی تلاش میں آئے ہیں۔ جب وہ نوجوان مجھے مولانا صاحب کے سیکرٹری کے دفتر میں لے کر جا رہا تھا' کیمپس میں ہر طرف چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔کئی طلباء مسجد کے صحن میں اور مختلف احاطوں میں کتابیں اٹھائے پڑھ رہے تھے۔کئی طلباء پانی کے نلکوں کے گرد بیٹھے' اپنے کپڑے دھو رہے تھے جبکہ ہاسٹلوں کے باہر برآمدوں میں زیادہ تر طلباء اپنا ناشتہ تیار کر رہے تھے۔اس دارالعلوم کے طلباء کی ایک خاص پہچان ہے۔لمبی لمبی قمیصیں' کاندھے پر لمبی چادر' گھنی داڑھی' لمبی زلفیں' سر پر پگڑی اور پاؤں میں کھلے چپل' بالکل وہی طالبان' جن کی تصویریں ہم افغانستان کے محاذوں پر دیکھتے ہیں۔دارالعلوم حقانیہ کا پورا ماحول دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے پورا کیمپس افغانستان کے کسی شہر کا حصہ ہے۔تھوڑی ہی دیر بعد میں سید محمد یوسف شاہ کے دفتر میں موجود تھا' جو وہاں میرے منتظر تھے۔دفتر کیا تھا' ایک چھوٹا سا کمرہ' جس میں قالین بچھا ہوا تھا' دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے تھے۔ایک کونے میں فیکس مشین اور ٹیلی فون سیٹ پڑا تھا۔سید محمد یوسف شاہ دارالعلوم حقانیہ میں افغان امور کے انچارج بھی ہیں' مولانا سمیع الحق' دارالعلوم اور جے یو آئی کے ترجمان بھی ہیں۔افغان امور کے سلسلے میں انہیں اکثر افغانستان آنا جانا پڑتا ہے۔ان ذمہ داریوں کے علاوہ دارالعلوم میں وہ تدریس کا کام بھی کرتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق سے میری ملاقات سات بجے ناشتے پر ہونا تھی۔اس ملاقات سے قبل میں نے ایک گھنٹے کا وقت یوسف شاہ کے ساتھ مختلف امور پر گفتگو میں گزارا۔ میں نے ان سے پوچھا!

Marfat.com

سنا ہے اکوڑہ خٹک میں غیر ملکی صحافی اکثر آتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے سب سے پہلے نیو یارک ٹائمز کے صحافی جیفری گولڈ برگ کی کہانی سنائی' جو چند روز قبل ایک امریکی مسلمان کے روپ میں آیا تھا اور اس نے مدرسہ میں داخلہ لینے کی درخواست کی تھی۔ وہ دراصل جاننا چاہتا تھا کہ طالبان کیسے تیار ہوتے ہیں۔ مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت کیسے دی جاتی ہے اور کن لوگوں کے ذریعے اسامہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میں نے دارالعلوم کے پی آر او سے پوچھا کہ آپ مغربی صحافیوں کے سامنے اس تاثر کو کیسے زائل کرتے ہیں کہ آپ کے مدرسے میں طالبان کو عسکری تربیت نہیں دی جاتی۔ شاہ صاحب کا جواب تھا کہ ہم مغربی صحافیوں کو بتاتے ہیں کہ طالبان کو نئی تربیت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب افغانیوں کے بچے ہیں۔ افغانستان کے 16 سالہ جہاد میں کسی کا باپ' کسی کا چچا اور کسی کا بھائی کمانڈر تھا یا مجاہد تھا' وہ سب لوگ اسی مدرسے سے فارغ التحصیل تھے۔ فضلاء تھے۔ یہ بچے تو جہاد اور جنگ میں ہی پلے بڑھے ہیں' ہمیں ان کو اسلحہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ افغانستان میں اسلحہ کی کمی نہیں ہے۔ وہاں اسلحہ کے ذخیرے موجود ہیں۔ میں نے یوسف شاہ سے وزیرِ داخلہ کے اس بیان پر رائے لینا چاہی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے مجاہدوں کو پاکستان سے نکال دیں گے' ان کا جواب تھا کہ ہم جب بھی حکومت کے بلائے گئے کسی اجلاس میں شرکت کرتے ہیں تو ہم ایسے بیانات کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ حکومت کو ہمارا یہ جواب ہوتا ہے کہ جب یہ مسلمان نوجوان سرحدوں کو کراس کر کے پاکستان میں داخل ہوتے ہیں' اسی وقت حکومت ان کو کیوں نہیں روکتی۔ حکومت بیوقوف ہے۔ دراصل ان کی نظر ان مسلمان نوجوانوں پر ہے جو وسطی ایشیائی ریاستوں سے یہاں آئے ہیں اور مدرسوں میں موجود ہیں۔ وہ علاقہ طویل عرصہ تک کمیونسٹوں کے زیرِ تسلط رہا ہے۔ اگر ہم ان مسلمان نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم نہیں دیں گے تو اور کون دے گا..... لیکن اکوڑہ خٹک کی طالبان سے کیا خاص نسبت ہے؟ اس پر یوسف شاہ نے بتایا کہ اکوڑہ خٹک ایک تاریخی درسگاہ ہے' جہاں افغانستان سے آنے والے طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہاں سے علماء و فضلا تیار ہوئے۔ اس وقت افغانستان کے 9 وفاقی وزراء میں سے 7 وزراء دارالعلوم حقانیہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ سید یوسف شاہ نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے۔ ملا عمر دارالعلوم حقانیہ میں کبھی نہیں رہے اور اتفاق ہے کہ وہ یہاں کبھی آئے بھی نہیں ہیں لیکن ان کی نظر میں دارالعلوم حقانیہ کی بڑی قدر ہے۔ کچھ عرصہ قبل ملا

Marfat.com

محمد عمر کو دارالعلوم حقانیہ کی اعزازی سند دی گئی تھی۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ یہاں ہر سال دورۂ حدیث کے 650 طلباء اسناد حاصل کرتے ہیں اور سالانہ کنووکیشن میں تقریباً ایک لاکھ افراد شریک ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا' امریکہ کو اسامہ سے کیا خطرہ ہے؟ شاہ صاحب کا جواب تھا! کوئی خطرہ نہیں۔ امریکہ نے خود ہی اسامہ کو ہیرو بنایا تا کہ عربوں پر خوف مسلط کر کے وہاں اپنی فوجیں رکھی جائیں۔ اسامہ بن لادن افغانستان میں بڑی سادہ اور عام زندگی گزار رہے ہیں۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ ان کی رہائش کا کسی کو علم نہیں۔ یہ سب کچھ حفاظت کی خاطر کیا جاتا ہے۔ ان کے ٹھکانے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

سید یوسف شاہ سے گپ شپ کے بعد میں نے خواہش ظاہر کی کہ میں کچھ دیر کے لئے کیمپس کے مختلف حصوں میں جانا چاہتا ہوں۔ جس کی اجازت انہوں نے بخوشی دے دی۔ دارالعلوم میں صبح سات بجے مختلف علوم کی کلاسوں کا آغاز ہو جاتا ہے اور تدریس کا یہ کام ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے۔ مسجد کے صحن میں' میں نے صہیب نامی ایک نوجوان سے گفتگو کی جو ٹیکسلا کا رہنے والا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ سنا ہے یہاں زبردستی جہاد کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کا جواب تھا' مجھے یہاں چھ برس ہو گئے ہیں۔ کسی طالب علم کو یہاں بندوق تو درکنار' خنجر یا چاقو تک سے متعارف نہیں کرایا گیا۔ پھر آپ یہاں کیا کرنے آتے ہیں؟ ہم یہاں ویسے ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں جیسے دوسرے اداروں میں تعلیم ہوتی ہے۔ آپ دارالعلوم حقانیہ میں کیوں پڑھنے آئے ہیں؟ اس کا جواب تھا' لوگ پاکستان سے اتنی دور لندن اور امریکہ پڑھنے جا سکتے ہیں تو ہم ٹیکسلا سے اکوڑہ خٹک کیوں نہیں آ سکتے۔ میرا تعلق ایک مذہبی خاندان سے ہے۔ میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ دارالعلوم ایسا ہے جس سے فارغ ہونے والے ہزاروں علماء دنیا بھر میں اسلام کی تعلیم پھیلا رہے ہیں۔ اس ادارے کا ایک مقام ہے۔ اس لئے ہم نے یہاں داخلہ لیا ہے۔ قریب ہی کھڑے ہوئے ایک معصوم طالب علم سے میں نے اردو میں بات کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ وہ اردو نہیں جانتا' اس کی عمر تقریباً سات برس تھی۔ بغل میں کتابیں دبائے ہوئے مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے مجھے اردو میں بتایا کہ اس کا نام نعمت اللہ ہے اور وہ جلال آباد (افغانستان) کا رہنے والا ہے۔ میں نے اس بچے کی تصویر بنانا چاہی' میں ابھی کیمرہ تیار ہی کر رہا تھا کہ پندرہ سولہ برس کے دو لڑکے میرے قریب آ کر کہنے لگے۔ ''آپ کو معلوم نہیں تصویر

Marfat.com

بنانا کتنا گناہ ہے اور وہ بھی آپ مسجد کے اندر بنا رہے ہیں۔'' میں نے ان کا غصہ کم کرنے کے لئے بڑے پیار سے کہا کہ میں تو اس بچے کی تصویر اچھی نیت سے بنا رہا ہوں تا کہ بڑے شہروں کے بچوں کو اس تصویر کے ذریعے بتا سکوں کہ یہاں کے ننھے بچے کس طرح دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور انہیں بھی اسی طرح دین کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے کہ ہاں اگر اس نیت سے بنا رہے ہو تو ٹھیک ہے بنالو۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور سات سالہ نعمت اللہ کی تصویر بنالی۔ بعد ازاں ایک موقع پر جب میں مولانا سمیع الحق کے ہمراہ دارالعلوم میں گھوم رہا تھا تو میں نے کچھ بزرگوں کی تصاویر بنانے کی اجازت طلب کی تو تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کسی نے ہاں یا ناں میں جواب نہ دیا' تو مولانا نے سکوت توڑتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں۔ حضرت مولانا عبدالحق (مولانا سمیع الحق کے والد اور بانی دارالعلوم حقانیہ) سے ایک مرتبہ کسی نے تصویر بنانے کی اجازت طلب کی' تو انہوں نے جواب دیا۔ ''ظالمو! گولی بھی مارتے ہو اور پہلے پوچھتے ہو کہ گولی مارلوں.....'' مولانا کی اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔ مولانا نے کہا مٹے تصویر بنانی ہو تو خاموشی سے بنالیا کرو۔ یہاں اجازت نہ لیا کرو۔ مولانا صاحب کی اس بات کے ساتھ ہی میں نے دو تین تصویریں بنالیں۔

سید یوسف شاہ سے گفتگو کے بعد میں گھوم پھر کر دارالعلوم کے مختلف احاطوں میں طلباء سے گفتگو کر رہا تھا کہ پیغام ملا' مولانا سمیع الحق صاحب اپنے گھر ناشتے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مولانا صاحب کی رہائش گاہ کیمپس کے اندر ہی ایک علیحدہ احاطے میں ہے۔ سید یوسف شاہ میرے ہمراہ تھے۔ رہائش سے چند قدم پہلے ایک چھوٹے سے احاطے میں ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بتایا کہ یہ بانی مدرسہ حضرت مولانا عبدالحق کی قبر ہے۔ ہم کچھ دیر اس احاطے میں رکے' جہاں شاہ صاحب نے مجھے بتایا کہ دارالعلوم حقانیہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے تشنگان علوم دینیہ کے لئے بھی مرکزِ علم و عرفان ہے۔ مولانا عبدالحق نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ العربؒ مولانا حسین احمد مدنی' حضرت مولانا محمد اعزاز علی' حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری جیسے اکابر علماء کے زیرِ سایہ تعلیم حاصل کی اور پھر بزرگوں کے مشورہ سے دیوبند ہی میں مدرس کی خدمات دینے لگے۔ انہوں نے 1947ء کے پرآشوب دور میں جب تقسیمِ برصغیر کا عمل ہوا تو پاکستان میں معیاری دینی مدارس کی کمی تھی۔ اس دور میں

Marfat.com

افغانستان اور پاکستان کے طلباء کے لئے دیو بند جانا مشکل ہو گیا تھا چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نے ستمبر 1947ء میں اکوڑہ خٹک میں اپنی رہائش گاہ سے متصل ایک مسجد اور مدرسے کی بنیاد ڈالی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مسجد اور دارالعلوم اسلامی تعلیمات کا مرکز بنتا گیا' جہاں دور دور سے تشنگان علم یہاں آنے لگے۔ آج انہی کی برکات کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ دنیا بھر کی نظروں کا مرکز ہے۔ روس کے خلاف جہاد عظیم کا آغاز بھی یہیں سے ہوا اور طالبان انقلاب بھی یہیں سے اٹھا۔

تھوڑی دیر بعد جب میں مولانا صاحب کی رہائش گاہ پہنچا تو وہاں ان کے مہمان خانے میں بزرگ مذہبی رہنما سابق سینٹر قاضی عبداللطیف صاحب موجود تھے۔ مولانا صاحب کی آمد سے دس پندرہ منٹ قبل میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے دینی مدارس کے خلاف مغرب کے پراپیگنڈہ کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کئے۔ ناشتے کے دوران میں مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف کے خیالات سے مستفید ہوتا رہا۔ قاضی صاحب کا کہنا تھا کہ امریکہ کو یقین ہے کہ جب تک قرآن اور حدیث زندہ ہے اور اس کو پڑھانے والے زندہ ہیں۔ مسلمانوں کو زیر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ان کی خواہش ہے کہ ان مدارس کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے یا انہیں دنیاوی تعلیم دینے والے اداروں میں تبدیل کر دیا جائے۔ گفتگو کے دوران یہ بزرگ رہنما وزیرِ داخلہ معین الدین کے دینی مدارس کے خلاف بیانات کی مذمت کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت میں شامل بعض افراد سروے فارموں کے ذریعے دینی مدارس کی آمدنی کے ذرائع جاننا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ جو نیک دل مخیّر حضرات دینی مدارس کو خاموشی سے فنڈز فراہم کرتے ہیں ہم ان کے نام حکومت کو پیش کریں۔ مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف کا کہنا تھا کہ یہ وہ ادارے ہیں جن کے لئے مالی امداد کسی سے چھینی نہیں جاتی۔ لوگ ان مدارس کو امداد دینا سعادت سمجھتے ہیں پھر اس امداد سے دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کو کتابیں' فیس' کھانا' رہائش' طبی علاج معالجہ سب کچھ مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ جو لوگ ان مدارس کو امداد دیتے ہیں وہ ریاکاری کے ڈر سے اپنا نام ظاہر نہیں کرتے۔ حکومت چاہتی ہے کہ ہم ان کے نام بتائیں تاکہ وہ ان مخیّر حضرات سے اس امداد کا بھی حساب طلب کر سکیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ حکومت یہ نیا محاذ کھولنے کے بجائے سرکاری تعلیم اداروں کی طرف توجہ دے۔

Marfat.com

مولانا سمیع الحق نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہمارے دارالعلوم نے بڑی محنت سے مقام بنایا ہے۔ اس کے فضلاء دنیا بھر میں موجود ہیں۔ یہی مقام اور مرتبہ دیکھ کر لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ والدین جانتے ہیں کہ یہ علم و حکمت اور امن کے گہوارے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اسلامی ریاستوں خصوصاً وسطی ایشیائی ریاستوں سے اسلامی تعلیمات کے حصول کے لئے نوجوان بھاگ کر یہاں آ جاتے ہیں۔ ہم ان پر کوئی سختی نہیں کرتے بلکہ میں نے ہدایت کر رکھی ہے کہ جو نوجوان جس لباس میں آتے ہیں' آنے دیں۔ وہ پینٹ شرٹ میں آتے ہیں اور کلین شیو ہوتے ہیں' لیکن کچھ روز بعد جب وہ اسلامی ماحول میں ڈھلتے ہیں' تعلیمات حاصل کرتے ہیں' عبادات میں مشغول ہوتے ہیں تو خود بخود اس ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں۔ سادہ لباس پہن لیتے ہیں اور داڑھیاں رکھ لیتے ہیں۔ مولانا نے بتایا کہ ایک مرتبہ دو نوجوان خفیہ طور پر دریائے آمو کراس کر کے یہاں آ رہے تھے کہ ایک نوجوان دریا میں ڈوب گیا جبکہ دوسرا یہاں پہنچ گیا' یہ اسلام کی تڑپ اور لگن ہوتی ہے جو انہیں یہاں لے آتی ہے۔

کچھ دیر بعد ہم مولانا کے ہمراہ مدرسے کے مختلف حصے دیکھ رہے تھے' اسی دوران سابق وزیرِ داخلہ نسیم احمد آہیر بھی مولانا سے ملنے آ گئے۔ ہم ایوانِ شریعت ہال دیکھنے کے بعد مولانا صاحب کے گھر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ نسیم احمد آہیر اور مولانا آگے آگے چل رہے تھے اور میں ان سے چند قدم پیچھے سید یوسف شاہ سے باتیں کرتے ہوئے جا رہا تھا کہ ایک روشن چہرے والے بارہ تیرہ سالہ لڑکے نے میرے قریب آ کر مجھے سلام کیا' میں نے اس کا نام پوچھا' تو اس نے بتایا کہ اس کا نام ''اسامہ'' ہے۔ میں نے کہا آپ نے اپنا نام اسامہ کیوں رکھا ہے۔ میری آواز مولانا سمیع الحق کے کانوں تک پہنچی تو وہ چلتے چلتے رک گئے۔ نسیم احمد آہیر اور مجھے متوجہ کر کے بتانے لگے کہ ''یہ میرا لڑکا ہے اور اس کا نام اسامہ ہے۔ ایک مرتبہ تین چار مغربی صحافی مجھے ملنے آئے۔ میرے ڈرائنگ میں بیٹھے تھے اور زیادہ تر اسامہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک میں نے اپنے بڑے بیٹے سے انگریزی زبان میں مخاطب ہو کر کہا' بیٹے! ذرا اسامہ کو اندر ڈرائینگ روم میں لے آؤ۔ میری یہ بات سن کر تمام مغربی صحافی چونک اٹھے۔ ان کے چہرے سنجیدہ ہو گئے اور وہ الرٹ ہو کر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی یہ ننھا بچہ اندر آیا میں نے ان صحافیوں کو بتایا کہ ''اس کا نام اسامہ ہے

Marfat.com

اور یہ میرا بیٹا ہے۔'' مولانا صاحب کی اس بات پر سب محظوظ ہوئے۔ چھوٹے اسامہ کا نام اسامہ سمیع تھا اور وہ ایبٹ آباد کے کسی سکول میں زیرِ تعلیم ہے۔ پشتو کے علاوہ بہت ہی خوبصورت اردو بولتا ہے اور انگلش زبان بھی جانتا ہے۔ میں نے اسامہ سمیع سے پوچھا' بڑے ہو کر کیا بنو گے' اس کا جواب تھا کہ اگر ہم ایبٹ آباد اور اسلام آباد کے سکولوں کے بچوں سے پوچھیں کہ وہ کیا بنیں گے تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ یا برطانیہ جائیں گے' پائلٹ بنیں گے' کمپیوٹر انجینئر' ڈاکٹر یا سی ایس پی افسر بنیں گے اور اگر دینی مدرسے کے طلباء سے پوچھا جائے تو وہ آج کل کہتے ہیں' ہم اسامہ بنیں گے..... میں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے بارے میں نہیں بتایا کہ آپ کیا بنیں گے' کیا آپ بھی بڑے ہو کر اسامہ بنیں گے' تو وہ یہ جواب دیتے ہوئے دوڑ کر گھر کے اندر چلا گیا کہ ''میں تو پہلے ہی اسامہ ہوں'' دارالعلوم میں سب سے زیادہ پر کشش عمارت ''ایوان شریعت'' ہے۔ اس تین منزلہ عمارت میں ایک وقت میں پانچ ہزار افراد بیٹھ کر لیکچر سن سکتے ہیں۔ پاکستان میں شاید ہی کسی یونیورسٹی کا تین منزلہ اتنا بڑا ہال ہو۔ مین ہال کے اوپر چاروں اطراف میں مہمانوں کے لئے کشادہ گیلریاں موجود ہیں۔ میں جب اس عظیم الشان ہال کو دیکھنے گیا تو اس وقت وہاں دورۂ حدیث کی کلاس ہو رہی تھی' تقریباً 625 طلباء جو دورہ حدیث کے آخری سال میں تھے' انتہائی خاموشی' نظم و ضبط اور مؤدب انداز میں درس لے رہے تھے۔ یہ عمارت دورۂ حدیث کے علاوہ سیمینارز' کانفرنس اور امتحانی ہال کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے۔ میرے دورۂ اکوڑہ خٹک کے کچھ عرصہ بعد طالبان پر عالمی پابندیوں کے خلاف ''دفاع افغانستان کونسل'' کے نام سے تاریخی کانفرنس بھی اسی ہال میں منعقد ہوئی تھی جس میں مولانا سمیع الحق صاحب نے مجھے بھی بطور ابزرور مدعو کیا تھا۔ یہاں سے چار براعظموں ایشیاء' افریقہ' یورپ اور امریکہ کے طلباء تعلیم حاصل کر کے دنیا بھر میں اشاعت اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اس وقت عرب ممالک' یورپ اور امریکہ میں جہاں جہاں اسلامی مشن کام کر رہے ہیں ان میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء نمایاں ہیں۔ اس وقت دارالعلوم کے 10 ہزار فضلاء دنیا بھر میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ افغانستان میں جہاں دیگر سیاسی و انتظامی شعبوں میں اس ادارے کے لوگ نمایاں ہیں وہاں کابل اور قندھار کی سپریم کورٹوں میں مولانا نور محمد ثاقب' مولانا شہاب الدین دلاور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہیں۔

صبح ساڑھے گیارہ بجے دورۂ حدیث کی کلاس ختم ہوئی تو ہال کی دوسری طرف کی سیڑھیوں

Marfat.com

سے طلباء نیچے اترنے لگے۔ میں نے چند طلباء کی تصویر بنانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے معذرت کر لی اور بڑے احترام سے کہنے لگے کہ اگر آپ کوئی سوال پوچھنا چاہیں تو ہم حاضر ہیں۔ فیض اللہ نامی نوجوان سے میں نے پوچھا کہ آپ جن مدارس میں پڑھتے ہیں' ان پر الزام ہے کہ یہاں نوجوانوں کو فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان مدارس کے طلباء فرقہ وارانہ دہشت گردی میں ملوث ہوتے ہیں۔ فیض اللہ نے انتہائی سنجیدہ انداز میں میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ فرقہ واریت کی کوئی تعلیم یا تربیت نہیں لینی پڑتی۔ آپ کم علمی کے باعث کسی بھی ملا کی باتوں میں آ کر شیعہ سنی کو مار سکتے ہیں۔ ہمیں تو سب سے پہلا درس ہی امن' اتحاد اور محبت کا دیا جاتا ہے۔ اگر فرقہ واریت کے گناہ میں شریک ہونا ہو تو یہ ہزاروں طلباء ہزاروں میلوں کا سفر طے کر کے' گھر والوں سے دور رہ کر آٹھ دس برس کی تعلیم حاصل کرنے کیوں آئیں' ہماری صبح کا آغاز فجر کی اذان سے پہلے تہجد سے ہوتا ہے' پھر دن بھر کی مشکل تدریس اور شام کے بعد عشاء تک کا وقت عبادات میں گزرتا ہے۔ چوبیس گھنٹے اسلامی تعلیمات اور عبادات میں گزارنے والوں کی روح پاک اور دل شفاف ہو جاتے ہیں وہ کسی بے گناہ انسان کو مارنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہاں سے فارغ التحصیل طلباء کو فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی تو وہ آج دنیا بھر میں اہم اسلامی اداروں میں خدمات سرانجام نہ دے رہے ہوتے۔ اس دارالعلوم یا اس کی لائبریری میں بلکہ اس پورے کیمپس میں آپ کو کوئی ایسی کتاب یا پمفلٹ نہیں ملے گا جس میں فرقہ وارانہ تفرقہ کا ذکر ہو۔ میں جس وقت فیض اللہ سے گفتگو کر رہا تھا میرے اردگرد بیس پچیس نوجوان جمع ہو گئے تھے۔ افغانستان سے آئے ہوئے ایک نوجوان طالب علم سے میں نے پوچھا کہ کیا یہاں سے نوجوان جہاد کے لئے جاتے ہیں اور طالبان سے مل کر اپنے دشمن سے لڑتے ہیں۔ اس کا جواب تھا کہ یہاں افغانستان کے جتنے طلباء موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد جہاد میں شہید نہ ہوا ہو۔ اس لئے جہاد پر جانا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ یہاں مدرسے سے کس طرح کی تیاری کر کے جہاد پر جاتے ہیں۔ امداد جان نے بتایا کہ جب ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں شاید یہاں جدید طریقوں سے عسکری تربیت دی جاتی ہے اور پھر کمانڈوز کی طرح محاذ پر بھیجا جاتا ہو گا لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ کسی وقت افغانستان سے اچانک ہمارا کوئی دوست یا عزیز آتا

Marfat.com

ہے اور بتاتا ہے کہ محاذ گرم ہے۔ چونکہ افغانستان ہمارا اپنا ملک ہے اس لئے ہمیں وہاں جا کر اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ہم اچانک ہی شام کے وقت ہاسٹلوں میں پیغام پہنچاتے ہیں کہ صبح جہاد پر جانا ہے' جو جس طرح سے حصہ لینا چاہے بتائے۔ طلباء اپنی استطاعت کے مطابق سو' پچاس اور دس دس روپے جمع کراتے ہیں' ہم کرایہ پر چند گاڑیاں لیتے ہیں۔ کسی بزرگ استاد سے اجتماعی دعا کراتے ہیں اور جہاد پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں کچھ نوجوانوں کو شہادت نصیب ہوتی ہے اور باقی نوجوان واپس آ کر معمول کی طرح اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ دنیا والے سمجھتے ہیں یہاں مدرسے کے ساتھ شاید کوئی تربیتی کیمپ ہیں جہاں اسلحہ کی عملی تربیت دی جاتی ہے جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ میرا سوال تھا' کیا آجکل بھی آپ کو جہاد پر جانا پڑتا ہے؟ ایک نوجوان نے جواب دیا۔ جی ہاں! چند روز قبل بھی ہمارے کچھ دوست وہاں شہید ہوئے' ایک اور نوجوان نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''یہ بھی لکھو کہ جب تک اسلام کا غلبہ نہیں ہو جاتا' جہاد جاری رہے گا۔''

طالبان کا یہ روحانی مرکز اور نرسری جس میں بیک وقت پانچ برس سے لے کر پچاس برس تک کے افراد تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کے قیام وطعام کا مکمل انتظام موجود ہے۔ طلباء کے لئے گیارہ ہاسٹل ہیں جنہیں احاطہ مدینہ' احاطہ قاسمیہ' احاطہ محمودیہ جیسے نام دیئے گئے ہیں۔ وسطی ایشیائی ریاستوں کے طلباء کے لئے علیحدہ ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے۔ دوپہر کے وقت لنچ ٹائم میں بڑا ہی عجب منظر ہوتا ہے۔ نرسری سے لے کر پی ایچ ڈی تک کی کلاس کے نوجوان لنگر کے سامنے بالٹیاں اور دیگچیاں لے کر لمبی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں' کھڑکی سے روٹیاں اور سالن حاصل کر کے اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ میں نے ترجمان سے کہا کہ یہ بڑے ہی معزز اور محترم لوگ ہیں لیکن اس انداز میں کھانا لیتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ ترجمان نے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ اس نظر سے دیکھیں کہ یہ لوگ کتنی سادہ اور درویشانہ زندگی گزار رہے ہیں تو پھر آپ کو یہ سب کچھ اتنا عجیب محسوس نہیں ہوگا۔ میس کے اندر جا کر میں نے کھانے کا جائزہ لیا' طلباء کو جو کھانا دیا جاتا ہے وہ بہت ہی معیاری اور ہفتہ بھر کا مینو بھی مناسب تھا۔

دارالعلوم میں گھومتے ہوئے ان کے ترجمان مجھے اچانک ایک کلاس روم میں لے گئے۔ جہاں دس بارہ طلباء لکڑی کی چوکیوں پر کتابیں سجائے مطالعہ میں محو تھے جبکہ ایک سینئر مدرس سامنے

Marfat.com

بیٹھے تھے۔ بتایا گیا' یہ پی ایچ ڈی کی کلاس ہے۔ مجھے اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں پی ایچ ڈی تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ میں جیسے ہی کلاس روم میں داخل ہوا تمام طلباء ایک مہمان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ تعارف کے بعد میرے منہ سے اچانک یہ بات نکلی۔ ''حیرت ہے..... طالبان پی ایچ ڈی بھی ہوتے ہیں۔ مغرب والے تو آپ کو ریڈ انڈین قسم کی کوئی مخلوق سمجھتے ہیں۔'' ایک طالب علم کا جواب تھا کہ جب دارالعلوم حقانیہ کا پی ایچ ڈی لندن یا واشنگٹن کے کسی کانفرنس روم میں انگریزی اور عربی زبان میں لیکچر دیتا ہے اور اسلام کے آفاقی پیغامات بیان کرتا ہے تو وہاں بیٹھے ہوئے انگریز اور امریکن اپنے آپ کو شرمندگی کی وجہ سے ریڈ انڈین محسوس کرنے لگتے ہیں۔

دارالعلوم کے شعبہ پی ایچ ڈی میں حدود' تعزیرات اور بلاسود معیشت سمیت درجنوں اہم عنوانات پر تحقیقی مقالے بھی تیار ہوئے ہیں۔ لائبریری میں تمام علوم کی ہزاروں نادر کتب موجود ہیں جبکہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا جدید شعبہ بھی دارالعلوم میں قائم ہے۔ موتمر المصنفین کے نام سے قائم شعبہ میں کتابیں تصنیف ہوتی ہیں۔ اس ادارے میں ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے جہاں پر ہر قسم کے قومی و بین الاقوامی جرائد کا ریکارڈ موجود ہے۔ ایسے جرائد کی ہزاروں جلدیں تیار کی گئی ہیں اور یہ جرائد ریفرنس کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا سمیع الحق کے بھائی انوار الحق ہیں جو تمام انتظامی امور کے سربراہ بھی ہیں۔ انہوں نے ایک مختصر ملاقات میں بتایا کہ اس ادارے کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ مختلف مخیر حضرات کی طرف سے جو امداد ملتی ہے' اس سے یہ دارالعلوم اپنے اخراجات پورے کرتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا بھر کے علماء دارالعلوم حقانیہ کو دیوبند ثانی کہتے ہیں۔ یہاں سال میں تین امتحان ہوتے ہیں۔ سہ ماہی' ششماہی اور سالانہ۔ تمام طلباء کے گھروں میں امتحان کی پراگریس رپورٹ بھجوائی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ مولانا صاحب کے چھوٹے بھائی اظہار الحق بھی دارالعلوم مین خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ یہ دارالعلوم ایک یونیورسٹی کے برابر ہے جہاں ہر روز ریسرچ سکالر اور اہم شخصیات آتی رہتی ہیں۔ میں مولانا سمیع الحق کے ہمراہ ایک ایسے کمرے میں گیا جہاں ایک بزرگ مختلف لوگوں کے مسائل سن رہے تھے۔ مولانا صاحب نے بتایا کہ یہ معروف مفتی حضرت مولانا سیف اللہ حقانی صاحب ہیں جن کا بڑا نام ہے۔ یہاں نہ صرف لوگ شرعی مسائل پر فتوے حاصل کرنے آتے ہیں بلکہ سی ٹی بی ٹی کے

Marfat.com

خلاف تاریخی فتویٰ بھی انہی حضرت صاحب نے دیا تھا۔

دارالعلوم حقانیہ کے بزرگ سکالروں کے ساتھ میری آخری نشست جہاد کے موضوع پر ہوئی۔ میرا سوال تھا کہ جہاد کے حوالے سے اکوڑہ خٹک کو خاص مرکزی حیثیت کیوں حاصل ہے؟ کیا اس کا کوئی تاریخی پس منظر ہے؟ ان کا کہنا تھا کہ بانی دارالعلوم مولانا عبدالحق کا جہاد سے انتہائی درجے کا لگاؤ تھا اور یہ ذوق انہیں اپنے استاد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے ورثے میں ملا تھا۔ جہاد سے تعلق کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپ کا آبائی علاقہ اکوڑہ خٹک برِصغیر کی اس عظیم تحریک اصلاح و جہاد کا مرکز رہا ہے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ اسی مقام پر سید صاحب کے سکھوں سے کئی تاریخی معرکے ہوئے۔ مولانا عبدالحق کا ایک اہم کردار افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف جہاد میں سامنے آیا۔ ان کے ادارے سے افغان جہاد کی فرضیت کا فتویٰ سب سے پہلے آیا اور انہوں نے یہاں سے اپنے طلباء کو جہاد کے لئے روانہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب سوویت یونین سے کوئی ٹکر لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ افغانستان پر سوویت یونین کی فوجی یلغار کے وقت مولانا جلال الدین حقانی دارالعلوم کے بڑے قابل مدرس تھے۔ اس وقت مولانا عبدالحق نے مولانا حقانی سے کہا کہ یہ تدریس کا نہیں جہاد کا وقت ہے۔ اس بات پر مولانا حقانی نے میدانِ جہاد کا رخ کیا اور جرأت و بہادری کی وہ مثالیں قائم کیں کہ انہیں افغان جہاد کے پانچ سو کمانڈروں کا سربراہ منتخب کیا گیا۔ دارالعلوم حقانیہ واحد ادارہ ہے جس کے دنیا بھر کی جہادی تنظیموں میں شرکاء اور شہداء کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور آج طالبان تحریک اور طالبان قیادت کی اکثریت کا تعلق بھی اسی مرکز سے ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے دورہ کے دوران وہاں کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا گیا۔ وہاں جہاد کوئی سیکرٹ نہیں ہے لیکن دہشت گردی کی تربیت تو درکنار وہاں دہشت گردی کا خیال بھی ذہن میں لانا گناہ ہے۔ بڑے ہی شفاف اور پاک خیالات رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت، عبادات اور معمولات اس نوعیت کے ہیں کہ وہاں کے بچوں اور نوجوانوں کے دل دنیاوی خوف سے خالی ہو جاتے ہیں۔ انہیں دنیا سے لگاؤ ختم ہو جاتا ہے اور وہ شہادت کو اپنی منزل سمجھتے ہیں اور پھر یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم میں پڑھنے والے سات سالہ نعمت اللہ سے بھی امریکہ جیسی سپر طاقت خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ دارالعلوم میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے روز و شب اور درویشانہ زندگی دیکھ

Marfat.com

لیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ طالبان کیسے بنتے ہیں ..... میں نے یہ راز ایک دن میں پا لیا لیکن نیویارک ٹائمز کا صحافی جیفری گولڈ برگ دارالعلوم حقانیہ میں ایک ہفتہ گزارنے کے باوجود یہ راز نہ پا سکا!!!

Marfat.com

# افغانستان: تاریخی اور سیاسی پس منظر

پڑوسی ملک افغانستان ہمیشہ جنگ و جدل' مصائب اور سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا ہے' اور اس وقت بھی شدید ترین بحران سے دوچار ہے۔ نیویارک کے ولڈ ٹریڈ سنٹر میں اور واشنگٹن میں پینٹاگون پر حالیہ دہشت گردی کے واقعات کے بعد نہ صرف عالمی امن کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے' بلکہ پاکستان اور افغانستان کی سلامتی کو بھی شدید ترین خطرہ درپیش ہے۔ اس صورتِ حال میں پاکستان اور افغانستان کا کیا کردار ہونا چاہئے' اس سوال کا اطمینان بخش جواب تلاش کرنے کے لیے افغانستان کی مکمل صورتِ حال اور تاریخی پس منظر کا مطالعہ نہایت ضروری ہے' کہ افغانستان ماضی میں کیا تھا اور اب کیا ہے؟

اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا افغانستان جنوب مغربی ایشیا کا ایک ایسا ملک ہے جو اگرچہ سمندر جیسی دولت سے محروم ہے' مگر اہم جغرافیائی حصے میں واقع ہے۔ سیاسی لحاظ سے اس کی دو اہم بڑی سرحدیں ہیں۔ شمالی سرحد پر ترکمانستان' ازبکستان اور تاجکستان واقع ہے' جب کہ جنوبی سرحد (1560 کلومیٹر) پر پاکستان واقع ہے پاک افغان سرحد کو ڈیورنڈ لائن بھی کہا جاتا ہے' جو 1893 میں افغان حکمران اور برطانوی حکومت کے درمیان قائم ہوئی تھی۔

مغربی سرحد پر ایران واقع ہے' جب کہ شمال مغرب کی مختصر سرحد چین کے ساتھ بھی ملتی ہے۔

Marfat.com

اس طرح پورا افغانستان کسی بھی ساحل سے محروم اور مکمل طور پر چھ پڑوسی ممالک کے درمیان گھرا ہوا ہے۔

افغانستان کا رقبہ 652,225 مربع کلومیٹر ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 13 ملین پر مشتمل تھی۔ جب کہ گنجانی کی شرح 28.5 ہے۔ آبادی کا کثیر حصہ 40 لاکھ مہاجرین کی شکل میں دیگر ممالک میں آباد ہے۔ ثقافتی لحاظ سے یہ آبادی مختلف ثقافتی' لسانی اور نسلی گروہوں میں منقسم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق افغان آبادی تقریباً بیس ثقافتی گروپوں میں منقسم ہے' جہاں نسلی' لسانی اور قبائلی عصبیت بہت زیادہ ہے اور وہ اپنے قبیلے سے بہت زیادہ وفادار ہوتے ہیں۔

سب سے بڑا گروپ پختون آبادی پر مشتمل ہے' تقریباً 75 فیصد ہے۔ زیادہ تر پختون پاکستان کی سرحد کے قریب جنوب مشرقی علاقے اور افغانستان کے وسط میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں تاجک' ایرانی' منگول' ازبک اور دوسری قومیتوں کے لوگ افغانستان کی شمالی سرحدوں پر آباد ہیں۔

افغانستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن میں پشتو اور فارسی سب سے زیادہ اہم ہیں۔ قبول اسلام کے وقت سے تقریباً پوری آبادی مسلمان ہے' جس میں اکثریت سنیوں کی ہے۔ ثقافتی' مذہبی' لسانی اور قبائلی انتشار نے افغانستان کی سیاست کو بہت متاثر کیا ہے اور آج بھی یہی قبائلی عصبیت خانہ جنگی کی وجوہات میں ایک وجہ ہے۔

طرز ریاست و حکومت کے لحاظ سے افغانستان اس وقت 31 صوبوں پر مشتمل ہے' جو مزید ضلعوں اور تحصیلوں میں منقسم ہے۔ صوبے کا سربراہ گورنر ہوتا ہے۔ صوبوں میں زیادہ اہم قندھار' ہرات' کنہر' غزنی وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔ دیگر اہم شہروں میں جلال آباد اور مزار شریف شامل ہیں۔ کابل یہاں کا دارالحکومت ہے۔ طالبان حکومت کو (اسلامی امارت آف افغانستان) کابل سمیت تمام اہم صوبوں پر کنٹرول حاصل ہے۔ جس کے سربراہ ملا محمد عمر ہیں۔ حکومت کو اب تک صرف پاکستان' سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے تسلیم کیا ہے' دوسری طرف شمال اتحاد پر مشتمل حکومت اسلامک اسٹیٹ آف افغانستان ہے' جس نے صرف دس فیصد علاقے پر کنٹرول حاصل کیا ہے اور اس کے سربراہ پروفیسر برہان الدین ربانی ہیں' اس حکومت کو دنیا کے متعدد

Marfat.com

ممالک تسلیم کر چکے ہیں' اور اسے اقوام متحدہ کی رکنیت بھی حاصل ہے۔

طالبان حکومت اور شمالی اتحاد کی حکومت کے درمیان سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کے حصول کے لیے کشمکش رہتی ہے۔ معاشی لحاظ سے افغانستان دنیا کے غریب ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی فی کس سالانہ آمدنی 100 امریکی ڈالر سے بھی کم ہے۔ معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت اور مویشی بانی پر ہے۔

1979ء میں افغانستان پر روسی جارحیت سے پہلے اگرچہ معیشت کافی حد تک بہتر تھی مگر بعد میں مسلسل جنگ خانہ جنگی اور معاشی پابندیوں کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ بیرونی تجارتی پارٹنرز میں آسیان کے ممالک' سارک ممالک اور وسطی ایشیا کی ریاستیں شامل ہیں۔ انفرادی طور پر پاکستان سب سے اہم تجارتی ساتھی ہے۔

## تاریخی پس منظر

افغانستان ایک قدیم تاریخی ملک ہے اگرچہ اسے موجودہ سیاسی شکل اٹھارویں صدی میں ملی۔ اس سے پہلے یہ مختلف حصوں میں منقسم تھا' جن کے مابین کوئی سیاسی وحدت نہ تھی۔ ان علاقوں کو 600 قبل مسیح میں ایرانی بادشاہ خسرو نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ 320 ق م میں سکندر اعظم نے انہیں فتح کر لیا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد چینی قبائل نے ان پر قبضہ کر لیا۔ ان کے دور مملکت میں کابل' غزنی' پشاور اور سوات وغیرہ کے علاقے شامل تھے۔ تاہم ایران کے ساتھ ان کا مسلسل تصادم ہوتا رہا۔

اس دور میں افغانستان ایرانی' ہندی اور چینی تہذیب اور مذاہب کا مرکز تھا اور یہاں گندھارا فن عروج پر تھا۔

چھٹی صدی عیسوی کے دوران اسلام کی آمد کا آغاز ہوا۔ عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ بڑھا تو عبداللہ بن عامر نے کابل فتح کیا۔ 665 عیسوی تک اسلام کی تبلیغ کو فروغ ہوا اور پچاس ہزار سے زائد عربوں کو یہاں بسایا گیا۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں افغانستان کے باشندوں کے ساتھ مسلمانوں کے برابر مقابلے ہوتے رہے اور کابل کئی بار فتح بھی ہوا' اگرچہ اس تمام عرصے کے دوران افغانستان پر باقاعدہ اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکی' مگر اسلامی تہذیب کی چھاپ پورے ملک پر لگ گئی۔ دین اسلام نے یہاں کے تمام مذاہب کو کاٹ کر اسلام کی عربی زبان کو پورے

Marfat.com

ملک میں پھیلا دیا۔اس کے بعد غزنویوں' غوریوں اور مغلوں نے وقتاً فوقتاً حملے کئے۔

976ء میں سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے شمالی افغانستان کو فتح کر لیا اور 1157ء تک موجودہ ملک افغانستان کا پورا علاقہ غزنوی سلطنت میں شامل رہا۔اگرچہ صفاری حکمران غزنویوں کے باج گزار کی حیثیت سے موجود رہے۔غزنویوں کے زوال کے بعد سلطان محمد غوری نے افغانستان پر قبہ کر لیا۔

غوریوں اور غزنویوں کا دور علمی اور ادبی لحاظ سے افغانستان کا سنہرا دور تھا' جس میں فن تعمیر نے بہت ترقی کی۔پشتو ادبی زبان بنی۔اس کے علاوہ ہندو مذہب اور تہذیب پوری سلطنت میں پھیل گئی۔نئی تہذیب ابھی عروج کی طرف مائل تھی کہ 1220ء میں تارتاری حملہ آور اور چنگیز خان نے اسے اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے روند ڈالا۔اس نے اس وقت کے مسلمان حکمران خوارزم شاہ کو شکست دے کر اسلامی مملکت کا تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔1245ء میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے اپنے دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بار پھر تاتاری قوانین نافذ کئے۔

تاتاریوں کے آخری کامیاب حکمران امیر تیمور تھے' جن کی وفات کے بعد تیمور خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔1506ء کے بعد جانشینی کے جھگڑوں کی وجہ سے تمام علاقے الگ الگ حکومت کرنے لگے۔اور اگلے کئی برس تک کابل شہر ازبکوں' مغلوں' صفویوں اور افغانوں کی باہمی آویزشوں کا مرکز بنا رہا۔

شمالی علاقے پر مغلوں اور جنوبی علاقے خراسان پر صفویوں کا قبضہ تھا' ادھر ازبکوں نے ہرات پر قبضہ جما لیا۔1545ء میں ہمایوں نے قندھار اور کابل پر بھی قبضہ کر لیا جو اکبر اور شاہ جہاں کے دور میں مستقل مغل سلطنت کا حصہ رہا۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہوئی تو 1738ء میں ایران کے نادر شاہ افشار نے کابل فتح کر لیا اور یہیں سے ہندوستان پر حملہ بھی کیا۔نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کا سپہ سالار احمد شاہ ابدالی 1747ء میں افغانستان کا بلاشرکت غیرے حکمراں بن گیا اور یہیں سے متحدہ افغانستان کا تصور ابھرا۔تاریخ میں احمد شاہ ابدالی کا خاندان درّانی کے لقب سے مشہور ہے۔یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے افغانوں کی پہلی مستحکم حکومت قائم کی۔اس نے

Marfat.com

افغانستان کو اتنا خوش حال بنا دیا کہ عوام اسے ''بابا'' کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ احمد شاہ نے قندھار کو اپنا مرکز بنایا اور اس کے بعد افغانوں کی قومی حکومت کا سلسلہ بھی نہ ٹوٹا' تاہم بعد میں باہمی تصادم کی وجہ سے افغان قبائل میں پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی جو 1835ء تک جاری رہی۔ پھر دوست محمد خان نے پورے علاقے کا کنٹرول حاصل کرلیا اور اپنے لیے امیر کا لقب اختیار کیا۔

افغانیوں کی آپس کی خانہ جنگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت برطانیہ اور روس کے درمیان افغانستان پر کنٹرول حاصل کرنے کی خواہش ابھرنے لگی۔ روس اپنی سلطنت کو وسعت دینا چاہتا تھا' جب کہ انگریز روس سے اپنی سلطنت بچانے کے لیے افغانستان کو ایک بفر ریاست (Buffer State) کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے 1839ء میں برطانوی فوج نے افغانستان پر حملہ کیا' جو پہلی انگریز افغان جنگ تھی۔ یہ جنگ 1842ء تک جاری رہی۔ اس جنگ میں انگریز حکومت کو بھی شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔ دوسری طرف روس نے بھی افغانستان پر اپنا اثر رسوخ ڈالنا شروع کر دیا' جس کے نتیجے میں روس کے ساتھ افغان حکم رانوں کے اچھے تعلقات ہونے لگے تو حکومت برطانیہ نے 1878ء میں ایک مرتبہ پھر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کے نتیجے میں درّۂ بولان اور وادیٔ کرم کا کچھ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ کچھ عرصے بعد کابل میں بغاوت برپا ہوگئی' جس سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے کابل فتح کرلیا۔ تاہم 1880ء میں ساری انگریز فوج حکومت عبدالرحمٰن کے حوالے کر کے خود واپس ہندوستان آ گئی۔ عبدالرحمٰن نے امیر کا لقب اختیار کیا۔ انگریزوں نے عبدالرحمٰن کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے داخلی سطح پر مکمل خود مختاری دے دی' تاہم خارجہ سطح پر وہ حکومت برطانیہ کا پابند رہا۔ عبدالرحمٰن نے افغانستان کو واقعی خود مختار اور مستحکم مملکت بنا دیا۔ اس نے ڈیورنڈ لائن کو سرحد بھی تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے امیر حبیب اللہ نے سوات' چترال' وزیرستان' خیبر' چاغی' چمن' پارہ چنار اور کرم کا علاقہ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا اور یہ پالیسی 1919ء تک چلتی رہی۔

1919ء کی ابتداء میں حبیب اللہ کے قتل کے بعد امان اللہ افغانستان کا نیا امیر بنا اور اس نے حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ روس نے اس کی امداد کی اس طرح تیسری انگریز افغان جنگ شروع ہوگئی۔

اگست 1919ء میں راولپنڈی معاہدے کے تحت حکومت برطانیہ نے افغانستان کو مکمل طور

Marfat.com

پر داخلی اور خارجی آزادی عطا کر دی' جس کے تحت ڈیورنڈ لائن کی حیثیت کو برقرار رکھا گیا۔ آزادی کے بعد سے جدید افغانستان کا دور شروع ہوتا ہے۔

امان اللہ نے مکمل آزادی حاصل کرنے کے بعد دیگر ممالک' ترکی' روس' ایران اور حکومت برطانیہ سے معاہدات کیے اور اپنی حکومت تسلیم کروائی۔ 1932ء میں ملک میں نیا آئین مرتب کر کے جدید اصولوں پر مبنی نظام نافذ کیا گیا۔ تاہم بعض نامناسب قوانین سے عوام بددل ہو گئے اور ایک تاجک سردار حبیب اللہ بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا اور امان اللہ فرار ہو کر اٹلی چلے گئے۔ بچہ سقہ کے قتل کے بعد نادر شاہ نے ہر شعبۂ زندگی میں اصلاحات نافذ کرنا شروع کیں اور اس نے قوم کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔ اس دور میں افغانستان نے خارجہ سطح پر غیر جانب داری کو اپنایا اور 1933ء میں انجمن اقوام کا رکن بن گیا۔

1933ء میں ملک کا نیا آئین نافذ کیا گیا۔ اسی سال نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کے انیس سالہ بیٹے ظاہر شاہ نے حکومت سنبھال لی۔ اگرچہ اصل اختیارات وزیر اعظم کی حیثیت سے ہاشم خان کے پاس تھے۔ ظاہر شاہ نے تمام اہم ممالک کے ساتھ سیاسی و تجارتی معاہدے کیے۔ دوسری جنگ عظیم میں افغانستان غیر جانب دار رہا۔ 1947ء میں افغان حکومت نے روس اور ایران کے ساتھ سرحدی تنازعات طے کیے۔ اس دوران افغانستان میں پارلیمانی بادشاہت قائم رہی۔

1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو افغانستان نے پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پختونستان کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ 1953ء میں داؤد خان وزیر اعظم بنا تو اس نے کھلم کھلا پاکستان دشمن پالیسیاں اختیار کیں اور صوبہ سرحد کو افغانستان کا حصہ قرار دینے لگا۔ ون یونٹ کے خلاف ان نے شدید احتجاج کیا اور معاہدۂ ڈیورنڈ کو توڑنے کی بھی دھمکی دی' جس سے دونوں ممالک کے درمیان اختلافات شدید ہو گئے اور دونوں ممالک کی سرحدیں بند ہو گئیں۔

1963ء میں نئے وزیر اعظم ڈاکٹر محمد یوسف نے پاکستان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کیے۔ اور ملک میں آئینی اور سماجی اصلاحات کا نفاذ کیا۔ 1964ء میں ملک میں نیا آئین مرتب کیا گیا۔ عورتوں کو رائے دہی کا حق دیا گیا اور پریس کو آزادی دی گئی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں افغانستان غیر جانبدار رہا۔

70ء کی دہائی میں افغانستان میں متعدد قحط بھی آئے' جس کی وجہ سے اس کی معیشت و شدید

Marfat.com

نقصان پہنچا۔ پاکستان' ایران اور مغربی ممالک نے اس کی امداد کی۔ 73ء میں سابق وزیراعظم داؤد خان نے فوج کی مدد سے ظاہر شاہ کی حکومت کو ختم کر کے ملک کو جمہوریہ قرار دیا اور تمام شاہی القاب ختم کر کے سربراہِ مملکت' وزیر دفاع اور وزیر خارجہ کے اختیارات سنبھال لیے۔

1977ء میں ملک میں نیا آئین مرتب کیا گیا اور صدارتی طرز حکومت اور ایک جماعتی نظام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس نے پاکستان کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھے لیکن غیر جانبداری کی پالیسی پر بھی گامزن رہا۔ اس نے مغربی ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کیے تو روسی لیڈروں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

نتیجتاً چند ماہ کے بعد اپریل 1978ء میں داؤد خان' اس کے خاندان اور تمام قریبی ساتھیوں کو کابل کے صدارتی محل میں بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور نئے ترقی پسند سربراہ' نور محمد ترہ کئی کو نیا صدر منتخب کیا گیا۔ اپریل انقلاب کے چند ماہ کے بعد روس اور افغانستان کے درمیان دوستی کا ایک معاہدہ ہوا' اور ایک دوسرے کے خلاف حملے یا خطرہ کی صورت میں مدد کرنے پر زور دیا گیا۔

اس معاہدے کی بنیاد پر ہی روس نے افغانستان پر حملہ کیا تھا۔ اکتوبر 1979ء میں نور محمد ترہ کئی کو قتل کر دیا گیا اور ان کی جگہ عنان حکومت حفیظ اللہ امین نے سنبھال لی۔ حفیظ اللہ نے غیر لچک دار رویہ اختیار کرتے ہوئے مخالفین پر تشدد کیا اور پاکستان' ایران اور امریکا پر باغیوں کی مدد کرنے کا الزام لگایا' سوویت یونین نے انہیں حالات کے تناظر میں دسمبر 1979ء میں 80 ہزار فوج کے ساتھ افغانستان کی طرف فوجی جارحیت کی' جس کے بعد امین اللہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے پرچم پارٹی کے جلاوطن کمیونسٹ لیڈر ببرک کارمل کو نئی حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

دوسری عالمی جنگ میں ہنگری اور چیکوسلواکیہ پر حملے کے بعد افغانستان پر روس کی تیسری فوجی جارحیت تھی۔ اس مداخلت نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ امریکا اور پاکستان سمیت تمام ممالک نے اس پر نہ صرف شدید احتجاج کیا بلکہ اس کے خلاف سخت اقدامات کرنے شروع کرنے لگے۔ سوویت یونین کے مقابلے میں مجاہدوں کو باقاعدہ تربیت اور اسلحہ فراہم کیا گیا۔ امریکی سی آئی اے نے پاکستان' چین اور عرب ممالک کے ساتھ مل کر روسی جارحیت کو ختم کرنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی اختیار کی۔ سوویت یونین کی مسلسل جارحیت کی وجہ سے بے شمار افغان مہاجرین پاکستان اور ایران چلے گئے۔ تقریباً 40 لاکھ مہاجرین نے پاکستان کا رخ کیا۔ مئی 1986ء میں

Marfat.com

اندرونی سیاسی انتشار کے بعد ڈاکٹر نجیب اللہ ببرک کارمل کی جگہ ملک کے نئے صدر منتخب ہوئے اور انہوں نے 1987ء میں نیا آئین نافذ کیا۔

اس دوران مجاہدین کی مسلسل جدوجہد اور عالمی برادری کے دباؤ کی وجہ سے سوویت یونین نے اپنی فوجیں واپس بلانے کا اعلان کیا اور جنیوا مذاکرات کے تحت 1989ء میں باقاعدہ طور پر سوویت یونین ناکام و نامراد واپس لوٹا۔ سوویت یونین کی فوجوں کی واپسی کے بعد افغانستان ایک مرتبہ پھر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا اور تمام مجاہدین تنظیمیں اور سیاسی جماعتیں اقتدار کے حصول کے لیے لڑنے لگیں۔

مئی 1991ء میں اقوام متحدہ اور دیگر ممالک کی کوششوں سے پانچ نکاتی منصوبہ پر اتفاق ہوا جس کے تحت عبوری حکومت کا قیام عمل میں لانا تھا۔ چنانچہ 25 اپریل 1992ء کو پشاور معاہدہ کے بعد پروفیسر صبغت اللہ مجددی کو عبوری حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا اور اسلامک اسٹیٹ آف افغانستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نواز شریف نے نئی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے افغانستان کا دورہ کیا۔

تاہم جون 1992ء میں برہان الدین ربانی کو پشاور معاہدے کے تحت نیا صدر منتخب کیا گیا' جنہوں نے ستمبر 1992ء میں پاکستان کا دورہ کیا مگر مجاہدین میں آپس میں اختلافات برقرار رہے۔ حکمت یار' جنرل دوستم اور دیگر اہم لیڈروں کے آپس کے اختلاف نے افغانستان میں مستحکم حکومت قائم نہ ہونے دی۔

افغانستان کی سیاست میں اس وقت اہم تبدیلی واقع ہوئی' جب جنوبی افغانستان میں طالبان کی صورت میں ایک نئی طاقت ابھری' جس کی سربراہی ملا عمر کر رہے تھے' جو پاکستان میں واقع مدرسوں سے فارغ التحصیل تھے۔ طالبان میں زیادہ تر نوجوان طلبہ تھے اور اس کے سینئر رہنماؤں نے سوویت یونین کے خلاف جہاد میں تجربہ حاصل کیا تھا۔ یہ لوگ شریعت کے سخت پابند تھے۔ پاکستان کی آئی ایس آئی پر طالبان کے قیام کا الزام ہے' جب کہ پاکستان اس سے انکار کرتا ہے۔ طالبان افغانستان کی سیاست میں اس وقت واضح طور پر ابھرے' جب انہوں نے 1994ء میں حکمت یار کی فوج کو شکست دے کر قندھار پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں مزید کامیابیوں کے بعد انہوں نے ستمبر 1996ء میں جلال آباد اور پھر کابل پر قبضہ کر لیا اور ڈاکٹر نجیب اللہ کو پھانسی دے

Marfat.com

دی گئی۔ کابل پر قبضے کے بعد طالبان نے پورے افغانستان میں شریعت کا نفاذ کر دیا اور افغانستان کا نام ''اسلامی امارت آف افغانستان'' رکھ دیا۔ طالبان کی حکومت کا اس وقت افغانستان کے تقریباً 90 فی صد علاقے پر کنٹرول ہے۔ پاکستان' سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا ہے' جب کہ دیگر ممالک نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔

طالبان کی حکومت کو ابتدا ہی سے شدید ترین پریشانیوں کا سامنا رہا۔ ایک طرف شمالی اتحاد نے اس کے خلاف محاذ بنایا ہوا ہے۔ جب کہ دوسری طرف بین الاقوامی سطح پر اسے واضح طور پر کوئی حمایت نہیں۔ امریکا نے اسامہ بن لادن کی وجہ سے طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور اسی بنا پر 1998ء میں اسامہ کے ٹھکانوں پر حملہ بھی کیا تھا' اس کے خیال میں اسامہ نے ہمیشہ امریکی مفادات کو نقصان پہنچایا ہے۔ جولائی 1991ء میں امریکہ نے دہشت گردی کی سرپرستی کا الزام لگا کر طالبان کی حکومت پر شدید معاشی پابندیاں عائد کر دیں۔

واشنگٹن اور نیویارک میں دہشت گردی کے حالیہ واقعے کے بعد امریکی فوج نے طالبان کی حکومت پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے نہ کیا تو وہ افغانستان پر حملہ کر دے گا۔ اس سلسلے میں حکومت امریکہ نے پاکستان سے بھی مدد کی درخواست کی تھی' کیوں کہ پاکستان ہی طالبان کے خلاف ایک مؤثر حلیف ثابت ہو سکتا تھا۔

حکومت پاکستان نے اس سلسلے میں امریکی حکومت کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے طالبان پر زور دیا تھا کہ وہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دے دوسری طرف طالبان کی حکومت نے اسامہ بن لادن کو معصوم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسامہ پر محض الزامات لگائے جا رہے ہیں' وہ اتنی بڑی کارروائی نہیں کر سکتے' کیوں کہ ان کے پاس مواصلات کی کوئی سہولت نہیں ہے۔ امریکہ اگر ثبوت فراہم کرے تو ہم اسے امریکا کے حوالے کر دیں گے' ورنہ دوسری صورت میں وہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ طالبان حکومت نے پاکستان کو بھی خبردار کیا ہے کہ وہ امریکا کا ساتھ نہ دے ورنہ اسے طالبان کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخر کار امریکہ نے 17 اکتوبر 2001ء کو رات کی تاریکی میں افغانستان پر حملہ کر دیا۔

Marfat.com

# اور امریکہ لرز اٹھا

طارق اسمٰعیل ساگر

--- 11 ستمبر 2001ء ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے پس منظر میں لکھی گئی سنسنی خیز انکشافات سے بھرپور ایک مکمل، مستند اور تاریخی دستاویز۔

--- عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازش کا احوال واقعی۔

--- وہ تفصیلات جو اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آئیں۔

--- یوسف رمزی سے اسامہ بن لادن تک نام نہاد دہشت گردی کا بھرپور محاکمہ

قیمت 175 روپے


## ساگر پبلشرز

7۔اے لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور

فون:۔7230423


Marfat.com

6-اپریل

# فیصلہ آگیا

ذخیرہ

طارق اسمٰعیل ساگر

--- سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی گرفتاری سے رہائی تک لمحہ بہ لمحہ بدلتی ڈرامائی صورت حال کا مکمل احاطہ

--- محلاتی سازشوں، عیاریوں، جانبازیوں کی اندرونی کہانیاں

--- عدالتی معرکہ آرائی کہ ہر پل بدلتی صورتحال کا بھرپور تجزیہ

--- طیارے کے اغوا سے "عمر قید کی سزا" تک کا مکمل احوال

--- ایک اہم تاریخی دستاویز

--- مکمل اور محفوظ تاریخ

قیمت 150 روپے

ساگر پبلشرز

7-اے لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور

فون:- 7230423

Marfat.com

Z.B.S.
2902

Marfat.com

# اگر آپ سنجیدہ ادب کے قاری ہیں؟

- اگر آپ دنیائے اردو کے مقبول ترین ناول نگار

**طارق اسمعیل ساگر**

کے ناول پڑھنا چاہتے ہیں؟

- اگر آپ عسکری موضوعات پر اردو ادب کے متلاشی ہیں
- اگر آپ نظریہ پاکستان اور پاکستان سے مخلص ہیں **تو....**

# ساگر پبلشرز

کی شائع کردہ کتب آپ کے لئے ناگزیر ہیں

Marfat.com

# اگر آپ سنجیدہ ادب کے قاری ہیں؟

- اگر آپ دنیائے اردو کے مقبول ترین ناول نگار

**طارق اسمعیل ساگر**

کے ناول پڑھنا چاہتے ہیں؟

- اگر آپ عسکری موضوعات پر اردو ادب کے متلاشی ہیں
- اگر آپ نظریہ پاکستان اور پاکستان سے مخلص ہیں **تو....**

# ساگر پبلشرز

کی شائع کردہ کتب آپ کے لئے ناگزیر ہیں

Marfat.com